تعلیمات صوفیاء کی روشنی

انوارِ تصوّف

غوث سیوانی

Marfat.com

217646

انوارِ تصوف

غوث سیوانی

عرشیہ پبلی کیشنز دہلی ۹۵

Marfat.com

یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

نامِ کتاب	:	انوارِ تصوف
مولف وناشر	:	غوث سیوانی
اشاعت	:	۲۰۱۳ء
مطبع	:	ایچ.ایس.آفسیٹ پرنٹرس، دہلی
تعداد	:	پانچ سو
صفحات	:	۳۰۰
قیمت	:	۱۸۰ روپئے(اندرون ہند)
ڈسٹری بیوٹر	:	عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی

ANWAR-E-TASAWWUF

BY

GHAUS SIWANI

arshia publications
A-170, Ground Floor-3, Surya Apartment, Dilshad Colony, Delhi - 110095 (INDIA)
Mob: (0) 9899706640, 9971775969 Email: arshiapublicationspvt@gmail.com

Marfat.com

انتساب

رومی کی بانسری کے نام

جس نے حقیقت و معرفت کے بے شمار سربستہ رازوں کو بے نقاب کیا

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

غوث سیوانی

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

انوارِ تصوف ☆ امام تصوف عبدالکریم قشیری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت وبچپن	27
تعلیم وتربیت	27
راہِ طریقت	28
خاندان	29
دورِ ابتلا	30
شخصیت وخدمات	31
تصنیفات	32
رسالہ قشیریہ	33
آخری وقت	35
عکسِ خیال	36
معرفت حق	36
دنیا سے کنارہ کشی	39
وقت	41
مقام	42
حال	43
تواجد، وجد، وجود	44
توبہ	46

Marfat.com

خلوت	48
تقویٰ	50
دعاء	52
مرید کون؟	54
سماع	56

داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

سالِ ولادت و وطن	61
سلسلہ نسب	61
شجرۂ طریقت	61
داتا لقب گنج بخش	62
نقش حیات	62
عکسِ خیال	68
دنیا مقامِ اسرارِ الٰہی	69
محبت کی حقیقت	71
ذکر اہل دل کا	76
عرفانی اقوال	80

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت و وطن	89
تحصیل علم	89
تدریس	91
مدرسہ نظامیہ میں	91
سفر حج	92
طوس میں قیام	92
تصنیفات	93

Marfat.com

شاعری	94
تصوف سے لگاؤ	95
آفتاب علم غروب ہوگیا	98
عکس خیال	100
تخلیق کی حکمت	101
آفتاب کی تخلیق کے راز	103
نیک اعمال سے تزکیہ	105
دولت سے محبت	106
تصوف کا راستہ	109
غم مٹانے کا طریقہ	112
سالک کون؟	114
موت سے خوف	116
غصہ کا علاج	118
اخلاص	121

محبوب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت	125
تعلیم وتربیت	125
دینی وعلمی خدمات	127
طریقت	128
تصانیف	129
ازدواجی زندگی	130
تاریخِ وفات	131
عکس خیال	132
توحیدِ خالص	133
اللہ پر بھروسہ	134

Marfat.com

ہر طرف اسی کا جلوہ	136
مرید کون؟	137
تسلیم و رضا	140
مومن کی صفات	142
مومن کی آزمائش	143
خیر و شر کی حقیقت	144
دنیا و آخرت	146
مال و دولت	147
حسد کی برائی	148
مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ	
ولادت اور خاندان	151
ہجرت	151
قونیہ میں	152
شادی و اولاد	153
تعلیم و تربیت	153
مشاغل	154
طلوعِ شمس	155
دل کا رشتہ	156
معتقدین کا ردِ عمل اور شمس کی گمشدگی	157
غروبِ شمس	158
غروبِ شمس کے بعد	159
تصنیفات	160

Marfat.com

آخری خزاں 161
عکسِ خیال 163
معرفت کا راستہ 164
دنیا آئینہ ہے 165
تجلیاتِ الٰہی اور نقاب 167
عقل پروانہ ہے 169
انا الحق عاجزی ہے 171
دعاء رد نہیں ہوتی 172
نادان دوست 173
اتحاد میں برکت ہے 174
صورت یا سیرت 176
بہرے کی عیادت 178
رنگین گیدڑ 180

محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

ولادت 184
حسب ونسب 185
تعلیم وتربیت 185
مرشد کی خدمت میں 186
خلافت واجازت 187
دہلی میں قیام 188
خانقاہ نظامی کی اہمیت تاریخ کے آئینے میں 189
خانقاہ شیخ المشائخ کل اور آج 190

Marfat.com

خانقاہ کے حاضرین
192
خانقاہ سے متعلق سیاسی واقعات
195
بادشاہ دکن کی حاضری
198
خانقاہ کی خدمات
199
مراء کا عجیب شوق
202
منکرات کی کثرت
203

اصلاح کی کوشش 204
فقر وفاقہ 206
فتوحاتِ غیب 207
بادشاہوں سے تعلقات 208
خلفاء ومریدین 208
علالت ووصال 209
عکس خیال 211
نماز کی تاکید 212
توکل 214
ترکِ دنیا 217
صدقہ، خیرات 218
ذکر اللہ والوں کا 219
نصیحت کا طریقہ 221

مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ

خاندانی پس منظر 226

Marfat.com

ولادت 226
تعلیم وتربیت 227
شادی 228
شیخ کی خدمت میں 228
بہار شریف میں 229
خدمات 230
تصنیفات 231
مکاتیب کے مجموعے 232
آخری وقت 233
آخری شعر 233

عکسِ خیال 235
معرفتِ حق 236
آتشِ عشق 239
دل والوں کا دل 243
شریعت وطریقت 244
امراضِ باطن 247
معراجِ عشق 250

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

بیعتیں اور روحانی ریاضتیں 257
خواجہ باقی باللہ سے ملاقاتیں 258
خدمات اور گرفتاری 261

Marfat.com

تصنیفات	261
عکسِ خیال	263
عوام کی تکلیف برداشت کرنا	264
تکلیف میں خوش رہنا	265
اللہ کی مرضی میں راضی	268
انسان کا دل عرش سے عظیم	271
وقت کی قدر	273
کل کرے سو آج کر	275
دل کو ٹھیس نہ پہنچاؤ	278
دل کی بیماریاں	280
انکساری	283
اطمینانِ قلب	284
خالص عبادت	285
خدمتِ خلق	287
بہتر فرقے والی حدیث کا مطلب	289
دنیادار علماء	293
شریعت اور طریقت	294
ترکِ دنیا	296
کائنات، مظہر خدا ہے	299

Marfat.com

مست کبیرا کس کی دھن پر گاتا ہے
چرخا اس دنیا کا کون چلاتا ہے
ہر صبح سورج کو کون جگاتا ہے
شام ڈھلے چادر میں کون سلاتا ہے
جمنا میں جل کون آکر بھرجاتا ہے
اس جل سے پھر گنگا کو نہلا تا ہے
کون مُرلیا کانھا سے بجواتا ہے
اُس دھن پر پھر رادھا کو نچواتا ہے
کون سہاگن کو دیتا برہن کا روپ
کون چُنر کو پھر دھانی رنگواتا ہے
کسی کو سولی کسی کو دیتا ہے بنواس
کسی کے وِش کو وہ اَمرت کرجاتا ہے

غوث سیوانی

Marfat.com

انوارِ تصوف

صبح کس کے جلوؤں سے منور ہوتی ہے؟ شام کس کے پردوں سے مسخر ہوتی ہے؟ دن میں سنہری رنگت کس کی ہے؟ رات کس کی زلفوں کے صدقے مائل بہ سیاہی ہے؟ سورج کی کرن تمازت کہاں سے لاتی ہے؟ چاند کی چاندنی ٹھنڈک کہاں سے پاتی ہے؟ طوفانوں کو وحشت کہاں سے ملتی ہے؟ حباب میں نزاکت کہاں سے آتی ہے؟ مظاہر فطرت کی دلکشی کس کے رخ گلفام سے ہے؟ ذروں کی چمک کس حسین کے انعام سے ہے؟ حسینوں کے حسن میں جھلک کس کی ہے؟ نازنینوں کے چہرے پر چمک کس کی ہے؟ رومیؔ کے بانسری میں کون روتا ہے؟ خسروؔ کی دھن میں کون گاتا ہے؟ سعدیؔ کی زبان میں کون بولتا ہے؟ جامیؔ کے لہجے میں رازِ دروں کون کھولتا ہے؟ حافظؔ کے منہ میں آواز کس کی ہے؟ خیام کے تخیل میں پرواز کس کی ہے؟ میرؔ کی تغزل میں جھلک کس کی ہے؟ ذوقؔ کے ترنم میں کھنک کس کی ہے۔ فراقؔ کے ذکر میں مہک کس کی ہے؟

مست کبیرا کس کی دھن پر گاتا ہے
اس دنیا کا چرخا کون چلاتا ہے

اس حسن کا عرفان تو کرو جس کے عشق میں گردشِ کائنات ہے۔ اس حسن واحد کے ادراک کی کوشش تو کرو جس کا ظہور الگ الگ صورتوں میں ہو رہا ہے۔

چھپایا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ فرما نازنینوں میں

حسن و عشق لازم وملزوم ہیں۔ جہاں جہاں حسن ہے، وہاں وہاں عشق ہے۔

Marfat.com

یہ کائنات کارخانہ عشق ہے۔ یہاں عشق کا ظہور مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ اگر قرارِ عشق دیکھنا ہو تو زمین کو دیکھو۔ اضطرارِ عشق دیکھنا ہو تو ہوا کو دیکھو۔ رفتارِ عشق دیکھنا ہو تو پانی کو دیکھو۔ سوزشِ عشق دیکھنا ہو تو آگ کو دیکھو۔ اور ان سبھوں کا مجموعہ دیکھنا ہو تو انسان کو دیکھو۔ انسانی وجود کا ظہور اگر بیداریٔ عشق ہے تو فنا سرمستیٔ عشق۔

جمالِ عشق و مستی نے نوازی   جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر   زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

وہ ایسا معشوق ہے جسے اپنے عاشقوں سے پیار ہے۔ اسی لئے وہ اپنی ہستی کا پرتو اپنے چاہنے والوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے اہل کرم پسند ہیں کیونکہ وہ خود کریم ہے۔ اسے رحم کرنے والے محبوب ہیں کیونکہ وہ خود رحیم ہے۔ اسے احسان کرنے والے اچھے لگتے ہیں کیونکہ وہ خود محسن ہے۔ اسے علم والے پسند ہیں کیونکہ وہ خود علیم ہے۔ اسے حسین محبوب ہیں کیونکہ وہ خود جمیل ہے۔ اس کا مسکن عاشقوں کا دل ہے کیونکہ یہ جمالیات کا مرکز ہے۔

حسنِ ازل نے اپنی صراحی سے شرابِ عشق جن کے ساغروں میں انڈیلی وہ بیخود و سرشار ہوئے، مست مئے اختیار ہوئے، صاحب دلِ بے قرار ہوئے۔ کوئی رومؔی کی شکل میں امامِ عاشقاں ہوا تو کوئی قشیریؔ کی صورت سردارِ کاروانِ عرفاں ہوا۔ کوئی غزالؔی کے روپ میں صاحب دستار ہوا تو کوئی علی ہجویری کی صورت داتائے گنج بے شمار ہوا۔ کوئی نظام الدین کے پیکر میں محبوبِ کردگار ہوا تو کوئی شرف الدین کے سراپا میں مخدومِ بہار ہوا۔ کاروانِ محبت کے انہیں شہسواروں کو دنیا 'صوفی' کے لقب سے یاد کرتی ہے اور عشق و عرفان کی اسی تحریک کو 'تصوف' کہا جاتا ہے۔

تصوف ایک راستہ ہے جو بہت سی پرخار وادیوں سے ہو کر گذرتا ہے۔ راہی کے قدم تھک جاتے ہیں، پیر لہولہان ہو جاتے ہیں، جسم زخموں سے چور ہو جاتا ہے، آنکھوں سے چشمۂ خوں جاری ہو جاتا ہے۔ پھر کہیں منزل تک رسائی ہوتی ہے۔

Marfat.com

یہاں کا دستور نرالا ہے۔ جو جسم و جاں کو بچا لے گیا وناکام ونامراد گیا اور جس نے اپنے وجود کو گنوادیا وہی کامیاب و کامران ٹھہرا۔ منزل نے اس کے قدم چومے، مراد نے اس کا استقبال کیا، سرخروئی کی دستار اس کے سر باندھی گئی۔ اب محبوب و محبّ میں دوئی نہیں رہتی، چاہت انہیں ایک کر دیتی ہے۔

ہم تم سامی ایک ہیں کہن سنن کو دوے
من کو من سے تو لئے دو من کبھی نہ ہوے

حدیث قدسی ہے ـ

''اے میرے بندے تیرے حق کی قسم میں تجھے پیار کرتا ہوں، تجھے میرے حق کی قسم کہ تو بھی مجھ سے محبت کر''۔

یحیٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ''محبت کا ایک ذرہ بغیر محبت کی ستر سالہ عبادت سے بہتر ہے''۔

(روضۃ المحبین ونزہۃ المشتاقین، ص ۴۷۰)

سالک جب منزل تک پہنچ کر عارف ہو جاتا ہے تو رحمتیں اسے ڈھک لیتی ہیں، قدسیان معصوم اس کے مقام ومرتبے پر رشک کرتے ہیں۔ وہ بندہ اگرچہ بندہ ہوتا ہے مگر خدائی صفات کا حامل ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا سے بے خوف ہو جاتا ہے اور دنیا اس سے ڈرنے لگتی ہے۔ وہ خدا سے محبت کرتا ہے اور مخلوق اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ عالم قدس اس سے محبت کرتا ہے اور عالم فانی میں بھی اس کی محبت عام کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں، جنگل میں درندے، پیڑوں پر پرندے اور تمام ذی روح وغیر ذی روح تک اس کی محبت پھیلا دی جاتی ہے۔ وہ صرف خالق سے محبت کرتا ہے اور مخلوق اس سے محبت کرتی ہے۔ یہ مقامِ محبوبیت ہے۔ بندہ محبوب حقیقی کا تابع ہو جاتا ہے اور دنیا اس کی تابع ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
بھلا اے دل حسیں ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں

عارف کے متعلق صوفیہ کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت جنید بغدادی نے فرمایا:

''آدمی اس وقت تک عارف نہیں ہوسکتا جب تک وہ زمین کی طرح نہ ہو، کیونکہ ہر نیک و بد اس پر چلتا ہے اور جب تک وہ بارش کی طرح نہ ہو کہ وہ ہر محبوب وغیر محبوب کو سیراب کرتی ہے''۔

حضرت ابوسلیمان دارانی نے فرمایا:

''جو علوم عارف کے لئے اس کے بستر پر کھولے جاتے ہیں وہ مصلیٰ پر کھڑے ہونے سے بھی نہیں کھلتے''۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

''حقیقی عارف وہ شخص ہے کہ اگر اس کو سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت بھی دے دی جائے پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ سے ایک پلک جھپکنے کے برابر غافل نہ ہو۔

ایک صوفی کا قول ہے:

''عارف شخص اللہ سے مانوس ہوتا ہے تو اللہ اسے لوگوں سے اجنبی بنا دیتا ہے۔ وہ اللہ کا محتاج ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مخلوق سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کے لئے ذلیل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی نگاہ میں معزز کر دیتا ہے''۔ (ایضاً، ص ۴۶۹)

کسی میں جو کوئی فنا ہو گیا
نہ کچھ پوچھ آسی وہ کیا ہو گیا

فنا کا مطلب خاتمہ ہے مگر تصوف میں فنا، بقا کی ابتدا کا نام ہے۔ جس طرح

Marfat.com

ایک دانا مٹی کی تہہ میں سڑ کر خود کو ختم کر لیتا ہے مگر اسی کے ساتھ اس کا دوسری شکل میں ظہور ہوتا ہے یعنی وہ پہلے پودا اور پھر تناور درخت بنتا ہے۔ اس کی زندگی صدیوں پر محیط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فنا دراصل بقا کا عنوان ہے۔ یہاں عبد کا خاتمہ ہوتا ہے اور عبدہٗ کی ابتدا ہوتی ہے۔ عبد فنا ہونے والی چیز ہے مگر عبدہٗ کو بقائے دوام ہے کیونکہ یہ فنا محض فنا نہیں بلکہ فنا فی اللہ ہے۔ اللہ باقی ہے لہٰذا وہ بندہ بھی حیات جاوداں کا حقدار ہو جاتا ہے جو خود کو اس کی ذات میں فنا کر دیتا ہے۔

تصوف محبت سے عبارت ہے۔ محبت ایسی شئے نہیں جسے ختم کر دیا جائے۔ یہی سبب ہے کہ لاکھ مخالفتوں کے باوجود اسے عالمی سطح پر مقبولیت حاصل ہوئی۔ صدیاں گذریں اور بعد کے دور میں ایک طبقہ اس کی مخالفت میں بھی آیا مگر اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ یہ انسانی خمیر کی آواز ہے، یہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے۔ لہٰذا اہل دل ہر دور میں اس کی طرف کھنچے چلے آئے۔ یہاں روحانی سکون حاصل ہوا اور بندوں کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے خالق کے سائے میں آگئے ہوں۔

انسان کو ہر دور میں اپنے خالق کی تلاش تھی اور وہ اسی تلاش میں سکون ڈھونڈ تا تھا اور اسے یہیں اطمینان قلب حاصل بھی ہوا۔ قرآن میں فرمایا گیا ''اللہ کے ذکر میں اطمینان قلب ہے''۔ آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو تصوف کے سائے میں آکر اپنے خالق کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے یاد کر کے سکون قلب پاتے ہیں۔ مگر ایک بڑا طبقہ ایسا بھی ہے جسے دل کا سکون چاہئے اور اسے معلوم نہیں کہ یہ سکون کہاں مل سکتا ہے۔ عہد حاضر کی ایک بڑی بیماری ذہنی الجھن ہے اور اس میں سب سے زیادہ وہ طبقہ مبتلا ہے جس کے پاس جدید دنیا کی تمام سہولیات موجود ہیں۔ دولت اتنی ہے کہ اس کی گنتی مشکل ہے۔ خادموں کا ازدہام ہے جو ہر لمحہ اشارۂ ابرو کا منتظر ہے۔ سفر کے لئے کار سے لے کر ہیلی کاپٹر تک موجود ہیں۔ غرض کہ عیش و عشرت کا کوئی ایسا سامان نہیں جو انہیں دستیاب نہ ہو، پھر بھی سکونِ قلب حاصل نہیں۔ وہ نیند

Marfat.com

کے لئے خواب آور دوائیں استعمال کر رہے ہیں۔ سکون کے لئے شراب اور منشیات کا سہارا لے رہے ہیں۔ وہ اطمینانِ قلب کی تلاش میں نائٹ کلبوں اور کیسینوز کا چکر کاٹ رہے ہیں مگر جب تھک ہار جاتے ہیں تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی جان لے لیتے ہیں۔ جدید طرز زندگی کے حامل افراد بالخصوص مغربی ممالک میں یہ چلن عام ہے۔ آج تصوف ایسے افراد کے لئے تیر بہ ہدف علاج ثابت ہوسکتا ہے بشرطیکہ انہیں اس کے سائے میں لایا جائے۔ اسی طرح تشدد، جرائم، دہشت گردی، خونریزی، قتل وغارت گری، چوری، ڈکیتی، رشوت ستانی، بدعنوانی، گھپلہ بازی اور اس جیسی دیگر برائیوں کو سماج سے مٹا کر ایک صالح سماج کی بنیاد، تصوف کے تعاون سے ڈالی جاسکتی ہے۔ سماج کی اصلاح میں تصوف کا جتنا اہم رول ماضی میں رہا ہے حال میں یہ اس سے بڑھ کر کام کرسکتا ہے۔ موجودہ معاشرے میں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔

کتاب ''انوارِ تصوف'' تصوف کے اسی پیغام کو عوام الناس تک پہنچانے کی ایک کوشش ہے۔ اس کتاب میں آٹھ صوفیہ کی حیات وخدمات کا ایک ہلکا سا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کے افکار وخیالات کا ایک عکس ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سبھی آٹھ صوفیہ اپنے عہد کی نمایاں روحانی وعلمی شخصیات ہیں۔ حضرات ابوالقاسم عبدالکریم قشیری، امام محمد غزالی، مولانا جلال الدین رومی، داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری، شیخ عبدالقادر جیلانی، محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور مخدوم شرف الدین منیری علیہم الرحمہ یہ سبھی صوفی کے ساتھ ساتھ زبردست عالم اور مصلح تھے۔ انہوں نے سماج پر نہ مٹنے والے اثرات مرتب کئے۔ معاشرے کی اصلاح کی، مدرس کے طور پر طلباء کو زیورِ علم سے آراستہ کیا اور اپنی تصنیفات، مکتوبات اور ملفوظات کے ذریعے آج بھی دنیا کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ ان میں مولانا جلال الدین رومی پر مغرب میں بھی کام ہو رہا ہے اور ان کی شخصیت کو پہچاننے کی کوشش جاری ہے۔ ان کی کتابوں کے تراجم ہو چکے ہیں اور انہیں پڑھ کر اہل مغرب سر دھن رہے ہیں۔ رومی کی عالمی سطح پر مقبولیت کو

Marfat.com

دیکھتے ہوئے اب مادہ پرست عقلوں نے کسب زر کے طریقے بھی تلاش کر لئے ہیں۔ ہالی ووڈ کے موسیقاروں نے ان کلام کے ترجموں پر مشتمل سی ڈی بازار میں پیش کی تھی جو خوب فروخت ہوئی۔ اس قسم کی ویڈیو اور آڈیو سیڈیاں اب عام ہو چکی ہیں۔ پرفارمنگ آرٹسٹوں نے رقص کی ٹولیاں بنالی ہیں جن کی بازار میں خوب مانگ ہے۔ یہ روحانی کلام کے ساتھ رقص کرتی ہیں۔ اسے 'صوفی ڈانس' کہا جاتا ہے۔ عالمی ادارے 'یونیسکو' نے ۲۰۰۷ء کو رومی کا بین الاقوامی سال قرار دیا تھا۔ اس کے تحت بھی رومی پر بہت سے پروگرام منعقد ہوئے اور بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ یہ سلسلہ ساری دنیا میں چلا۔

مغرب آٹھ صدیاں بیتنے کے بعد رومی سے آگاہ ہوا ہے۔ اسے آج بھی یہ نہیں معلوم کہ ہمارے علمی خزانے میں سعدی، حافظ، خیام، جامی، عطار، خسرو کے ساتھ ساتھ غزالی، قشیری اور بہاری جیسے درنایاب بھی ہیں۔ ہماری روحانی رہنمائی کے لئے حسن بصری، ذوالنون مصری، سری سقطی، جنید بغدادی، معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، نظام الدین اولیاء، بندہ نواز گیسو دراز کے ساتھ ساتھ شاہ عبدالحق، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ جیسی شخصیات بھی موجود ہیں۔ کاش مغرب اور دنیا اس حقیقت سے آگاہ ہو پاتی تو ضرور ان سے اکتساب فیض کی کوشش کرتی۔ ان بزرگوں کے علمی اور روحانی خزانے کسی ایک طبقے کی میراث نہیں۔ پوری عالم انسانیت کا ان پر حق ہے۔

کتاب ''انوار تصوف'' کے ذریعے ہم نے چند صوفیہ کی شخصیت، خدمات اور افکار کی جھلک پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ فرض کفایہ ہے جو انسان ہونے کے ناطے ہم پر عائد ہوتا ہے۔ صوفیہ کے علمی خزانے میں وہ فکر وفن کے جواہرات ہیں جن کی قیمت پوری دنیا نہیں بن سکتی، مگر افسوس یہ درّ بے بہا کتابوں کے اوراق میں دفن ہو کر رہ گئے ہیں۔ انہیں نکالنے اور زندگی میں برتنے کی کوشش نہیں ہوتی۔ اس کتاب میں صوفیہ کے ایسے افکار کو چن چن کر پیش کیا گیا ہے جن سے انسانی زندگی میں تبدیلی آتی ہے اور دنیا و آخرت پر اس کے اثرات پڑتے ہیں۔ انسان اپنا مقصد وجود سمجھتا

۲۳۸۷۱۱

Marfat.com

ہے اور خدا رخی زندگی کے لئے تیار ہوتا ہے۔ ان صوفیانہ افکار کو اگر زندگی میں اپنا لیا جائے تو بندوں کو اپنے خالق کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور سکونِ قلب ملتا ہے۔

کھل جائیں کیا مزے ہیں تمنائے شوق میں
دو چار دن جو میری تمنا کرے کوئی

''انوارِ تصوف'' میں صوفیہ کے افکار کو انہیں کی کتابوں، ملفوظات اور مکتوبات سے لیا گیا ہے۔ کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ زیادہ تفصیل کے لئے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب، اشاعت اور تقسیم میں جن لوگوں نے بھی تعاون کیا وہ قابل تشکر ہیں۔ خصوصاً مرکزی مکتبہ اسلامی لائبریری، دعوت نگر نئی دہلی کے ذمہ داران جنہوں نے مختلف علمی موضوعات پر کتابوں کا ذخیرہ کر رکھا ہے۔ اس کے لائبریرین جناب تنویر آفاقی اور اس کے نگہبان محمد مشتاق و محمد مصطفیٰ جن کا تعاون کتب کی فراہمی میں ہمیشہ شامل رہا۔ کتاب کی اشاعت اور اسے دیدہ زیب بنا کر عوام تک پہنچانے کا دشوار کام جناب اظہار احمد ندیم نے بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ تصوف پر کام کرنے میں معروف فلم ساز محترم مظفر علی اور ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ڈین فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی کی طرف سے حوصلہ افزائی ملتی رہی ہے، اس کے لئے ان کا بھی شکریہ!

اب کتاب قارئین کے ہاتھ میں ہے جن کے تاثر کا انتظار رہے گا۔

غوث سیوانی، نئی دہلی
Mob:09312976216
email:ghaussiwani@gmail.com

Marfat.com

امام الصوفیہ حضرت **علی** کرم اللہ وجہہ نے اپنی شہادت سے قبل فرمایا ۔

"آج میری مثال اس پیاسے کی سی ہے جو پانی کی تلاش میں گھاٹ پر پہنچ گیا ہو یا اُس طالب کی سی ہے جس نے مطلوب کو پالیا ہو۔ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ نیکوکاروں کے لئے بہتر ہے۔"

(نہج البلاغہ، جلد دوم، صفحہ ۶۱۶)

Marfat.com

امام تصوف عبدالکریم قشیری رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

سجدۂ در جو تمہارا نہ میسر ہوتا
وہی ہم ہوتے، وہی سر، وہی پتھر ہوتا

امام ابوالقاسم عبدالکریم قشیری علیہ الرحمہ ابتدائی عہد کے صوفیہ میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ ان اہل سلوک میں ہیں جنھوں نے تصوف کی تدوین فرمائی اور جنہیں مرجع کی حیثیت حاصل ہے۔ ہر دور میں علماء تصوف آپ کی کتاب ''رسالہ قشیریہ'' کی طرف رجوع کرتے رہے اور آج بھی اس کتاب کو علم تصوف میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ بعد میں بہتوں نے اس کی تتبع کی۔ امام قشیری نے تصوف کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے اور بعد کے صوفیہ آپ کو احترام کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں۔

Marfat.com

ولادت و بچپن:

ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمہ ماہ ربیع الاول میں ۳۷۶ھ کو استوا کے مقام پر پیدا ہوئے۔ یہ ایران کے شہر نیشا پور کے نواح میں ایک قصبہ تھا۔ یہ ایک مردم خیز علاقہ ہے اور یہاں بڑے بڑے اہل علم نے جنم لیا ہے۔ ابوالقاسم آپ کی کنیت ہے، نام ونسب یوں ہے، عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد ابوالقاسم۔ آپ کے اجداد میں ایک نام قشیر بن کعب ہے۔ اس نسبت سے آپ کو قشیری کہا جاتا ہے۔ ابوالقاسم قشیری ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا مگر اس کے باوجود آپ نے علم حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ آپ ایک ایسے عرب خاندان سے تھے جو نواحِ نیشا پور میں آبسا تھا اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

تعلیم وتربیت:

امام ابوالقاسم قشیری نے تعلیم کی ابتدا اپنے قصبہ سے ہی کر دی تھی۔ آپ کے پہلے استاد تھے ابوالقاسم الالیمانی ان سے عربی زبان وادب کا درس لیا۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو نیشا پور چلے گئے۔ یہاں اس مقصد سے آئے تھے کہ علم حساب سیکھ کر سرکاری ملازمت حاصل کریں اور اپنے قصبہ کے زمیندار طبقے کو بھاری سرکاری ٹیکس سے نجات دلائیں۔ مزاج میں دنیاداری تھی اور اہل جاہ ومنصب سے تعلقات بنانا پسند کرتے تھے۔ تب خراسان کا پایۂ تخت نیشا پور تھا حالانکہ اب یہ شہر ایران کا حصہ ہے بلکہ خود خراسان بھی ایران میں شامل ہے۔ یہاں مالداروں اور اہل دنیا کی کوئی کمی

Marfat.com

نہ تھی۔ امام ابوالقاسم قشیری نے بھی دنیا حاصل کرنے کی غرض سے علم حاصل کرنا شروع کیا۔ یہاں بڑے بڑے اہل علم تھے جن کے سبب نیشاپور کو علمی مرکزیت حاصل تھی۔ کئی اہل تصوف بھی یہاں روحانیت کا درس دیتے تھے۔ خصوصاً حضرت ابوعلی الحسن بن علی نیشاپوری دقاق علیہ الرحمہ تھے جو اپنے عہد میں روحانیت کے امام تھے اور ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بار قشیری کا ان کی مجلس سے گزر ہوا۔ دل سے نکلنے والے الفاظ سیدھے دل میں اتر گئے۔ اسی کے ساتھ دل کی کثافت بھی دور ہوگئی اور سب کچھ چھوڑ کر راہ سلوک اختیار کرلیا۔

طریقت کی بنیاد علم شریعت پر ہے اور طریقت کے ہر مسئلہ کے لیے قرآن و حدیث سے ہی دلیلیں لائی جاتی ہیں۔ لہٰذا راہ سلوک پر چلنے کے لیے علم شریعت کی ضرورت ہے۔ شیخ ابوعلی دقاق نے ابوالقاسم قشیری کو شریعت کا علم حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔ اس لیے وہ ایک طرف تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر طریقت کی تربیت حاصل کرتے تو دوسری طرف ابوبکر محمد بن ابی بکر طوسی سے علم فقہ پڑھتے۔ جب یہاں سے تکمیل ہوگئی تو استاذ محترم کے مشورہ سے امام ابوبکر بن فورک کے حلقہ درس میں شامل ہوکر اصول حدیث واصول فقہ پڑھنا شروع کیا۔ ان کے انتقال کے بعد ابواسحٰق ابراہیم بن محمد الاسفرائنی کے مدرسہ میں داخل ہوکر درس لیتے رہے۔ آپ کے اساتذہ میں ایک نام ابومنصور عبدالقاہر بغدادی کا بھی ملتا ہے۔

راہِ طریقت:

شیخ ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمہ نے راہ طریقت شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی۔ قشیری ایک طرف علم شریعت حاصل کرتے تھے تو دوسری طرف

Marfat.com

اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر طریقت کی تربیت بھی پاتے تھے۔ تصوف میں جیسا کہ پیر کا احترام حد درجہ کیا جاتا ہے آپ بھی کیا کرتے تھے اور جب بھی ان کی خدمت میں حاضری دینے جاتے باغسل اور روزہ دار ہوتے تھے۔

سلسلۂ طریقت یوں ہے ابو علی دقاق، نصر آبادی، شبلی، جنید، سری سقطی، معروف کرخی، داؤد طائی اور داؤد طائی نے تابعین سے سلسلہ طریقت پایا تھا۔ ابوالقاسم قشیری نے اپنے مرشد کے انتقال کے بعد ابو عبدالرحمٰن سلمی علیہ الرحمہ سے فیض صحبت پایا۔

خاندان:

حضرت قشیری کی شادی حضرت دقاق کی بیٹی فاطمہ سے ہوئی تھی۔ یہ بڑی عالمہ اور محدثہ تھیں۔ فن حدیث میں مہارت رکھتی تھیں اور کئی محدثین کو حدیث پڑھایا تھا۔ انھوں نے حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ انتہائی عبادت گذار اور تقویٰ شعار خاتون تھیں۔ حضرت قشیری کے چھ لڑکے اور ایک لڑکی انھیں کے بطن سے ہوئے۔ حضرت فاطمہ نے نوے سال کی عمر پا کر ۴۸۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت قشیری کے لڑکے، ابو سعد عبداللہ، ابو سعید عبدالواحد، عبدالرحمٰن، ابو نصر عبدالرحمٰن، عبیداللہ، ابو المظفر عبدالمنعم، یہ سبھی اپنے عہد کے زبردست عالم و فاضل اور صوفی تھے۔ آپ کی صاحبزادی امۃ الکریم بھی محدثہ تھیں اور کئی حدیثیں انھوں نے اپنے والدین سے روایت کی ہیں۔ حضرت قشیری کی نسل میں بعد کے دور میں بھی اہل علم پیدا ہوتے رہے اور آپ کے پوتے، پڑپوتے، نواسے، نواسیاں سبھی آسمان علم پر درخشاں ماہ نجوم بن کر نمودار ہوئے۔

Marfat.com

دورِ ابتلا:

سلطان طغرل بک، خراسان کا حکمراں تھا اور ابونصر منصور بن محمد الکندری اس کا وزیر تھا۔ وزیر معتزلی اور قدری عقائد رکھتا تھا۔ اس نے اپنے عقائد کو جبراً عام کرنے کی کوشش کی تھی اور علماء وصوفیہ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ اس کی زد میں امام قشیری بھی آئے تھے جنہیں قید کر لیا گیا تھا اور وعظ وخطابت سے روک دیا گیا تھا، مگر ابوسہل بن موفق نے حملہ کر کے آپ کو آزاد کرا لیا اور پھر آپ بغداد چلے گئے جہاں خلیفہ نے آپ کے ساتھ احترام بھرا برتاؤ کیا۔ اس کے بعد آپ نے حج بھی کیا۔ اس سال بڑی تعداد میں علماء اور صوفیہ حج کے لیے جمع ہوئے۔ یہ سبھی حکومت کے ستائے ہوئے تھے۔ مگر اسی دوران ۴۵۰ھ میں سلطان کے حکم سے کندری قتل کر دیا گیا اور قشیری نیشاپور واپس آئے۔ حالات اب بھی پوری طرح درست نہیں ہوئے تھے لہٰذا آپ اہل وعیال کے ساتھ طوس چلے گئے۔ جب سلطان طغرل بک کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا الپ ارسلان تخت پر بیٹھا اور نظام الملک طوسی کو اپنا وزیر بنایا تو حالات تبدیل ہوئے۔ کھلے عام اشاعرہ پر لعنت اور بزرگ صحابہ پر ملامت کا سلسلہ بند ہوا۔ تب آپ نیشاپور واپس آئے اور اپنی بقیہ زندگی یہیں گزاری۔ دورِ ابتلا کے تعلق سے قشیری نے اپنی کتاب ''شکایت اہل السنہ'' میں بیان فرمایا ہے کہ ۴۴۵ھ میں شروع ہوا اور دس سال تک جاری رہا۔

دورِ ابتلا آپ کے لیے بے حد مشکل تھا۔ دس سال تک مع اہل وعیال اِدھر اُدھر بھٹکنا ایک مشکل کام تھا۔ یہ دور صرف آپ کے لیے ہی مشکل نہیں تھا بلکہ پورے اہل خراسان کے لیے مشکل تھا۔ اس فتنہ کے سبب عوام وخواص اپنے گھر بار چھوڑ کر مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے۔ حج کے لیے جانے والوں میں چار سو حنفی وشافعی علماء شامل تھے جو اس فتنہ کی وجہ سے گھر چھوڑ کر نکل آئے تھے۔

Marfat.com

شخصیت وخدمات:

امام ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمہ کی شخصیت گوناگوں خوبیوں کی حامل تھی۔آپ محض ایک صوفی نہیں تھے بلکہ کئی علوم وفنون کے جامع تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ رنگ تصوف اتنا گہرا تھا کہ دیگر خوبیاں اس کے سامنے ماند پڑ گئی تھیں۔آپ فن سپہ گری وشہسواری میں مہارت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے سپاہیانہ کرتب معجز نما خیال کیے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ زبردست محدث بھی تھے اور املا حدیث کی مجلس کیا کرتے تھے جس میں سینکڑوں طلباء شامل ہوتے تھے۔اس کی ابتدا ۴۴۷ھ میں ہوئی مگر جب آپ نے نیشاپور چھوڑا تو یہ سلسلہ بند ہوگیا اور ۴۵۵ھ میں دوبارہ شروع کیا جو آپ کی وفات تک جاری رہا۔

امام قشیری ایک زبردست خطیب وواعظ تھے۔خطابت میں وہ تاثیر تھی کہ سننے والے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔سخت سے سخت دل آدمی بھی موم ہوجاتا اور گناہوں سے تائب ہوکر راہ راست پر آجاتا۔ابوالحسن علی بن حسن الباخرزی نے لکھا ہے کہ اگر ان کا وعظ پتھر سے بھی ٹکرائے تو موم بن جائے اور اگر شیطان ان کی مجلس میں باندھ دیا جائے تو تائب ہوجائے۔ابن خلکان نے انھیں مجالس وعظ ونصیحت کا امام لکھا ہے۔سبکی نے لکھا ہے کہ سوالات کے جواب دینے اور قرآن وحدیث سے مسائل کے استخراج میں وہ مہارت رکھتے تھے۔

قشیری کمال کے خوش نویس تھے۔کتابت وخوشنویسی کو آپ کے عہد میں خصوصی اہمیت حاصل تھی اور اس فن میں آپ ماہر سمجھے جاتے تھے۔اسی کے ساتھ صرف ونحو اور لغت میں اچھی پکڑ رکھتے تھے۔عربی زبان وادب پر دسترس حاصل تھی اس کی مثالیں

Marfat.com

آپ کی تصنیفات میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یہی علم ہے جسے آپ نے سب سے پہلے حاصل کیا۔ اسی کے ساتھ آپ بالبدیہہ شاعر بھی تھے۔ عربی میں اشعار کہتے تھے اور شاعری پر صوفیانہ رنگ چھایا ہوا تھا۔ فن حدیث، تفسیر اور فقہ میں ماہر تھے۔ فقہ شافعی پر عامل تھے اور مسلک شافعی کی تعریف ان کی تحریروں میں جابجا دیکھنے کو ملتی ہے۔

تصنیفات:

حضرت ابوالقاسم قشیری ایک کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ نے بہت کچھ لکھا اور جو کچھ بھی لکھا بہت خوب لکھا۔ آپ کی پہلی تصنیف ''تفسیر کبیر'' ہے جسے ۴۱۰ھ سے قبل مکمل کر لیا تھا۔ اس کا نام ''التیسیر فی علم التفسیر'' رکھا تھا۔ اس کی پانچ جلدیں ہیں۔ دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں الرسالہ، التجبیر فی التذکیر، آداب الصوفیہ، لطائف الاشارات، کتاب الجواہر، عیون الاجوبہ فی اصول الاسئلہ، کتاب المناجات، کتاب نکت اولی النہی، کتاب نحو القلوب الکبیر، کتاب نحو قلوب الصغیر، کتاب احکام السماع، کتاب الاربعین فی الحدیث، رسالہ ترتیب السلوک فی طریقۃ اللہ تعالیٰ شکایت اہل السنہ، کتاب سیرۃ المشائخ، کتاب المعراج، استفادات المرادات، بلغۃ المقاصد فی التصوف، ناسخ الحدیث و منسوخہ، حیاۃ الارواح والدلیل الی طریق الصلاح، منشورات الخطاب فی شہود الالباب، الفصول فی الاصول، القصیدۃ الصوفیہ، التوحید النبوی، اللمع، الفتوہ، المقامات الثلاثہ اور فتویٰ۔ مذکورہ بالا کتابوں کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے بعض کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بعض دستیاب نہیں ہیں، مگر ان کے حوالے ملتے ہیں۔

Marfat.com

لطائف الاشارات میں قرآن مجید کی منتخب آیتوں کی تفسیر ہے۔ یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں لطیف صوفیانہ اشارات ہیں۔ یعنی یہ قرآن پاک کی بعض آیات کی صوفیانہ تفسیر ہے۔ ایک مجموعہ حدیث بھی آپ کی طرف منسوب ہے جس میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو حضرت قشیری نے جناب شیخ علی دقاق سے بسند سنی تھیں۔

امام قشیری کی تصانیف پورے عالم اسلام میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے بیشتر کے تراجم بھی مختلف زبانوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں عام طور پر تصوف اور روحانیت کے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

رسالہ قشیریہ:

ابوالقاسم عبدالکریم قشیری علیہ الرحمہ کی تمام تصانیف میں سب سے زیادہ شہرت رسالہ قشیریہ کو حاصل ہوئی۔ اس کتاب کو آپ نے ۴۳۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۴۳۸ھ کے اوائل میں تکمیل ہوگئی۔ ایک مختصر سی مدت میں تصوف کے موضوع پر ایک لازوال تخلیق وجود میں آئی۔ بعد کے دور میں جن لوگوں نے بھی تصوف پر لکھا اس کتاب سے استفادہ کیا اور بعض نے تو اس کی تتبع کی۔ اس کتاب میں تمام صوفیانہ مسائل کے لیے قرآن وحدیث سے دلیلیں اخذ کی گئی ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تصوف کی بنیاد قرآن وحدیث میں ہے۔ ان سے الگ ہو کر تصوف کا کوئی وجود نہیں۔

رسالہ قشیریہ کا سبب تالیف بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ ملاقیہ، سبائیہ، باطنیہ اور مانویہ فرقوں کی سرگرمیاں بڑھ گئی تھیں جن سے تصوف کی بدنامی ہو رہی تھی۔ یہ فرقے خود کو صوفی کہتے تھے مگر ان کے افراد غالی فکر اور لاابالی طرز زندگی رکھتے تھے۔ تصوف کے متعلق صوفیہ کا کہنا تھا کہ یہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے مگر اُن فرقوں کے افراد

Marfat.com

شریعت کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے، بعض دین کا احترام نہیں کرتے تو بعض حلال و حرام کی تمیز سے غافل تھے۔ کچھ عبادات اور صوم وصلوٰۃ کو بنظر حقارت دیکھتے تھے تو بعض دیگر قسم کی خرابیوں میں مبتلا تھے۔ ایسے میں رسالہ قشیریہ کی تالیف کا مقصد اصل صوفی طریق کی وضاحت اور بندگانِ خدا کو گمراہی وضلالت سے بچانا تھا۔

رسالہ قشیریہ سے قبل بھی تصوف پر کتابیں لکھی گئی تھیں مگر اس کتاب میں صوفیانہ مسائل پر زیادہ وضاحت سے بحث کی گئی ہے اور ان کے ہر پہلو پر نظر رکھی گئی ہے۔ یہ ایک جامع کتاب ہے جس میں کم الفاظ میں زیادہ باتیں ہیں۔ ہر مسئلے کے لیے پہلے قرآن اور پھر حدیث سے دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قارئین سمجھ لیں کہ تصوف کے ہر مسئلے کی بنیاد قرآن و حدیث ہیں۔ مصنف نے کتاب کی ترتیب میں بھی بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے۔ پہلے صوفیہ کے عقائد، پھر ان کے مختصر حالاتِ زندگی، اس کے بعد صوفیانہ اصطلاحات اور پھر مسائل تصوف کو بیان کیا ہے۔ یہ طریقہ اتنا پسند کیا گیا کہ بعد کے مصنّفین نے اس طریقے کو اپنی کتابوں کی ترتیب کے لیے پسند کیا۔ حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں اسی طریقے کو اپنایا ہے۔ رسالہ قشیریہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے سبب ہر دور میں اہل تصوف کے حلقے میں مقبول رہی۔ آج بھی تصوف کی حمایت اور مخالفت میں لکھنے والے اس کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک زمانے میں یہ مشہور تھا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہوگی وہ گھر آفتوں سے محفوظ رہے گا۔ بعد کے دور میں رسالہ قشیریہ کی شرحیں بھی خوب لکھی گئیں۔ یہ بھی اس کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ بعض شرحیں برصغیر میں تحریر کی گئیں اور اس کتاب کے مختلف زبانوں میں تراجم شائع ہوئے، بلکہ ایک زبان میں کئی کئی ترجمے ہوئے اور یہ تراجم کئی کئی بار شائع ہوئے۔

Marfat.com

آخری وقت:

ابوالقاسم قشیری انتہائی عابد و زاہد اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ ۹۲ سال کی طویل عمر پائی اور عبادت و ریاضت میں گذار دی۔ ان کے اخلاق قرآن و سنت کے آئینہ دار تھے۔ یہاں تک کہ جب عمر کی آخری منزل پر تھے اور علیل بھی تھے تب بھی نمازیں کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے۔ ۱۶/ربیع الثانی ۴۶۵ھ بروز یکشنبہ طلوعِ آفتاب کے وقت یہ آفتاب ولایت ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا
اور اس کے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

آپ کو حضرت شیخ ابوعلی دقاق علیہ الرحمہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آپ نے اپنے پیچھے سینکڑوں شاگردوں کو چھوڑا جنہوں نے آپ کی تعلیمات کو عام کیا۔ نامور تلامذہ میں ابوبکر خطیب بغداد، ابوابراہیم اسمٰعیل علوی، ابومحمد اسمٰعیل غازی، سلمان بن ناصر انصاری، ابوبکر شاہ الشادیاخی، ابومحمد عبدالجبار خواری اور ابوبکر عبدالرحمٰن البجیر ی شامل تھے۔ (مضمون کی جانکاریاں رسالہ قشیریہ اور اس کے پیش لفظ سے ماخوذ ہیں۔)

Marfat.com

عکس خیال

حضرت ابوالقاسم عبدالکریم قشیری رحمتہ اللہ علیہ تصوف کی بنیاد قرآن وحدیث کو مانتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ تمام مسائل تصوف کے لیے پہلے قرآن مجید سے دلیلیں لاتے ہیں۔ پھر رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے سند ڈھونڈتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ اپنے ماقبل صوفیہ کے اقوال کو پیش کرتے ہیں۔ یہاں ان کے افکار ونظریات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے۔ان کے خیالات انھیں کی کتاب سے لیے گئے ہیں۔

معرفت حق:

تصوف کا مقصد ہی معرفت حق ہے اور انسان کا مقصد وجود ہی اپنے خالق و مالک کی جستجو اور عبادت ہے۔ وہ زندگی، زندگی نہیں جو طوفانِ حقیقت سے ناآشنا ہو۔ یہی سبب ہے کہ تمام صوفیہ نے اس موضوع پر بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ حضرت ابوالقاسم قشیری نے اپنی کتاب رسالہ قشیریہ کی ابتدا ہی معرفت حق کے موضوع سے کی ہے اوراس کے متعلق مختلف صوفیہ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں۔ وہ حضرت ابوبکر

Marfat.com

شبلی کا قول نقل کرتے ہیں:

"خدائے وحدہٗ لاشریک ہر قسم کی حدود یعنی جہات اور حروف یعنی اصوات سے پہلے واحد اور معروف ہے۔ شبلی کا صریح بیان ہے کہ خدائے قدیم کی ذات کی نہ کوئی حد ہے، نہ اس کے کلام کے حروف ہیں۔"
(اردو ترجمہ رسالہ قشیریہ، ص ۱۰۸)

جب ذات خدا کی توحید و صفات پر گفتگو ہوتی ہے تو سب سے پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ کیسا ہے؟ ظاہر ہے اسلامی عقیدہ یہی ہے کہ وہ جسم و جسامت، حدود و قیود، طرف و جہات اور حروف وصوت سے پاک ہے۔ وہ واحد ہے، قدیم ہے۔ وہ کیسا ہے؟ اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ویسا ہی ہے جیسا اس کی ذات کے لیے زیبا ہے۔ انسان پر اس کی معرفت فرض ہے، اور یہ سب سے پہلا کام ہے جو خالق نے اپنی ذی عقل مخلوق پر فرض کیا۔

"کسی شخص نے رویم علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے منطوق (جن و انسان) پر سب سے پہلے کس امر کو فرض قرار دیا؟ فرمایا! معرفت کو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما خلقت الجن و الانس الالیعبدون۔ (ہم نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا) ابن عباس فرماتے ہیں کہ الالیعبدون سے مراد الالیعرفون ہے (تاکہ وہ میری معرفت حاصل کریں) کیونکہ عبادت پر معرفت بداہۃً مقدم ہے۔"

(ایضاً)

جن و انسان کی تخلیق اللہ کی عبادت کے لیے ہوئی ہے مگر عبادت کے لیے معرفت ضروری ہے۔ جب تک آدمی خدا کو نہیں پہچانے گا اس کی عبادت

Marfat.com

بھی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ قرآنی حکم ''الالیعبدون'' پر عمل سے پہلے اللہ کی معرفت حاصل کرے۔ اسی لیے ابن عباس نے ''الالیعبدون'' سے مراد ''الالیعرفون'' لیا ہے۔

> ''جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حکمت کے عقدوں میں پہلی چیز جس کی بندے کو ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ مصنوع اپنے صانع کو پہچانے اور محدِث (مخلوق) یہ معلوم کرے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا۔ اس طرح اسے خالق کی صفات اور مخلوق کی صفات میں فرق معلوم ہو جائے گا اور خالق و مخلوق کی صفات، نیز قدیم و حادث کی صفات کی معرفت اسے حاصل ہو جائے گی اور وہ اس کے بلانے پر اس کے سامنے عاجزی کرے گا اور اس کی اطاعت کے واجب ہونے کا اعتراف کرے گا۔ اس لیے کہ جو اپنے مالک کو نہیں پہچانتا اسے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ کس کی ملکیت ہے۔''
>
> (ایضاً، ص ۱۰۹)

ہر مصنوع کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے۔ کوئی چیز اپنے پیدا کرنے والے کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی۔ جن وانسان کا اگر وجود ہے تو ظاہر ہے کوئی ان کا خالق ضرور ہے اور اسی خالق و صانع کی معرفت انسان پر اولین فرض ہے۔ اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسے کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ اگر اس نے اپنی پیدائش کے رازوں کو جان لیا تو خالق اور مخلوق کے فرق کو بھی جان لے گا۔ ان کی صفات سے آگاہی ہو جائے گی۔ پھر انسان خدا کی برتری کا اعتراف کرے گا، اس کے سامنے اپنے سر کو جھکائے گا، اسے اپنا ماویٰ و ملجا تسلیم کرے گا، اس کا خوف کرے گا اور ساری دنیا سے بے خوف ہوگا۔ اللہ نے تمام جن وانسان کو اتنی عقل عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کی ذات کو پہچانے اور اس کی عبادت کرے۔

Marfat.com

دنیا سے کنارہ کشی:

اہل تصوف کے واقعات حیرت انگیز، چشم کشا اور باعث عبرت ہیں۔ انھوں نے جیسی عبادت وریاضت کی، مجاہدہ اور نفس کشی کی، اس کی مثال نہیں ملتی۔ مگر ان کی زندگی کا ایک حیرت انگیز پہلو اُن کی دنیا سے کنارہ کشی بھی ہے۔ بعض تو صاحب حیثیت تھے مگر کسی واقعے نے ان کی زندگی کا رخ موڑ دیا اور انھوں نے سب کچھ اللہ کے راستے میں خیرات کر کے راہ سلوک اختیار کر لیا۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم بن ادہم کو لیا جا سکتا ہے جو بلخ کے شہزادے تھے مگر ایک واقعے کا اثر ان کے دل پر اس قدر ہوا کہ انھوں نے شاہی عیش و آرام کو ترک کر کے تجرد کا راستہ اپنایا:

> ''ایک روز شکار کے لیے نکلے، لومڑی یا خرگوش کا پیچھا کیا۔ وہ ابھی اس کی تلاش میں تھے کہ ہاتف نے آواز دی، اے ابراہیم! کیا تو اسی لیے پیدا کیا گیا ہے؟ یا کیا تجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے؟ اس کے بعد زین کے ہرنے پر سے ایک آواز نے کہا! اللہ کی قسم نہ تو اس لیے پیدا ہوا ہے اور نہ تجھے یہ حکم دیا گیا ہے۔ یہ سن کر وہ گھوڑے سے اتر آئے۔ راستہ میں انھیں اپنے باپ کا ایک چرواہا ملا جس سے انھوں نے اس کا چوغہ لے کر پہن لیا اور اسے اپنا گھوڑا مع ساز و سامان کے دے دیا اور جنگل میں نکل گئے۔ پھر مکہ آئے اور وہاں سفیان ثوری و فضیل بن عیاض کی صحبت میں رہے، پھر شام آگئے اور وہیں وفات پائی۔'' (ایضاً، ص ۱۲۰)

یہ واقعہ حضرت ابراہیم بن ادہم کے ترکِ دنیا کا سبب بنا۔ شاہی محل اور تخت و تاج چھوڑ کر فقر و درویشی اختیار کر لینا ایک بڑا واقعہ ہے۔ طلب دنیا کے لیے پوری دنیا پاگل ہو رہی ہے مگر جب جاہ و حشمت ابراہیم کے پیچھے آ رہی ہے تو وہ پیچھا چھڑا کر

Marfat.com

بھاگ رہے ہیں۔ وہ اپنے ہاتھوں سے کمائی کیا کرتے تھے اور محنت و مشقت سے روزی حاصل کیا کرتے تھے۔ کسی کے کھیت میں مزدوری کرتے تو کسی کے باغ کی نگہبانی کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔ ابراہیم بن ادہم کے جسم پر پیوند لگا ہوا لباس ہوتا تھا اور یہ اپنے ہاتھ سے پیوند لگایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے ''مال داری کا دروازہ بند کر دو اور فقر کا دروازہ کھول دو۔'' آپ کے علاوہ بھی کئی صوفیہ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے تخت و تاج چھوڑ کر درویشی اختیار کی ہے۔ انھیں میں حضرت اشرف جہانگیر سمنانی ہیں جو ایران کے شہر سمنان کے شہزادے تھے مگر شاہی محل چھوڑ کر فقر و درویشی اختیار کر لی اور ہندوستان آ کر کچھوچھہ کے مقام پر قیام فرمایا۔

رسالہ قشیریہ میں کئی صوفیہ کے تجرد اور ترک دنیا کے واقعات درج ہیں۔ یہ واقعات حیرت انگیز ہیں اور باعث عبرت بھی۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ذوالنون مصری کا بھی ہے۔ آپ قاہرہ مصر سے نکل کر کسی بستی کی طرف جا رہے تھے۔ آگے کا واقعہ انھیں کی زبانی سنئے:

> ''راستہ میں ایک جنگل میں سو گیا، جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اندھی چنڈول اپنے گھونسلہ سے زمین پر گر پڑی۔ پھر زمین پھٹ گئی اور اس میں سے دو کوزے نکلے، ایک سونے کا تھا اور دوسرا چاندی کا۔ ایک میں تل تھے اور دوسرے میں پانی۔ چنڈول نے تل کھائے اور پانی پیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر میں نے کہا میرے لیے اسی قدر کافی ہے۔ میں نے توبہ کر لی اور اللہ کے دروازے سے چمٹا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے قبول فرمایا۔'' (ایضاً، ۱۲۵)

حضرت ذوالنون مصری نے راہ سلوک اختیار کرنے کے بعد پیٹ بھر کر کھانا پینا چھوڑ دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس پیٹ میں کھانا بھرا ہوا ہو اس میں حکمت جاگزیں نہیں ہو سکتی۔ دیگر اہل تصوف کے ترک دنیا کے ایسے ہی واقعات ملتے ہیں۔

Marfat.com

یعنی انسان اگر باضمیر اور حساس ہو تو ایک معمولی واقعہ بھی اس کے توبہ کا سبب بن سکتا ہے اور بے حس ہو تو بڑے سے بڑے واقعے کا بھی کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

وقت:

لفظ 'وقت' کا استعمال مختلف طبقوں میں مختلف مفہوم میں ہوتا ہے۔ سائنسداں اس کا ایک خاص مطلب لیتے ہیں تو عوام اس کا الگ معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل سلوک اس لفظ کا ایک مخصوص پس منظر میں استعمال کرتے ہیں۔ رسالہ قشیریہ کے مصنف نے اپنے استاد ابوعلی دقاق کا قول نقل فرمایا ہے:

> ''جس آن میں تم ہو، وہی تمہارا وقت ہے۔ اگر تم دنیا میں ہو تو تمہارا وقت دنیا ہے۔ اگر عقبیٰ میں ہو تو تمہارا وقت عقبیٰ ہے۔ اگر غم میں ہو تو تمہارا وقت غم ہے اور اگر خوشی میں ہو تو تمہارا وقت خوشی ہے۔''
>
> (ایضاً، ص ۱۹۸)

گویا انسان جس حالت میں مبتلا ہے وہی اس کا وقت ہے، جو حال اس پر غالب ہے وہی اس کا وقت ہے۔

> ''بعض اوقات وقت سے مراد وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں انسان ہے کیونکہ کچھ لوگوں نے وقت کی تعریف یہ کی ہے کہ وقت وہ ہے جو دو زمانوں ماضی اور مستقبل کے درمیان ہے۔'' (ایضاً)
>
> ''کبھی وقت سے مراد وہ تصرفات لیے جاتے ہیں جو صوفیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آتے ہیں اور ان میں ان کے اپنے اختیار کا دخل نہیں ہوتا۔'' (ایضاً)
>
> ''صوفیاء کے یہاں یوں بھی کہا جاتا ہے 'الوقت سیف' (وقت تلوار

Marfat.com

ہے) یعنی جس طرح تلوار کاٹتی ہے اسی طرح وقت ان امور کی وجہ سے جنہیں اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے، غالب ہوتا ہے۔'' (ایضاً)

''میں نے استاد ابو علی دقاق کو یوں فرماتے سنا، وقت ریتی کی طرح ہے جو تجھے گھستا ہے مگر فنا نہیں کرتا۔ یعنی اگر تجھے فنا کر دے تو نجات پا جائے مگر وقت تمہیں گھٹاتا جاتا ہے اور کمیۃً مٹاتا نہیں۔''

(ایضاً، ص ۱۹۹)

وقت کی تفہیم مختلف صوفیہ نے اپنے اپنے انداز میں کی ہے۔ یہ تمام وقت کی صوفیانہ تشریحات ہیں۔ مگر اتنا تو ضرور ہے کہ دانشمند وقت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ماضی اور مستقبل کے درمیان جو حال ہے یہی ان کی نظر میں وقت ہے۔ جو گذر گیا اس پر افسوس سے فائدہ نہیں۔ جو کچھ مستقبل کے دامن میں ہے وہ علم میں نہیں۔ ایسے میں جو حال ہے اس کا صحیح استعمال ہی وقت کا درست استعمال ہے۔

مقام:

اہل سلوک کی اصطلاح میں کئی الفاظ مخصوص مفہوم میں مستعمل ہیں۔ ایسے الفاظ میں ایک لفظ 'مقام' بھی ہے۔ مقام کا لفظی ترجمہ 'جگہ' ہے مگر تصوف کی اصطلاح میں اس کا مطلب کیا ہے؟ ملاحظہ ہو:

''مقام، آداب صوفیہ کی اس منزل کو کہتے ہیں جسے بندہ خدا کی طرف سے حاصل کرتا ہے۔ جہاں تک بندہ کسی قسم کے تصرف سے پہنچتا ہے یا تلاش اور تکلیف کر کے اسے حاصل کرتا ہے لہٰذا ہر شخص کا مقام وہ ہے جہاں اس وقت اس کا قیام ہے۔'' (ایضاً، ص ۲۰۰)

اہل تصوف عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعے قرب خداوندی حاصل

Marfat.com

کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور محنت و مشقت وفضل الٰہی سے وہ جس جگہ کو پاتے ہیں اس کو اصطلاحِ صوفیہ میں 'مقام' کہا جاتا ہے۔صوفی جیسے جیسے ریاضت ومجاہدے سے آگے بڑھتا جاتا ہے۔اس کا مقام ومرتبہ بھی بلند ہوتا جاتا ہے۔

حال:

اصطلاحِ صوفیہ میں ایک لفظ 'حال' بھی استعمال ہوتا ہے۔عام زبان میں تو حال کہتے ہیں اس لمحے کو جو ماضی اور مستقبل کے درمیان ہوتا ہے۔مگر تصوف میں لفظ 'حال' خاص سیاق وسباق میں آتا ہے۔امام قشیری رقمطراز ہیں:

> ''حال ایک کیفیت ہے جو بلا ارادہ اور بغیر کوشش کے ان کے دل پر طاری ہوتی ہے۔مثلاً طرب،غم،بسط،قبض،شوق،بے قراری،ہیبت اور احتیاج احوال وہبی ہوتے ہیں اور مقامات کسبی ہوتے ہیں۔''
>
> (ایضاً،ص۲۰۱)

یعنی سالک کے دل کی ایک خاص کیفیت کو حال کہتے ہیں۔یہ کیفیت بدلتی رہتی ہے۔ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔جیسا کہ ہمارے دل پر خوشی وغم کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔قرار و بے قراری کی حالت رہتی ہے۔اسی طرح سالک کے دل پر بغیر کوشش وارادہ کے جذب وشوق کی کیفیت طاری ہوتی ہے جسے حال کہتے ہیں۔احوال بدلتے رہتے ہیں۔

> ''ذوالنون مصری سے عارف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا،یہاں تھا،مگر ابھی چلا گیا۔بعض مشائخ نے کہا ہے کہ احوال بجلیوں کے مانند ہیں اور اگر باقی رہ جائیں تو نفس کی باتیں ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ احوال اپنے نام کی طرح ہیں یعنی یہ دل پر وارد ہوتے ہیں،فوراً زائل ہو جاتے ہیں۔'' (ایضاً)

Marfat.com

احوال بجلیوں کی مانند ہیں یعنی بہت زیادہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ہمیشہ یکساں حالت نہیں رہتی۔ یہ سایہ کی طرح ہیں جیسے کسی چیز کا سایہ ایک جگہ قائم نہیں رہتا، کبھی چھوٹا اور کبھی بڑا ہوتا رہتا ہے۔ ہر لمحہ اس میں تغیر و تبدل ہوتا ہے، ہر لحظہ بدلتا رہتا ہے۔ اسی طرح احوال بھی بدلتے رہتے ہیں۔ مگر بعض اہل تصوف کہتے ہیں کہ احوال دائم رہتے ہیں جیسا کہ رسالہ قشیریہ میں ابو عثمان صیری کا قول نقل کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے چالیس سال گزر گئے جس حال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے میں خوش ہوں۔ بہر حال احوال بدلنے والے ہوں یا ہمیشہ قائم رہنے والے مگر اتنا تو طے ہے کہ 'حال' ایک خاص کیفیت کو کہتے ہیں جو صوفیہ پر طاری ہوتی ہے۔

تواجد، وجد، وجود:

تواجد، وجد اور وجود یہ تینوں الفاظ صوفیہ کے بیچ رائج رہے ہیں اور ان کی خاص اصطلاح میں شامل ہیں۔ یہ تینوں ہی مخصوص کیفیات کے نام ہیں۔ فہم سے قریب کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ وجد بیخودی کی کیفیت کو کہتے ہیں۔ جب سالک اپنے آپ میں نہیں رہتا اور اپنے حالات و وجود سے بے خبر رہتا ہے۔
ابوالقاسم قشیری کے الفاظ میں وجد کا مطلب ہے۔

> ''وجد یہ ہے کہ کیفیت تمہارے دل پر طاری ہو اور بغیر ارادہ اور تکلف کے وارد ہو۔ اسی لیے مشائخ کہتے ہیں کہ وجد وہ کیفیت ہے جو اتفاقاً طاری ہو اور یہ کیفیت اوراد کا پھل ہے لہٰذا جس کے وظائف زیادہ ہوں گے اللہ کی عنایات بھی اس پر زیادہ ہوں گی۔''
>
> (اردو ترجمہ رسالہ قشیریہ، ص ۲۰۸)

وجد کی کیفیت صوفیہ پر طاری ہوتی رہی ہے اور یہ اوراد و وظائف میں کثرت

Marfat.com

کے سبب ہوتی ہے جو صوفیہ اوراد میں زیادتی کرتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ کیفیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب کہ تواجد کہتے ہیں وجد کی کیفیت کو اختیاری طور پر خود پر طاری کرنا۔ وجد اضطراری ہے یعنی اس میں سالک کے ارادہ اور عمل کا دخل نہیں۔ مگر تواجد اختیاری ہے۔ یہ ارادہ اور اختیار سے طاری کیا جاتا ہے۔ حضرت قشیری لکھتے ہیں:

> ''اپنے اختیار سے وجد لانے کو تواجد کہتے ہیں لیکن اس قسم کے شخص کا وجد کامل نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ کامل ہوتا تو وہ واجد کہلاتا اور باب تفاعل عموماً کسی صفت کو تکلف سے اظہار کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔'' (ایضاً، ص ۲۰۷)

یعنی وجد ایک فطری کیفیت ہے۔ مگر تواجد فطری نہیں۔ یہ بہ تکلف طاری ہوتی ہے۔ اس کے لیے صوفیہ ایک حدیث سے بھی مثال لاتے ہیں۔ فرمایا گیا ہے کہ 'روؤ' اگر رونا نہیں آتا، تو رونے والی شکل بناؤ۔ یعنی اگر دل سے رونا نہ آئے تو بہ تکلف رونے کی کیفیت خود پر طاری کرو۔ بالکل اسی طرح تواجد بھی ہے کہ اگر وجد نہ آئے تو وجد کی کیفیت تکلف کے ساتھ خود پر طاری کرو۔ بعض صوفیہ کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر سماع کے دوران ان پر وجد طاری نہیں ہوا تو انھوں نے یہ کیفیت کوشش سے طاری کی۔ وجد کو صوفیہ حلاوتِ معاملات کا پھل مانتے ہیں اور عنایت ربانی کا نتیجہ۔

ہم اور ضبط اب کہاں وہ طاقت، چھپائیں اب کس میں سرِّ الفت
تمہارے تیروں نے چھید ڈالے، وہ دل نہیں وہ جگر نہیں ہے

تواجد کو ابتدائی کیفیت سمجھنا چاہئے اور جب یہ کیفیت ترقی کرتی ہے تو وجد کا مقام آتا ہے اور جب یہ حالت انتہا کو پہنچ جائے تو اسے وجود کہتے ہیں۔ حضرت ابو علی دقاق فرماتے ہیں:

> ''تواجد میں بندے کے لیے ضروری ہے کہ عبدیت کاملہ اس میں پائی جائے، وجد میں بندے کو استغراق حاصل ہوتا ہے اور وجود میں

Marfat.com

بندے کی ہلاکت ہوتی ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر کے پاس آیا، پھر سمندر پر سوار ہوا اور پھر اس میں غرق ہو گیا۔''

(ایضاً،ص۲۰۹)

گویا استغراق کی کیفیت کو وجود کہتے ہیں۔اگر صاحب وجود کی بقا حق کے ساتھ ہو تو وہ صحو کی حالت ہے اور اگر فنا حق کے ساتھ ہو تو وہ محو کی حالت ہے۔سالک پہلے صحو کی حالت میں ہوتا ہے پھر محو کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔

وہ جب کھو چکے مجھ کو ہستی سے اپنی
تو کہتے ہیں اب میں ملا چاہتا ہوں

توبہ:

توبہ کا لغوی مفہوم ہے 'رجوع' یا لوٹنا۔مگر شریعت کی اصطلاح میں توبہ کہتے ہیں، بری بات کو چھوڑ کر اچھی بات کی طرف لوٹنے کو۔یعنی وہ کام جو شریعت کی نگاہ میں گناہ ہے اسے چھوڑ کر اچھے کام میں مشغول ہونا توبہ ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن کاموں میں شریعت کی مخالفت ہوتی ہے ان پر ندامت اور شرمندگی کا احساس ہو اور بندہ اپنی غلطی کو فوراً چھوڑ دے اور دوبارہ اس کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

اہل تصوف کے نزدیک توبہ پر قائم رہنے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ اپنے برے دوستوں سے الگ ہو جائے کیونکہ یہی دوست اسے توبہ توڑنے پر اکساتے ہیں اور وہ توبہ درست نہیں جو ٹوٹ جائے۔

توبہ سو بار کی، پر نہ نبھائی توبہ
میں وہ توبہ شکن ہوں کہ الٰہی توبہ

جس طرح برے دوست توبہ توڑنے پر مجبور کرتے ہیں اسی طرح اچھے دوست

Marfat.com

برائی سے روک کر بھلائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ابوالقاسم قشیری نے ابوسلیمان دارانی کا واقعہ لکھا ہے:

''وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک قصہ خواں کی مجلس میں جایا کرتا تھا۔ اس کے کلام کا میرے دل پر اثر ہوا مگر مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا تو میرے دل پر کوئی اثر نہ رہا۔ میں دوبارہ اس کی مجلس میں گیا اور اس کا کلام سنا تو میرے دل پر اس کا اثر راستہ بھر رہا۔ مگر پھر زائل ہو گیا۔ تیسری بار پھر گیا تو اس کا اثر میرے دل پر گھر پہنچنے تک رہا۔ چنانچہ میں نے مخالفت کے سارے آلات توڑ ڈالے اور طریقت کی راہ پر لگ گیا۔''

(ایضاً، ص ۲۴۴)

انسان ماحول کے اثر کو قبول کرتا ہے۔ اپنے دوستوں سے اچھائی اور برائی لیتا ہے۔ اس طرح اگر اچھی مجلس اسے ملے تو اس کے اندر غلطیوں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ برائیوں سے توبہ کر کے اچھائیوں کے راستے پر چلنے کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔

انسان سے سرزد ہونے والے گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو حقوق اللہ سے غفلت اور دوسرے حقوق العباد کو ادا نہ کرنا یا بندوں کے حق غصب کرنا۔ اللہ کے حقوق کا معاملہ تو اس کی مرضی پر ہے۔ اسی سے رجوع کرنا چاہئے۔ مگر جہاں تک بندوں کے حقوق کا معاملہ ہے ان میں ان کی معافی بھی ضروری ہے۔ صرف ندامت یا اللہ کی بارگاہ میں توبہ کافی نہیں۔ رسالہ قشیریہ میں ہے:

''انسان کی توبہ کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے مخالفوں کو راضی نہیں کرتا، کیونکہ توبہ کی پہلی منزل یہی ہے کہ اپنے مظلوموں کو جس طرح بھی ہو راضی کرے۔ اگر اس کے پاس اس قدر دولت ہو کہ وہ ان کے حقوق ادا کر سکے تو بہتر ہے کہ ادا کر دے یا وہ لوگ خود اپنی خوشی سے معاف یا بری کر دیں، تو خوب ہے ورنہ

Marfat.com

اسے چاہئے کہ وہ دل سے عزم کرلے کہ جب بھی ممکن ہو سکے گا وہ ان کے حقوق ادا کرے گا۔ اور وہ سچے دل سے عاجزی وانکساری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرے اور ان کے لیے دعا کرے۔''

(ص ۲۴۶)

توبہ سے حقوق اللہ معاف ہو سکتے ہیں مگر حقوق العباد نہیں۔ بندوں کے حقوق تو ان کے ادا کرنے یا معاف کرنے سے ہی ساقط ہوتے ہیں۔ اس لیے جو شخص سچے دل سے توبہ کررہا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ مظلوموں کو راضی کرے۔ خواہ ان کے حقوق ادا کرکے یا معذرت کرکے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ غصب کئے ہوئے حقوق اب ادا کرسکے اور وہ معاف کرنے کو بھی تیار نہیں تو دل میں یہ ارادہ رکھے کہ جب اللہ اسے حقوق ادا کرنے کے لائق بنائے گا تو ادا کردے گا۔ اسی کے ساتھ اللہ سے دعا بھی کرتا رہے۔

خلوت:

خلوت اور گوشہ نشینی تصوف میں ایک پسندیدہ عمل ہے۔ صوفیہ خود بھی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور اپنے مریدین با اخلاص کو اس کا حکم دیتے ہیں۔ بعض صوفیہ ایک خاص مدت کے لیے خلوت اختیار کرتے ہیں تو بعض ہمیشہ کے لئے۔ اہل تصوف اس کے لیے احادیث سے دلیلیں لاتے ہیں۔ ایک حدیث میں دو شخصوں کی زندگی کو پسندیدہ کہا گیا ہے۔ ایک مجاہد دوسرا خلوت نشیں عابد۔ حضرت قشیری نے اپنے استاد ابوعلی دقاق کا قول نقل کیا ہے:

''خلوت اہل صفا کی صفت ہے اور گوشہ نشینی اللہ کے ساتھ وصال کی علامت ہے۔ مرید کے لیے ابتدا میں اپنے ہم جنسوں سے علیحدہ رہنا

Marfat.com

بہت ضروری ہے۔ پھر آخر میں خلوت میں ضروری ہے کہ اسے اللہ کے ساتھ اُنس حاصل ہو۔ جب کوئی بندہ گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے تو اس کا حق یہی ہے کہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ لوگوں سے الگ رہنے سے لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوئے ہیں۔ گوشہ نشینی سے اس کا مقصد یہ نہ ہو کہ وہ خود لوگوں کے شر سے بچا رہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں یہ نتیجہ نکلے تا کہ وہ اپنے نفس کو حقیر جاننے لگا اور دوسری صورت میں یہ ثبوت پایا جاتا ہے کہ وہ لوگوں پر فوقیت رکھتا ہے اور جس نے اپنے نفس کو حقیر جانا وہ متواضع ہے اور جس نے اپنے آپ کو کسی شخص پر فائق سمجھا وہ متکبر ہے۔" (ایضاً ص ۲۵۷)

دنیا سے الگ ہو کر خلوت اختیار کرنا صوفیوں کا شیوہ رہا ہے مگر اس کے پیچھے ان کی نیت یہ رہی ہے کہ میرے نفس سے دنیا محفوظ رہے، نہ یہ کہ میں دنیا کے شر سے محفوظ رہوں۔ اسی کے ساتھ خلوت میں عبادت گزاری سے زیادہ خشوع و خضوع حاصل ہوتا ہے۔ بندہ اپنے خالق کی یاد میں ڈوب کر اس کی عبادت کرتا ہے جب کہ دنیا کی ہماہمی اسے یکسوئی سے دور رکھتی ہے۔

صوفیہ کرام نے خلوت نشینی کی کچھ شرطیں رکھی ہیں جن میں سب سے بنیادی شرط علم حاصل کرنا۔ علم کے بغیر عابد کے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہوں گے اور وہ درست طریقے پر دینی فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہوگا۔ لہٰذا گوشہ نشینی اختیار کرنے والے کے لیے عالم ہونا شرط ہے۔ رسالہ قشیریہ میں یہ شرط بیان کی گئی ہے۔ صوفیہ کا ایک طبقہ خلوت نشینی سے مراد ظاہری خلوت نہیں لیتا بلکہ باطنی خلوت لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان، لوگوں کے درمیان رہے، جو وہ پہنتے ہیں وہی پہنے۔ البتہ وہ اپنی فطرت میں دوسروں سے جدا ہو۔

"عزلت درحقیقت بری خصلتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے۔ لہٰذا

Marfat.com

عزلت کی تاثیر کی غرض و غایت اپنی صفات کو تبدیل کرنا ہے۔اپنے باطن سے دوری مقصود نہیں۔'' (ایضاً،ص ۲۵۸)

''میں نے استاد ابو علی دقاق کو یوں فرماتے سنا، جو لباس لوگ پہنتے ہیں تو بھی ان کے ساتھ وہی پہن اور جو کچھ وہ کھاتے ہیں تو بھی کھا، مگر اپنے باطن کے اعتبار سے ان سے الگ رہ۔'' (ایضاً)

گوشہ نشینی کا اصل مقصود اصلاحِ باطن ہے۔یعنی انسان کا باطن عام لوگوں سے الگ ہو جائے اور اس کا قلب صاف و پاکیزہ ہو جائے۔اسی لیے گوشہ نشینی کا مقصد دل کی خلوت ہے نہ کہ جسمانی خلوت۔حالانکہ صوفیاء کا ایک بڑا طبقہ خلوت سے جسم اور باطن دونوں کی خلوت مراد لیتا ہے۔ذوالنون مصری نے فرمایا، جو شخص خلوت میں جا کر مخلوق سے چھپا رہا وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو اللہ کے ساتھ ہو کر مخلوق سے چھپا رہا۔

تقویٰ:

تقویٰ کا مطلب ہے برائیوں سے بچنا، اللہ کی اطاعت کے ذریعے۔یعنی ہر قسم کی برائیوں سے آدمی دور رہے، جیسے شرک کی برائی، اللہ کی نافرمانی کی برائی وغیرہ۔ساتھ ہی مشکوک باتوں سے دور رہے اور فضولیات کو چھوڑ دے۔تقویٰ کا بلند درجہ یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح اطاعت و فرمانبرداری ہو کہ پھر نافرمانی نہ ہو۔اسے اس طرح یاد کیا جائے کہ پھر کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس طرح اس کی شکر گزاری کی جائے کہ پھر ناشکری نہ ہو۔ابو القاسم قشیری نے اس تعلق سے کئی صوفیہ کے اقوال بیان کیے ہیں۔

ابو القاسم نصر آبادی ــ ''تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا

Marfat.com

ہر چیز سے بچے۔"

ابوالقاسم نصر آبادی — "جو شخص تقویٰ پر ڈٹا رہے وہ اس بات کا مشتاق ہوگا کہ دنیا کو چھوڑ دے۔"

سہل تستری — "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا تقویٰ درست ہو، اسے تمام گناہوں کو ترک کر دینا چاہئے۔"

ابوعبداللہ رودباری — "تقویٰ یہ ہے کہ تو ان تمام چیزوں سے اجتناب کرے جو اللہ سے دور رکھیں۔"

ابن عطا — "تقویٰ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ اللہ کی حدود کا لحاظ رکھا جائے اور باطن نیت و اخلاص ہے۔"

طلق بن حبیب — "اللہ کے عذاب کے ڈر سے، اللہ کے نور کے مطابق اطاعت خداوندی پر عمل کرنے کا نام تقویٰ ہے۔"
(ایضاً، ۲۶۴-۲۶۳)

تقویٰ کے تعلق سے مختلف اہل تصوف کے مختلف اقوال ہیں مگر ان سبھی باتوں میں جو بنیادی چیز نظر آتی ہے وہ اطاعت ہے اور جس چیز سے سب نے ممانعت فرمائی ہے وہ معصیت ہے۔ صوفیہ تقویٰ کے معاملے میں انتہا پسند نظر آتے ہیں جیسا کہ ابن سیرین علیہ الرحمہ کے بارے میں ملتا ہے کہ انھوں نے گھی کے چالیس مٹکے خریدے۔ غلام نے کسی ایک مٹکے سے چوہا نکالا مگر اسے پتہ نہیں تھا کہ کس مٹکے سے نکالا ہے۔ لہٰذا انھوں نے تمام مٹکے انڈیل دیئے۔ یہ ممکن تھا کہ اس صورت میں شریعت کے حکم کے مطابق فتویٰ پر عمل کیا جاتا مگر ابن سیرین کا تقویٰ تھا کہ تمام مٹکے انڈیل ڈالے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے کپڑنے میں لگے کیچڑ کو دریا میں جا کر دھویا۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ تو اس کیچڑ کی حالت میں نماز کو

Marfat.com

درست قرار دیتے ہیں پھر دھونے کی ضرورت کیا تھی؟ آپ نے فرمایا! ہاں مگر وہ فتویٰ تھا اور یہ تقویٰ ہے۔

امام الصوفیہ مولا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''دنیا میں لوگوں کے سردار سخی ہوتے ہیں۔ آخرت میں لوگوں کے سردار متقی ہوں گے۔'' (ایضاً، ص ۲۶۷)

امام قشیری نے تقویٰ کی کئی قسمیں بتائی ہیں۔

''عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔ خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔ اولیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے بچیں اور انبیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔'' (ایضاً، ص ۲۶۶)

یہ تقویٰ کے درجات ہیں۔ جو بندے عمل کے اعتبار سے جتنے بلند ہیں ان کے تقویٰ کا درجہ بھی ویسا ہی بلند ہے۔ ظاہر ہے اولیاء اور انبیاء اخص الخاص ہیں۔ لہٰذا ان کا تقویٰ بھی خاص قسم کا ہے۔ مگر عوام شرک اور کبیرہ گناہوں سے بچیں، یہ ان کے لیے تقویٰ ہے۔

دعاء:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تم مجھے پکارو میں تمہاری دعاء قبول کروں گا۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''دعاء عبادت کا مغز ہے۔'' اس کے علاوہ بھی قرآن مجید اور احادیث کریمہ میں دعا کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اللہ کے نیک بندوں کے معمولات میں دعا شامل ہے۔ انبیاء، اولیاء، صحابہ اور صوفیاء بھی دعاؤں میں مشغول رہے ہیں۔ بندے کی یہ ادا بارگاہِ مولیٰ میں بھی پسند کی جاتی ہے اسی لیے

Marfat.com

دعا کا حکم دیا گیا ہے۔ رسالہ قشیریہ میں حضرت ابو علی دقاق کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:

''دعاء قضاء حاجات کی چابی ہے اور فاقہ مستوں کے لیے راحت کا سبب ہے، مجبوروں کے لیے جائے پناہ ہے اور حاجت مندوں کے لیے آرام کرنے کا سبب ہے۔'' (ص ۴۸۶)

دعا ایک ایسا ذریعہ ہے جو خالق اور بندے کے درمیان ربط کا سبب بنتا ہے۔ بندے کے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ اس نے اپنے پروردگار کے سامنے اپنی بات رکھ دی۔ اسی کے ساتھ بندے میں عمل کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ دعاء بندے کی عاجزی کا اعتراف ہے اور خدا کی قوت پر اعتماد کا اظہار۔ دعا کر کے بندہ گویا اپنے رب کے سامنے یہ اعتراف کرتا ہے کہ میں عاجز ہوں، میری حد یہیں ختم ہو جاتی ہے، میں بے بس ہوں، میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں، اسی لئے میں تیرے سامنے اپنے ہاتھ کو پھیلا رہا ہوں۔ تو مالک ہے، تو پروردگار ہے، تو دعائیں قبول کرنے والا ہے، تیرے ہاتھ میں سب کچھ ہے، تو چاہے تو فقیر بے نوا کو مالک ہفت اقلیم بنا دے اور تیری مرضی ہو تو سات براعظموں کا بادشاہ بھی کنگال ہو جائے۔ اللہ کو بندے کی گریہ زاری پسند ہے۔ اسے بندے کی دعا اور استدعا محبوب ہے۔

''سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے کہا مجھ سے باتیں کرو، اگر یہ نہ کر سکو تو میری طرف دیکھو، اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میری بات کو سنو، اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میرے دروازے پر رہو، اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میرے پاس اپنی ضرورتوں کو لاؤ۔''

(ایضاً، ص ۴۸۷)

دراصل اللہ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کی عبادت اور ذکر و دعا کے ذریعے اس سے قریب رہے۔ اگر کوئی شخص اللہ سے دعاء کرتا ہے، اس کے سامنے اپنی ضرورتیں پیش کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنا حاجت روا اسی کو مانتا ہے۔ مگر یہ بھی

Marfat.com

ضروری ہے کہ دعا مانگنے والے کی حالت اس کی دعا کے مطابق ہو۔ منہ سے نکلنے والے الفاظ اس کے دل کی حالت کے ترجمان ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا، اپنی کمائی پاک رکھو، تمہاری دعاء مقبول ہوگی۔ یعنی دعا کی قبولیت کے لیے یہ شرط ہے کہ جسم کے اندر جانے والا لقمہ حرام کا نہ ہو۔ اسی طرح جو دعاء کی جائے خضوع کے ساتھ ہو۔ ابوالقاسم قشیری تحریر فرماتے ہیں:

> ''کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گزرے، جو دعا کرتا تھا اور گڑگڑاتا تھا۔ یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے کہا، یا الٰہی اگر میرے پاس اس کی حاجت ہوتی تو میں پوری کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ موسیٰ! میں تم سے زیادہ اس پر رحم کرنے والا ہوں۔ مگر وہ مجھے پکارتا ہے اور اس کا دل اپنی بکریوں کے پاس ہے اور میں کسی ایسے کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل میرے سوا کسی اور کے پاس ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات اس شخص سے کہہ دی، پھر اس نے خالص اللہ کی طرف متوجہ ہو کر دل سے دعا کی اور اس کی دعا مقبول ہوئی۔''
>
> (ایضاً)

قبولیت دعا کے لیے خلوص نیت شرط ہے۔ اس کے بغیر دعا مقبول نہیں ہوتی۔ اگر انسان اللہ کو پکارتا ہے تو دل سے پکارے۔ ہاتھ دعاء میں اُٹھے ہوں اور دل دنیا میں مشغول ہو یہ اخلاص نہیں۔

مرید کون؟

تصوف میں پیر کی حیثیت ایک رہنما اور استاد کی ہے۔ ایک ایسا رہبر جو راہِ سلوک کے نشیب و فراز سے واقف ہے اسی لیے مرید کو چاہئے کہ بلا چوں و چرا اس کی ہر بات کو تسلیم کرے۔ اس کے سامنے اپنے سر کو جھکا دے۔ مرید یہاں ایک متعلم اور

Marfat.com

ایسا راہی ہے جو راستے کے حالات سے بالکل واقف نہیں۔ راہِ طریقت کی ابتدا ارادت سے ہوتی ہے۔ یعنی جیسے ہی ایک شخص نے مرید بن کر مرشد کی سرپرستی قبول کر لی۔ اب وہ مسافرت کے آداب اور اصول وضوابط کا پابند ہوگیا۔

> ''حقیقت میں ارادت یہ ہے کہ دل طلب حق میں اٹھ کھڑا ہو۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ارادت ایک ایسی جلن ہوتی ہے جو ہر قسم کی گھبراہٹ آسان کر دیتی ہے۔''
> (ایضاً، ص۴۰۴)

مرید بننے کی رسم آسان ہے مگر اس کی حقیقت تک پہنچنا ایک مشکل کام ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ شریعت کی ایک ایک بات پر عمل کرنا تو لازم ہوتا ہی ہے اسی کے ساتھ جہاد نفس بھی شروع ہو جاتا ہے۔
قشیری نے الکتانی کا قول نقل کیا ہے:

> ''مرید کے لیے یہی حکم ہے کہ اس میں تین چیزیں پائی جائیں (۱) وہ اس وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو، (۲) اس وقت کھائے جب فاقہ کی حالت ہو، (۳) اور ضرورت کے بغیر کلام نہ کرے۔''
>
> (ایضاً، ص۴۰۶)

''ابوعثمان فرماتے ہیں:

> ''جب کوئی مرید صوفیاء کے علوم میں سے کچھ سن لے اور پھر اس پر عمل کرے تو وہ علوم اس کے دل میں آخر عمر تک حکمت بن جائیں گے۔ جن سے وہ فائدہ اٹھائے گا اور اگر وہ گفتگو کرے گا تو سننے والا اس سے فائدہ حاصل کرے گا، مگر جس نے صوفیہ کے کچھ علوم سن لیے اور ان پر عمل نہیں کیا تو یہ ایک قصہ ہوگا جسے وہ کچھ عرصہ تو ذہن میں محفوظ رکھے گا پھر بھول جائے گا۔''
> (ایضاً، ص۴۰۷)

مرید پر یہ لازم ہے کہ وہ صوفیہ کی قابل عمل باتوں پر عمل کرے اور انھیں

Marfat.com

دوسروں تک پہنچائے۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو مرید ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔ امام قشیری نے مرید کے لیے کئی شرطیں طے کی ہیں جو ذرا مشکل ہیں مگر راہِ طریقت پر چلنے والوں کے لیے سوا اس کے کوئی چارہ نہیں۔ شرطیں یہ ہیں ۔

(۱) فرائض کی ادائیگی کے لائق علم شریعت ہو یا حاصل کرے۔

(۲) مرید اپنی تمام لغزشوں سے توبہ کرے، وہ خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔

(۳) جن سے کسی قسم کا جھگڑا ہو، انھیں راضی کرے۔

(۴) دنیاوی تعلقات اور مصروفیات کو کم کیا جائے۔

(۵) ہر معاملے میں شیخ کے حکم کی پابندی کی جائے۔

(۶) شیخ پر کسی قسم کا اعتراض نہ کیا جائے۔

(۷) راضی برضائے الٰہی رہے۔ اللہ کی طرف سے جو حالات پیش آئیں ان پر ناخوشی کا اظہار نہ کرے۔

مختلف صوفیہ نے ان کے علاوہ بھی کچھ شرائط کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ذکر و اذکار پر عمل، ہر وقت باوضو رہنا اور خلوت اختیار کرنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ مریدین کے لیے آداب بھی مقرر کیے گئے ہیں۔

سماع:

سماع کا لغوی مطلب سننا ہے مگر صوفیہ کی اصطلاح میں عارفانہ کلام سننے کو سماع کہتے ہیں۔ سماع عموماً مزامیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی گانے کے ساتھ موسیقی بھی ہوتی ہے۔ اور اس میں صوفیہ کا اختلاف ہے۔ ترنم کے ساتھ عارفانہ و ناصحانہ کلام پڑھنا و سننا بالاتفاق علما و صوفیہ کی نظر میں درست ہے مگر اختلاف اسی صورت میں ہے جب اس میں موسیقی بھی شامل ہو جائے۔ صوفیہ کا بڑا طبقہ سماع کو جائز و درست سمجھتا ہے مگر

Marfat.com

اس کے ساتھ کچھ شرطیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ امام قشیری سماع کو جائز سمجھتے ہیں مگر اس سے بچنے کو بہتر جانتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''عمدہ اور پسند آنے والے نغموں کے ساتھ اشعار کا سننا جائز ہے بشرطیکہ سننے والا کسی ممنوع بات کا معتقد نہ ہو اور نہ ہی وہ کوئی ایسی بات سنتا ہو جو شرعاً مذموم ہے اور نہ وہ اپنی خواہشات کی رو میں بہہ جاتا ہو اور نہ ہی وہ فضول چیز کی طرف مائل ہو۔'' (ایضاً، ص ۴۹۴)

اہل تصوف کا جو طبقہ سماع کے جواز کا قائل ہے وہ اس کی حمایت میں احادیث سے بہت سی دلیلیں پیش کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ صحابہ و تابعین کے اقوال و اعمال کو بہ طور ثبوت پیش کرتا ہے۔ اس کی حمایت میں حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی ہے۔ امام قشیری لکھتے ہیں:

''امام شافعی سماع کو حرام قرار نہیں دیتے مگر عوام کے لیے اُسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص گانے کا پیشہ اختیار کرے یا لہو و لعب کے طور پر متواتر سماع میں لگا رہے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ امام شافعی اسے ان چیزوں میں شمار کرتے ہیں جن سے مروت ساقط ہو جاتی ہے، مگر آپ اسے محرمات میں شامل نہیں کرتے۔ مگر یہاں تو ہماری بحث اس قسم کے سماع سے نہیں کیونکہ صوفیاء کا رتبہ اُن سے بلند ہے کہ وہ کوئی لہو کی بات سنیں یا سہواً سماع کے لیے بیٹھ جائیں یا دل میں کسی لغو مضمون کا خیال ہو یا ایسے طریقے سے سنیں جو اُن کے شایانِ شان نہ ہو۔'' (ایضاً، ص ۵۹۵)

صوفیہ حضرات جس قسم کا 'سماع' سنتے ہیں وہ عارفانہ اور ناصحانہ کلام پر مشتمل ہوتا ہے تو جب امام شافعی مطلق سماع کو جائز قرار دیتے ہیں تو اخلاق و معرفت اور دین و حکمت کی باتیں گانے میں شامل ہوں تو ان کا جائز ہونا بہ درجہ اتم درست ہوگا۔ البتہ

Marfat.com

امام قشیری نے اس تعلق سے اپنے مرشد کا کلام نقل کیا ہے:

''عوام کے لیے سماع حرام ہے، اس لیے کہ ان کے نفوس اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں۔ زاہدوں کے لیے مباح ہے کیونکہ انھیں مجاہدات حاصل ہوتے ہیں اور ہمارے مریدوں کے لیے مستحب ہے تا کہ ان کے دل زندہ ہوں۔'' (ایضاً، ص ۶۰۰)

اس طرح کے خیالات عموماً اہل تصوف کے ہاں ملتے ہیں۔ وہ عوام کو سماع سے منع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ سماع کی محفلیں وہ ایسی جگہ منعقد کرتے رہے ہیں جہاں عوام کا گزر نہ ہو۔ انھیں لگتا ہے کہ سماع جس طرح اہل دل کے لیے دوائے دل کا کام کرتا ہے اسی طرح عوام کچھ کا کچھ مطلب لیں گے اور اسے نفسانی لذت کے لیے استعمال کریں گے۔ امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ اگر چہ خود سماع کو جائز قرار دیتے ہیں مگر اس سے بچنا بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے مرشد ابو علی دقاق سے اس کی اجازت چاہی مگر وہ بار بار ٹال کر یہ اشارہ دیتے رہے کہ اس سے بچنا بہتر ہے۔

○○○

Marfat.com

داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

جب ان کے گدا بھر دیتے ہیں شاہانِ زمانہ کی جھولی
محتاج کا جب یہ عالم ہے، مختار کا عالم کیا ہوگا

داتا گنج بخش شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمتہ اللہ علیہ ایک معروف صوفی گزرے ہیں جو برصغیر میں ابتدائی مسلم عہد میں آئے۔ یہ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کا عہد تھا۔ آپ نے پنجاب کے لاہور میں قیام کیا اور اپنے علمی و روحانی فیضان سے عوام کو مشرف فرمایا۔ بے شمار تشنگانِ روحانیت آپ کے دریائے فیض سے سیراب ہوئے اور ہزاروں گم گشتگانِ راہ کو ہدایت نصیب ہوئی۔

Marfat.com

سالِ ولادت ووطن:

شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کا سالِ ولادت سوانح نگار متعین نہیں کر پائے ہیں۔ البتہ قیاس کیا جاتا ہے ۴۰۰ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ افغانستان کے شہر غزنی کے آپ رہنے والے تھے۔ اس شہر کے دو محلے جلاب اور ہجویر ہیں جہاں آپ رہائش پذیر رہے۔ پہلے آپ جلاب میں رہے پھر ہجویر میں قیام فرمایا اور اس کے بعد لاہور تشریف لائے۔ جس طرح آپ کی تاریخ پیدائش متعین نہیں اسی طرح آپ کے لاہور آنے کی تاریخ بھی متحقق نہیں۔ ساتھ ہی آپ کا سال وفات بھی نامعلوم ہے۔ البتہ سوانح نگار قیاس کرتے ہیں کہ ۴۵۶ھ-۴۶۵ھ کے درمیان آپ کا انتقال ہوا۔ لاہور میں ہی آپ کی آخری آرامگاہ ہے۔

سلسلہ نسب:

شیخ علی ہجویری کے سلسلہ نسب پر سوانح نگاروں کا اتفاق ہے جو یوں ہے۔ علی بن عثمان بن علی بن عبدالرحمٰن بن شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن زید بن امام حسن بن علی بن ابوطالب اس لحاظ سے آپ سید ہیں اور آٹھ واسطوں سے سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

شجرۂ طریقت:

شیخ علی ہجویری کا سلسلہ طریقت اس طرح ہے۔ علی ہجویری مرید شیخ ابوالفضل ختلی، مرید شیخ حضری مرید شیخ ابوبکر شبلی مرید شیخ جنید بغدادی، مرید شیخ سری سقطی، مرید داؤد طائی مرید حبیب عجمی، مرید حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ کے سلسلہ طریقت میں تقریباً سبھی حضرات بہ طور صوفی مشہور و معروف ہیں۔ ان حضرات کے نام دیگر سلاسل طریقت میں بھی آتے ہیں۔

Marfat.com

داتا گنج بخش:

شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کو ''داتا گنج بخش'' کے لقب سے عموماً یاد کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لقب آپ کی زندگی میں مشہور نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے ورودِ ہندوستان کے وقت لاہور میں آپ کے مزار مقدس پر حاضری دی اور چلہ کشی فرمائی۔ وقت رخصت آپ کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا:

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا\
ناقصاں را پیر کامل، کاملاں رہنما

یہ شعر مشہور ہوا اور آج بھی مزار کی لوح پر درج ہے۔ اس شعر کے سبب آپ کا لقب ''داتا گنج بخش'' پڑا۔ اب لوگ نام سے زیادہ اس لقب سے آپ کو جانتے ہیں۔

نقش حیات:

داتا صاحب نے جس دور میں ہوش سنبھالا وہ تصوف اور روحانیت کا دور تھا۔ آپ سے قبل بہت سے اہل تصوف گذر چکے تھے جنہوں نے روحانیت اور تصوف کے پیغام کو عام کر دیا تھا۔ تصوف پر علمی بحث جاری تھی۔ کتابیں لکھی جارہی تھیں۔ نظریہ وحدت الوجود مقبول ہو چکا تھا۔ تمام اطراف واکناف ممالک اسلامیہ میں اس کی ترویج واشاعت ہو چکی تھی، مگر عموماً مذہبی موضوعات پر عربی زبان میں کتابیں تحریر کی گئی تھیں۔ شیخ علی ہجویری نے تصوف کو فارسی داں طبقے تک پہنچانے کے لیے فارسی زبان میں کتابیں لکھیں۔ آپ کی سب سے مشہور کتاب ''کشف المحجوب'' ہے۔ اس وقت صرف یہی دستیاب ہے۔ دیگر تصانیف دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکیں۔ اس

Marfat.com

کتاب کے تراجم اردو، انگلش، روسی، فرنچ کے علاوہ بھی دیگر زبانوں میں ہوئے۔ اس کتاب نے ایک عالم کو مستفید کیا اور بعد کے صوفیہ نے اگر تصوف پر قلم اٹھایا تو اس کتاب سے ضرور استفادہ کیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے تعلق سے فرمایا کہ ''اگر کسی کا پیر نہ ہو تو ایسا شخص جب اس کتاب کا مطالعہ کرے گا تو اس کو پیر کامل مل جائے گا۔'' محبوب الٰہی نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔

کشف المحجوب کو جو پذیرائی ملی وہ کم ہی کتابوں کے حصے میں آتی ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسلوب بیان صاف ستھرا اور سادہ ہے۔ جگہ جگہ پر قرآن و حدیث سے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ صاحب کتاب نے اپنے تجربات کو بنیاد بنانے کے بجائے قرآن و حدیث کو بنیاد بنایا ہے۔ اس کے بعد بزرگوں اور صوفیوں کے اقوال کو پیش کیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کتاب کی قدر و منزلت کبھی کم نہیں ہوئی۔ آج سے نو صدی قبل اسے نگاہ قدر سے دیکھا جاتا تھا اور آج بھی دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ عہد حاضر میں جس طرح تصوف کی ضرورت میں اضافہ ہو رہا ہے اس لحاظ سے بہ جا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کی معنویت دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ اس کتاب نے تصوف کے تعلق سے غلط فہمیوں کو دور کیا ہے اور برصغیر میں تصوف کی اشاعت کی راہیں ہموار کی ہیں۔ اس شاہکار تصنیف پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام ''آب کوثر'' میں رقم طراز ہیں:

> ''اس میں تصوف کے طریقے کی تحقیق، اہل تصوف کے مقامات کی کیفیت، ان کے اقوال اور صوفیانہ فرقوں کا بیان، معاصر صوفیوں کے رموز و اشارات اور متعلقہ مباحث بیان کئے گئے ہیں۔ اہل طریقت میں اس کتاب کو بڑا مرتبہ حاصل ہے۔''

Marfat.com

شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

کتاب فنا و بقا، اسرار الخرق والمونات، الرعایت بحقوق اللہ، کتاب البیان لاہل العیان، نحو القلوب، منہاج الدین، ایمان، شرح کلامِ منصور حلاج اور دیوانِ اشعار۔ آج صرف کشف المحجوب دستیاب ہے۔ آپ کی تصنیفات کی چوری آپ کی زندگی میں ہی شروع ہو چکی تھی جس سے آپ کبیدہ خاطر تھے اور اس کا تذکرہ کشف المحجوب کی ابتدائی سطروں میں کرتے ہیں۔

> "پہلا حادثہ یہ ہوا کہ ایک صاحب میرے اشعار کا دیوان مستعار لے گئے۔ پھر انھوں نے واپس نہیں کیا۔ میرے پاس اس نسخہ کے سوا اور کوئی نسخہ نہیں تھا۔ ان صاحب نے میرے نام کو حذف کر کے اپنے نام سے اس دیوان کو مشہور کر دیا۔ اس طرح میری محنت انھوں نے ضائع کر دی۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔
>
> دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ میں نے علم تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام 'منہاج الدین' رکھا تھا۔ ایک کمینہ خصلت، چرب زبان شخص نے جس کا نام میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا، اس نے شروع سے میرا نام چھیل کر اور اپنا نام درج کر کے عام لوگوں میں کہنا شروع کر دیا کہ یہ میری تصنیف ہے۔"

داتا صاحب کی دیگر تصنیفات کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا یہ تو معلوم نہیں البتہ آج وہ دستیاب نہیں ہیں۔ کشف المحجوب کو دیکھتے ہوئے سمجھا جا سکتا ہے کہ دیگر کتابیں بھی علمی اعتبار سے بے حد اہم ہوں گی۔

داتا صاحب ایک عظیم مفکر، صوفی اور عالم کے ساتھ ساتھ ایک مصلح اور مبلغ بھی

Marfat.com

تھے۔آپ کے قیام لاہور کے دوران بے شمار بندگانِ خدا آپ سے فیضیاب ہوئے۔ کشف المحجوب کے اردو ترجمہ (مترجم غلام معین الدین نعیمی) کے دیباچہ میں حضرت شمس بریلوی رقمطراز ہیں:

"آپ کے ورودِ مسعود نے لاہور کے قالب میں ایک نئی جان ڈال دی۔ آپ کے قیام کے دوران ہزاروں گمگشتگانِ بادیۂ ضلالت و گمرہی نے آپ سے ہدایت پائی اور ہزاروں مشرکوں کے دلوں سے کلمہ توحید پڑھا کر زنگ کفر و شرک کو دور فرمایا۔ حضرت داتا صاحب قدس سرہٗ نے لاہور میں ورود فرمانے کے بعد اپنا تمام وقت تبلیغ اسلام اور تصنیف و تالیف میں صرف فرمایا۔ دربار شاہی سے آپ کا کسی قسم کا تعلق نہیں تھا۔ تبلیغ اسلام کا جو کام آپ نے شروع فرمایا تھا اس کو بعد میں آنے والے اکابرین صوفیاء نے اپنے پاکیزہ اور اعلیٰ کردار سے اسلام کی سچی اور پاکیزہ تصویر پیش کر کے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔"

داتا صاحب کے علمی، فکری، اصلاحی، تجریدی اور تبلیغی کارناموں کا ذکر متعدد کتابوں میں ملتا ہے۔ لیکن اس موضوع پر مزید تحقیق و جستجو کی ضرورت ہے۔ آپ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں جن کا تذکرہ آپ کے حالات زندگی میں ملتا ہے۔

شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا خاصا حصہ صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں گذارا۔ بیشتر صوفیہ کے تذکروں میں ملتا ہے کہ انھوں نے مختلف ملکوں اور شہروں کی سیر کی اور گوہر مقصود کے حصول کے لیے ڈگر ڈگر، نگر نگر گھومتے پھرے۔ آپ نے بھی اپنے ماقبل کے اہل تصوف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک طویل عرصہ عرب وعجم کی سیاحت میں گزارا۔ عراق، شام،

Marfat.com

لبنان، آذر بائیجان، خراسان، کرمان اور خوزستان، طبرستان، ترکستان اور ماوراء النہر کے علاقوں کو آپ کی قدمبوسی کا شرف ملا۔ سفر کے دوران اپنے عہد کے معروف صوفیہ سے آپ کی ملاقات رہی۔ جن میں حضرت ابوالقاسم بن علی گرگانی، امام ابوالقاسم قشیری (مصنف رسالہ القشیر یہ) شیخ احمد حماری سرخسی، حضرت محمد بن مصباح، حضرت ابوسعید ابوالخیر، شیخ ابو احمد المظفر بن احمد رحمہم اللہ شامل تھے۔ ان کے علاوہ بھی اہل طریقت سے آپ کی ملاقات رہی جن کا تذکرہ نہیں ملتا۔ امام ابوالقاسم قشیری کا داتا صاحب نے خصوصی تذکرہ کیا ہے اوران سے استفادہ کا اعتراف بھی کیا ہے۔ داتا صاحب کے مرشد حضرت ابوالفضل حسن الختلی تھے جو آپ کے استاد بھی تھے۔ حضرت ابوالعباس محمد شقانی سے بھی آپ نے اکتساب علم کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے مگر ان کے علاوہ بھی کچھ اساتذہ سے آپ نے علم حاصل کئے۔

داتا صاحب تصوف میں جنیدی مسلک کے پابند تھے۔ اسی طرح شریعت میں سنی اور فقہ میں حنفی تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو بے حد عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے اور کشف المحجوب میں ان کا تذکرہ بے حد احترام اور القاب کے ساتھ کرتے ہیں۔

داتا صاحب، ایک صاحب روحانیت بزرگ تھے۔ آپ کا بیشتر وقت مجاہدہ، مراقبہ، ذکر وفکر اور اصلاح وتبلیغ میں گزرتا تھا۔ شاید اسی لیے آپ خانگی زندگی سے دور رہے۔ سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے آپ نے نکاح فرمایا مگر لمبی مدت تک ازدواجی تعلقات برقرار نہیں رہ پائے اور بیوی سے جدائی ہوگئی۔ اس کے بعد دوسرا نکاح نہیں کیا۔ اولاد کا سلسلہ بھی نہیں چل پایا مگر آپ کی معنوی اور روحانی اولاد کا سلسلہ چلا اور ہزاروں افراد آپ کے

Marfat.com

سلسلے سے وابستہ ہوئے۔ بے شمار افراد نے فیوض حاصل کئے اور برصغیر میں نور ہدایت ومعرفت آپ کے ہی دم قدم سے پھیلا۔ ضلالت وگمرہی کی شب دیجور نے اسی آفتابِ ہدایت کی کرنوں سے روشنی پائی۔ اندھیرا دور ہوا اور اجالا پھیلا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

Marfat.com

عکسِ خیال

اہل تصوف کی تربیت ایک خاص طریقے سے ہوتی ہے۔لہٰذا ان کے خیالات اور سیرت کی تعمیر بھی اسی نہج پر ہوتی ہے۔تصوف آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے کی باتیں کرتا ہے۔اگر اس دنیا کی بات بھی یہاں ہوتی ہے تو وہ آخرت کے لیے ہی ہوتی ہے۔حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات میں بھی یہی پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔پیش ہیں ذیل میں ان کے افکار و نظریات کی کچھ جھلکیاں جو، ان کی تصنیف کشف المحجوب سے لی گئی ہیں۔

Marfat.com

دنیا مقامِ اسرارِ الٰہی:

داتا صاحب جہاں آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے کی باتیں کرتے ہیں، وہیں اس دنیا کی باتیں بھی کرتے ہیں، مگر اس دنیا میں بھی ان کی نگاہیں اسرار الٰہی کو دیکھتی ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ انھیں اپنی طرف بلا کر دعوتِ فکر ونظر دیتا ہے۔ انھیں محسوس ہوتا ہے کہ تمام جسموں پر اسرارِ الٰہی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ان حجابات کو ہٹا دیا جائے تو ہر جگہ خالق کی بے شمار حکمتیں نظر آنے لگیں اور انسان کی عقل انھیں دیکھ کر دنگ رہ جائے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> ''میں نے اس جہان کو اسرارِ الٰہی کا محل اور کائنات عالم کو اس کا مقام اور اعیانِ ثابتہ کو لطائف واسرار کی رہائش پایا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کے اولیاء ومحبین ہی خوب جانتے ہیں۔ یہ اغراض وجواہر، عناصر و اجرام اور تمام اجسام وطبائع ان اسرارِ الٰہی کے حجابات ہیں۔ مقام توحید میں ان کا اثبات شرک ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہان کو محل حجاب بنایا ہے تاکہ اپنے اپنے عالم میں ہر طبیعت حق تعالیٰ کے فرمان سے سکون وقرار حاصل کر سکے اور اپنے وجود کو اس کی توحید میں گم کر دے۔'' (ص ۳۴)

خدا کی یہ کائنات بے شمار اسرار کا مجموعہ ہے۔ یہ اسرار کے پردے اگر ہٹا دیئے جائیں تو حقیقت کا کھلم کھلا نظارہ ہو۔ دراصل صوفیہ کا بڑا طبقہ وحدت الوجود کا قائل ہے یعنی اس کی نظر میں بس ایک ہی وجود ہے۔ دیگر اشیاء کا کوئی وجود نہیں، وہ محض اس کے وجود کی پرتو ہیں، عکس ہیں۔ داتا صاحب بھی نظریہ وحدت الوجود کے حامی تھے اور اسی نظر سے آپ کائنات کے ذرے ذرے کو دیکھتے ہیں جہاں ذات واحد کا نظارہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ذات واحد ہی موجود ہے دیگر اشیاء کا کوئی وجود نہیں تو پھر

Marfat.com

اس کا دیدار کیوں نہیں ہوتا۔ ہماری نگاہیں اس حقیقت کو دیکھنے سے قاصر کیوں ہیں؟ اس سوال کا جواب کشف المحجوب کی اگلی عبارت میں ملتا ہے:

''چونکہ اس جہان میں روحیں اپنے جسموں کے ساتھ ملحق ہو کر مقام اخلاص سے ہٹ کر ایسی مغرور ہو گئی ہیں کہ ان کی عقلیں اسرارِ الٰہی کے ادراک سے عاجز اور وہ روحیں قربِ حق سے مستور و محجوب ہو گئی ہیں۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ آدمی اپنی ہستی کے سبب غفلت کی تاریکی میں غرق ہو گیا اور مقامِ خصوصیت میں اپنی ہستی کے حجاب کے سبب عیب دار بن گیا۔'' (ایضاً)

مندرجہ بالا سطروں میں واضح کر دیا گیا ہے کہ جسم و روح کا یہ مجموعہ جسے انسان کہا جاتا ہے مقام اخلاص سے دور ہو گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کی عقل اسرارِ الٰہی کے پردوں کو چاک نہیں کر پاتی اور وہ حقیقت دیکھ نہیں پاتی جو ہر جگہ موجود ہے اور کائنات کے ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے۔ داتا صاحب آگے لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا۔ پھر اس پر روشنی ڈالی۔'' تو یہ حجاب اس جہان میں اس کے لیے اختیارِ طبع بن گئی۔ کیونکہ اس نے اپنی طبیعت اور اپنی عقل سے اس میں تصرف، حتیٰ کہ اس نے نہ صرف جہل و نادانی کو پسند کیا بلکہ ان حجابات کا وہ دل و جان سے خریدار و متوالا بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جمالِ کشف سے بے خبر اور اسرارِ الٰہی کی تحقیق سے بے پروا بن گیا اور وہ عارضی مسکن میں خوش رہ کر اپنی فلاح و نجات سے غافل ہو گیا۔ اس طرح وہ توحید باری سے بے علم، جمالِ احدیت سے بے خبر اور ذائقہ توحید سے ناآشنا ہو گیا ہے۔'' (ایضاً)

اس عبارت میں رسول اللہ سے منسوب ایک قول پیش کیا گیا ہے کہ اللہ نے

Marfat.com

مخلوق کو تاریکی میں پیدا فرمایا پھراس پر روشنی ڈالی۔ شاید اس سے یہ مراد ہے کہ شکم مادر کے اندھیرے میں اس کا جسم تیار ہوتا ہے اور اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ دنیا کے اجالے میں آتا ہے۔ اندھیرے کا جو حجاب دنیا میں آنے سے قبل انسان کے لیے اضطراری ہوتا ہے اسے دنیا میں اس نے اختیار کرلیا ہے اور وہ اس کا اس قدر گرویدہ ہو چکا ہے کہ مشاہدۂ حق کے لیے بھی اسے دور کرنا نہیں چاہتا۔ یہی حجاب اسے اسرارِ الٰہی کے دیدار سے مانع ہے اور حقیقت کو اس کی نظر سے پوشیدہ رکھے ہوئے ہے۔ یعنی انسان اگر چاہے تو مشاہدۂ حق اس کے لیے ممکن ہے بشرطیکہ وہ دنیاوی کثافت کو دور کر کے اپنی طبیعت کو پاکیزہ اور روح کو لطافت سے معمور کرلے۔

بے پردہ ملو عاشق بے تاب سے اپنے
حائل ہے جو یہ بیچ کا پردا سو اٹھا دو
موہوم سی یہ رہ جو گئی ہے مری ہستی
تم حرف غلط کی طرح اس کو بھی مٹا دو

محبت کی حقیقت:

عبادت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
ترے کوچے میں مر مٹنا، شہادت اس کو کہتے ہیں

محبت تصوف کی بنیاد ہے۔ محبت روحانیت کا محور ہے۔ ساری کائنات اسی محور کے گرد گھوم رہی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ محبت ہے کیا؟ محبت کیوں ہوتی ہے؟ محبت کی اصل کیا ہے؟ اسے مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ داتا صاحب نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں کئی صفحات اس موضوع کے لیے وقف کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

''اہل لغت کہتے ہیں کہ محبت حبہ سے ماخوذ ہے اور حبہ کے معنی تخم کے ہیں جو زمین پر گرتا ہے۔ لہٰذا حب نام حب رکھا گیا۔ چنانچہ اصل حیات اسی میں ہے، جس طرح اشجار و نباتات میں ہے۔ حب یعنی تخم ہے جس طرح میدان میں بیج کو بکھیرا جاتا ہے اور مٹی میں چھپایا جاتا ہے پھر اس پر پانی برستا ہے آبیاری کی جاتی ہے۔ سورج چمکتا ہے، گرم و سرد موسم گزرتا ہے۔ لیکن زمانہ کے تغیرات اسے نہیں بدلتے جب وقت آتا ہے تو وہ تخم اگتا ہے۔ پھل و پھول دیتا ہے۔ اسی طرح جب محبت کا بیج دل میں جگہ پکڑتا ہے تو اسے حضور و غیبت، بلا و ابتلا، مشقت، راحت و لذت اور فراق و وصال کوئی چیز نہیں بدل سکتی۔''

(ص ۴۳۹)

''نیز اہل لغت یہ بھی کہتے ہیں کہ محبت حب سے مشتق ہے اور حب وہ دانہ ہے جس میں پانی بکثرت ہو اور اوپر سے وہ ایسا محفوظ ہو کہ چشموں کا پانی اس میں داخل نہ ہو سکے۔ یہی حال محبت کا ہے کہ جب وہ طالب کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو اس کا دل اس سے پر ہو جاتا ہے۔ پھر اس دل میں محبوب کے کلام کے سوا کوئی جگہ نہیں رہتی۔''

(ص ۴۴۰)

''ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ محبت، حبوب سے ماخوذ ہے جو حبہ کی جمع ہے اور حبہ وہ دل ہے جو لطائف کا مقام اور ان کے قیام کی جگہ ہے۔ اسی لیے محبت کا نام حب رکھا گیا۔''

(ایضاً)

داتا صاحب نے ان کے علاوہ بھی کچھ مفہوم محبت کے بیان کئے ہیں مگر یہ سب اہل لغت کی باتیں ہیں۔ اہل دل کی نہیں۔ اہل دل جو محبت کی منزل سے گزرتے ہیں انھیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ محبت کا لفظ کس مادے سے مشتق ہے۔ وہ تو

Marfat.com

اپنے ہی انداز میں اس گتھی کو سلجھاتے نظر آتے ہیں۔ حضرت سمنون بن عبداللہ خواص علیہ الرحمہ جو حلقہ صوفیہ میں امام محبت سمجھے جاتے تھے اور سمنون المحب کے نام سے مشہور تھے، فرماتے ہیں:

لا یعبر عن شئ الا بما هو ادق منه ولا شئ ادق من المحبة فبم یعبر عنها. (چیزوں کی تعبیر اس سے زیادہ رقیق چیز سے ہوتی ہے اور محبت سے زیادہ باریک چیز کوئی نہیں لہٰذا اس کی تعبیر کسی طرح ممکن نہیں)۔ (ص ۲۰۸)

دوسرے لفظوں میں:

محبت معنیٰ و الفاظ میں لائی نہیں جاتی
یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

داتا صاحب، حضرت سمنون المحب کا قول نقل کرتے ہیں:

''محبت تو راہِ خدا کی بنیاد و اساس ہے۔ اسی پر تو تمام احوال و مقامات اور منازل کی بنا ہے اور ہر منزل و محل میں خواہ طالب کہیں گامزن ہو اس کا اس سے زوال ممکن ہے لیکن حق تعالیٰ کی محبت کے مقام میں اس کا زوال ممکن نہیں۔'' (ص ۴۴۵)

داتا صاحب کا خود محبت کے تعلق سے نظریہ ہے:

''جو دل محبت سے خالی ہو وہ دل برباد و ویران ہے۔ تکلف میں محبت دور کرنے یا اس کے حاصل کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ محبت کے لطائف جو دل پر وارد ہوتے ہیں نفس کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔''

(ص ۴۴۶)

تصوف میں محبت الٰہی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد قرآن میں عبادت بتایا گیا اور عبادت، عذاب الٰہی کے خوف سے بھی ہوتی ہے

Marfat.com

اور محبت کی بنیاد پر بھی۔ ارباب تصوف اس عبادت کو خالص نہیں سمجھتے جو عذاب و ثواب کی مرہون منت ہو۔ مخلصانہ عبادت تو وہی ہے جو صرف محبت کے سبب ہو، کوئی غرض شامل نہ ہو۔

محبت کچھ خاص دلوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مبارک ہیں وہ دل جو جذبات محبت سے لبریز ہوں، مبارک ہیں وہ آنکھیں جو پیمانۂ عشق بنی ہوں۔ خوش قسمت ہیں وہ بندگان خدا جن کے دلوں کو محبت کے لیے مخصوص کر لیا گیا ہو کیونکہ:

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

داتا صاحب نے حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب محبت'' سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے جو محبت کی تعبیر اپنے ہی انداز میں کرتے ہیں:

''اللہ نے قلوب کو ان کے اجسام سے سات ہزار سال قبل پیدا فرمایا اور انھیں اپنے قرب خاص میں رکھا۔ اس کے بعد محبت کے درجہ میں رکھا پھر ان کے باطن کو ان کے اجسام سے سات ہزار سال قبل پیدا کیا اور انھیں وصل کے درجہ میں رکھا، اور روزانہ تین سو ساٹھ مرتبہ ظہور جمال سے باطن کو تجلی بخشی اور تین سو ساٹھ مرتبہ نظر کرامت ڈالی، پھر محبت کا کلمہ سنایا اور تین سو ساٹھ مرتبہ دلوں پر انس و محبت کے لطائف ظاہر کیے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ساری کائنات پر نظر ڈالی تو کسی مخلوق کو اپنے سے زیادہ صاحب کرامت نہ پایا۔ اس بنا پر ان میں فخر و غرور پیدا ہوا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سب کا امتحان لیا اور باطن کو جسم میں مقید کر کے روح کو دل میں محبوس کیا اور دل کو جسم میں رکھا۔ پھر عقل کو ان میں شامل کیا اور انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر انھیں حکم دیا۔ اس کے بعد جو اپنے مقام کا متلاشی ہوا حق تعالیٰ نے اسے نماز کا

Marfat.com

حکم دیا تا کہ جسم تو نماز میں ہو اور دل محبت الٰہی میں اور جان قربت کا مقام حاصل کرے اور باطن وصال حق سے سکون و قرار پائے۔"

(ص ۴۴۶)

تصوف میں عبادت و ریاضت، مجاہدہ، فقر اور دیگر قسم کی جدوجہد کا اصل مقصود محبت الٰہی میں استحکام ہے۔ یہاں محبت کے لیے سب کچھ ہوتا ہے، محبت کے ساتھ سب کچھ ہوتا ہے، محبت کی تکمیل کے لیے سب کچھ ہوتا ہے، محبت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس لیے جب محبت کی بات آتی ہے تو داتا صاحب قرآن اور حدیث سے اس کی ابتدا کرتے ہیں۔ اس باب میں جو پہلی آیت کریمہ پیش کی ہے اس کا مطلب ہے:

"اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی حق تعالیٰ کے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا جو اللہ کو محبوب رکھیں گے اور اللہ ان کو محبوب رکھے گا۔"

داتا صاحب نے محبت کے باب میں حدیثیں بھی پیش کی ہیں۔ ایک حدیث کا کچھ حصہ یہ ہے:

"ادائے فرض سے بڑھ کر کوئی چیز پیاری نہیں جو میرے بندے کو مجھ سے قریب کرے۔ بندہ ہمیشہ ادائے نوافل کے ذریعہ میری نزدیکی چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور زبان بن جاتا ہوں۔"

ظاہر ہے یہ محبت کی انتہا ہے کہ محبت کرنے والا خود محبوب بن جاتا ہے۔ اب چاہت دونوں طرف سے ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اللہ اپنے جس بندے کو محبوب رکھتا ہے اس سے زمین و آسمان کی مخلوقات بھی محبت کرنے لگتی ہیں۔ تصوف اسی محبت کے راستے کا نام ہے اور داتا صاحب اپنی تصنیف میں اسی کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ آپ اس پر بھی زور دیتے ہیں کہ محبت کی علامت

Marfat.com

یہ ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت واطاعت میں زیادہ مصروف ہوجاتا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ حضرت منصور حلاج کا آخری قول بھی نقل کرتے ہیں جو سولی پر چڑھتے وقت ان کی زبان پر تھا۔

''محبت کرنے والے کے لیے کتنی مسرت کا لمحہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کو راہ محبت میں فنا کردے۔''

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

ذکر اہل دل کا:

شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اہل طریقت اور دیگر مشائخ کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز ان کے اقوال اور حکایات کو بھی بیان فرمایا ہے جو انتہائی سبق آموز اور عبرت ونصیحت سے بھری ہوئی ہیں۔ ان پر داتا صاحب کے تبصرے اور بھی حکیمانہ اور عارفانہ ہیں۔ یہاں بعض مشائخ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت ہرم بن حبان رحمتہ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے خلفاء راشدین سمیت کئی صحابہ سے ملاقات کی تھی مگر آپ کی خواہش تھی کہ کسی طرح افضل التابعین حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کریں۔ اسی آرزو کے ساتھ آپ قرن تشریف لے گئے مگر مقصد پورا نہیں ہوا۔ پھر کوفہ پہنچے تو اچانک ایک دن فرات کے کنارے حضرت اویس قرنی وضو کرتے مل گئے۔ دیکھتے ہی پہچان لیا اور آگے بڑھ کر سلام کیا۔ حضرت اویس قرنی نے جواب میں کہا:

وعليك السلام يا هرم بن حبان. حضرت ہرم بن حبان

Marfat.com

نے دریافت کیا آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ انھوں نے کہا عرفت روحی روحك. (میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا)۔ (ص ۱۳۶)

حضرت اویس قرنی نے حضرت ہرم بن حبان کو یہ نصیحت بھی فرمائی:

''تم پر فرض ہے کہ اپنے دل کی نگہداشت کرو تا کہ کسی غیر کی فکر میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔'' (ایضاً)

اویس قرنی کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے داتا صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس نصیحت کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ دل کو ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ حق تعالیٰ کی اطاعت پر لگائے رکھے۔ دوسرے یہ کہ خود کو دل کے تابع کرو۔ یہ دونوں اصول قوی ہیں۔ دل کو حق کے تابع کرنا ارادتمندوں کا کام ہے تا کہ خواہشات کی کثرت اور ہوائے نفس کی محبت سے دل محفوظ رہے اور تمام ناموافق خطرات اور اندیشے دل سے نکال پھینکے اور اس کی درستگی و حفاظت کی تدبیر میں مشغول ہو کر حق تعالیٰ کے نشانِ قدرت پر نظر رکھے تا کہ دل خدا کی محبت کی آماجگاہ بن جائے، اور خود کو دل کے تابع کرنا کاملوں کا کام ہے کیونکہ حق تعالیٰ ان کے دلوں کو نورِ جمال سے منور کر کے، تمام اسباب وعلل سے پاک وصاف بنا کر مقام بلند اور درجہ رفیعہ پر فائز کر دیتا ہے اور ان کے جسموں کو خلعت قرب سے نوازتا ہے اور اپنے لطائف وتجلیات کی روشنی سے انھیں منور کر دیتا ہے اور مشاہدۂ قرب سے سرفراز کرتا ہے۔'' (ایضاً)

اہل تصوف کی نگاہ میں دل، مقام الٰہی ہے اس لیے دل کی حفاظت کا حکم دیا جاتا ہے اور اسے اللہ کے لیے مخصوص کرنے کو کہا جاتا ہے۔ جو مقام محبوب کے لیے

Marfat.com

مخصوص ہو وہاں غیر محبوب کو بٹھانا محبت میں شرک ہے۔

ارباب تصوف تزکیہ نفس پر بہت زور دیتے ہیں۔اس کے لیے قلب کی صفائی لازم ہے یعنی جب تک انسان کا دل صاف نہیں ہوتا تب تک وہ مقامِ الٰہی نہیں بن سکتا۔دل کا نفاق،غروراور حسد وکینہ سے پاک ہونا ضروری ہے۔کشف المحجوب میں حضرت حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ واقعہ درج ہے۔

"لوگوں نے پوچھا رضائے الٰہی کس میں ہے؟ آپ نے فرمایا، ایسے دل میں جہاں نفاق کا غبار نہ ہو۔" (ص ۱۴۱)

اس پر صاحب کشف المحجوب تبصرہ فرماتے ہیں:

"کیونکہ نفاق، وفاق کے خلاف ہے اور رضا عین وفاق ہے اور یہ کہ محبت کو نفاق سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے اور نہ وہ محل رضا ہے اور دشمنانِ خدا کی صفت نفاق ہے۔" (ایضاً)

تصوف کے پاکیزہ افکار نے انسانی زندگی پر گہرا اثر ڈالا ہے اور اخلاقیات نیز قلب وروح کی اصلاح کے لیے جس تحریک نے سب سے بڑا کام کیا ہے وہ تصوف کی یہی تحریک ہے۔حبیب عجمی اور داتا گنج بخش کے جو خیالات تزکیہ قلب کے لیے ہیں اسی قسم کے خیالات دیگر صوفیہ کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش اور دیگر اہل سلوک صدق روی اور حق شناسی پر زور دیتے ہیں۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مشکل حالات میں بھی سچائی کا دامن ہاتھ سے جانے دیا جائے۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے لڑکپن کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ کی حق گوئی کی برکت سے ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے راہ ہدایت پائی۔ایسا ہی ایک واقعہ داتا صاحب نے بھی درج کیا ہے:

Marfat.com

''مشائخ طریقت میں یہ بات مشہور ہے کہ جب حضرت حسن بصری حجاج کے ظلم سے بھاگ کر حضرت حبیب عجمی کی خانقاہ میں تشریف لائے اور حجاج کے سپاہی تعاقب کرتے ہوئے اندر گھس آئے تو سپاہیوں نے پوچھا، اے حبیب! تم نے حسن بصری کو کہیں دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! سپاہیوں نے پوچھا کس جگہ ہے؟ فرمایا میرے حجرے میں ہے۔ وہ آپ کے حجرے میں گھس گئے لیکن وہاں کسی کو نہ پایا۔ سپاہیوں نے سمجھا کہ حبیب عجمی نے مذاق کیا ہے۔ اس پر انھوں نے درشت کلامی کے ساتھ پوچھا، سچ بتاؤ وہ کہاں ہے؟ انھوں نے قسم کھا کر فرمایا میں سچ کہتا ہوں وہ میرے حجرے میں ہیں۔ سپاہی دو تین بار اندر گئے، آئے مگر وہ حسن بصری کو نہ دیکھ سکے۔ بالآخر وہ چلے گئے۔ جب حسن بصری حجرے سے باہر تشریف لائے تو فرمایا اے حبیب میں سمجھ گیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کی برکت سے ان ظالموں کے پنجہ سے محفوظ رکھا لیکن اس کی وجہ بتائیے کہ آپ نے یہ کیوں کہا کہ وہ اس حجرے میں ہیں۔

حضرت حبیب عجمی نے جواب دیا اے مرشد برحق! اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری برکت کی وجہ سے نہیں بلکہ سچ بولنے کے سبب مخفی رکھا۔ اگر جھوٹ کہتا تو اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو رسوا کرتا۔'' (ایضاً)

کشف المحجوب میں اس طرح کی کرامتیں اور اخلاقی واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ کرامتیں تو تصوف کا حصہ بھی ہیں۔ راہ سلوک پر چلنے والوں کے لیے کرامتیں لازم بھی ہیں اور ایک مقام سالک کے سامنے ایسا آتا ہے جب وہ صاحب کرامت ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

عرفانی اقوال:

حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے کشف المحجوب میں ارباب تصوف کے حالات زندگی، واقعات و کرامات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ انھوں نے بزرگوں کے عارفانہ اقوال بھی متعدد جگہوں پر نقل کئے ہیں جو انتہائی سبق آموز اور قابل عبرت ہیں۔ ان اقوال کو اگر زندگی میں اپنالیا جائے تو صالح زندگی گذاری جاسکتی ہے اور آخرت کے خسارے سے بھی محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ایسے ہی کچھ صوفیانہ اقوال درج ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"میرے نزدیک پسندیدہ عمل یہ ہے کہ عمل میں اخلاص ہو۔"

(ص ۱۴۲)

یعنی کوئی بھی کام کیا جائے، خلوص کے ساتھ کیا جائے۔ خلوص کے بغیر عمل ویسے ہی ہے جیسے روح کے بغیر جسم۔ انسان ایک لمبی مدت تک عمل کرتا رہے مگر اخلاص شامل نہ ہو تو بے کار ہے۔ اجر وثواب کا مستحق وہ تب ہوگا جب خلوص نیت بھی شامل ہو جائے کیونکہ عمل کے اجر وثواب کی بنیاد نیت پر ہے۔

حبیب بن اسلم راعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

"اپنے دل کو حرص کی کوٹھری اور اپنے پیٹ کو حرام کی گٹھری نہ بنا۔"

(ص ۱۴۴)

حریص اور لالچی شخص کو دنیا میں بار بار برباد ہوتے دیکھا گیا ہے۔ اسی طرح مال حرام کھانے والے کی آخرت تباہ ہو جاتی ہے۔ دنیا میں عیش وعشرت میں وہ ضرور رہتا ہے مگر آخرت دار الجزاء ہے وہاں دنیا کے ہر عمل کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

Marfat.com

''میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جس میں اللہ کا جلوہ نہ نظر آیا ہو۔''

(ص ۱۴۵)

فارسی کا شعر ہے:

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک می گوید

یعنی زمین سے نکلنے والی گھاس بھی خدائے وحدہٗ لاشریک کا پتہ دیتی ہے۔ ارباب تصوف اور اہل نظر کائنات کے ذرے ذرے میں قدرتِ خداوندی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ مشاہدۂ حق کے لیے انھیں کسی خاص مقام، وقت اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اہل نظر مخلوق میں خالق کا جلوہ دیکھتے ہیں۔

حضرت داوٗد طائی نے حصولِ علم سے فراغت کے بعد حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ اب کیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا:

''اب عمل کرو، کیونکہ علم بغیر عمل کے ویسا ہے جیسے جسم بغیر روح کے۔''

(ص ۱۵۰)

حصول علم کا مقصد ہی اس پر عمل ہے۔ اگر عمل نہ کیا جائے تو علم ایک بے مقصد شئے بن کر رہ جائے۔ بقول سعدی شیرازی:

نہ محقق بود، نہ دانشمند
چارپائے بر وکتابے چند

حضرت ذوالنون مصری رحمتہ علیہ نے فرمایا:

''سچائی خدا کی سرزمین میں تلوار کی طرح ہے۔ یہ جس چیز پر پڑتی ہے اسے کاٹ دیتی ہے۔''
(ص ۱۵۸)

حقیقت لاکھ پردوں میں بھی آشکار ہو جاتی ہے۔ اسے چھپانے کی ہر کوشش

Marfat.com

بے کار ہو جاتی ہے۔ ایک نہ ایک دن سچائی سامنے آجاتی ہے۔

بشر بن حافی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں عزت والا اور آخرت میں شرافت والا ہو اسے چاہئے کہ تین باتوں سے اجتناب کرے۔ ایک یہ کہ کسی سے اپنی ضرورت بیان نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی کو برا نہ کہے۔ تیسرے یہ کہ کسی کے کھانے کی دعوت قبول نہ کرے۔'' (ص ۱۶۴)

اللہ ہی انسانی ضرورتوں کی تکمیل کرنے والا ہے۔ لہٰذا بندے کو چاہئے کہ وہ دوسرے بندوں کے سامنے اپنی ضرورتیں بیان کرنے کے بجائے خالق و مالک کے سامنے دست دعا دراز کرے اور اسی سے احتیاج رکھے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اہل محبت کے نزدیک جنت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، وہ تو اپنی محبت میں ہی ڈوبے رہتے ہیں۔'' (ص ۱۶۶)

جنت اللہ کے نعمتوں کا مقام ہے۔ ہر انسان کی تمنا ہوتی ہے کہ اس عیش و عشرت کے گھر میں مرنے کے بعد جائے، مگر جو اللہ سے حقیقی محبت رکھتے ہیں انھیں جنت سے نہیں خالق جنت سے لگاؤ ہوتا ہے۔ جسے خالق جنت مل جائے وہ جنت کی آرزو کیوں کرے۔ اس کی بس ایک تمنا ہوتی ہے:

جنت میں بھیج یا مجھے دوزخ میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے پر مری حسرت نکال دے

حضرت حارث محاسبی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

''دل کی حرکتوں کا علم محل غیب میں اس عمل سے زیادہ اشرف ہے جو اعضاء کی حرکتوں سے حاصل کیا جائے۔'' (ص ۱۶۷)

علم انسان کو درجہ کمال تک پہنچاتا ہے جب کہ جہالت اسے آگے بڑھنے سے

Marfat.com

منع کرتی ہے۔علم عمل سے افضل ہے مگر علم ہو تو اس پر عمل بھی کرنا چاہئے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو دنیا کو چھوڑ دو اور اگر بزرگی چاہتے ہو تو آخرت کے انعام واکرام کی خواہشوں کو ذبح کر ڈالو۔'' (ص۱۶۹)

جس انسان نے دنیا کے حرص کو اپنے دل میں جگہ دی وہ سلامت نہیں رہا۔لہٰذا اگر چین وسکون کی تمنا ہے تو دنیاوی خواہشات سے اجتناب کرو۔اور اگر دنیا میں جاہ و مرتبہ چاہئے تو پھر آخرت کی نعمتوں کی آرزو چھوڑ دو۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اللہ والوں کی تین نشانیاں ہیں، ایفاء عہد کرنا، بغیر لالچ کے تعریف کرنا اور بغیر مانگے جودوعطا کرنا۔'' (ص۱۷۵)

بندہ اپنے عہد کی پابندی کرے، خاص طور پر احکام شریعت کی پابندی کیونکہ احکامِ خداوندی کی پابندی کا عہد اس نے روز ازل میں کیا تھا۔کسی کی تعریف کرتے ہوئے اس سے کچھ حاصل کرنے کا خیال دل میں نہ ہو اور جب دولت ہو تو اللہ کے راستے میں خرچ کرے۔کسی کے مانگنے کا انتظار نہ کرے۔

حضرت حاتم بن اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''نفسانی خواہشات تین قسم کی ہیں، ایک شہوت کھانے کی ہے، دوسری شہوت گفتگو کی ہے، تیسری شہوت دیکھنے کی ہے۔لہٰذا ان کی حفاظت اس طرح کرو کہ اپنے رزق کے لیے خدا پر بھروسہ کرو۔زبان سے سچ بولو اور آنکھ سے عبرت حاصل کرو۔'' (ص۱۷۶)

جس نے خوراک میں اللہ پر بھروسہ کیا اس نے لذتِ طعام کی شہوت سے خود کو بچا لیا اور جس نے زبان کو سچائی کا عادی بنا لیا اس نے زبان کو گفتگو کی شہوت سے بچا لیا۔اسی طرح آنکھ کو بری چیزیں دیکھنے سے روک کر بندہ خود کو ان برائیوں سے دور

Marfat.com

رکھ سکتا ہے جن کا تعلق دیکھنے سے ہے۔

حضرت احمد بن ابی الجوارحی رحمتہ اللہ نے فرمایا:

''یہ دنیا گندگی کا ڈھیر اور کتوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ وہ شخص کتے سے بھی بدتر ہے جو اس پر جم کر بیٹھ جائے کیونکہ کتا اس ڈھیر سے حاجت پوری کر کے چلا جاتا ہے لیکن دنیا سے محبت کرنے والا اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا اور نہ کسی حالت میں اسے چھوڑتا ہے۔''

(ص ۱۸۰)

دنیا پرست ایک ذلیل جانور سے بڑھ کر ذلیل ہے کیونکہ وہ دنیا کی چاہت کو خود سے کبھی الگ کرنا نہیں چاہتا۔ وہ سدا کے لیے دنیا دار ہو کر رہ جاتا ہے۔ ارباب تصوف دنیا کی جاہ وحشمت اور مال و دولت سے دور ہو کر فقر و درویشی اختیار کرتے ہیں اور اسے اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ اسی لیے حضرت احمد بن خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اپنے فقر کی عزت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھو۔'' (ص ۱۸۴)

دنیادار کے لیے دولت باعث عزت ہے لہٰذا وہ اس کی حفاظت کرتا ہے، چھپا کر رکھتا ہے مگر ایک صوفی کے لیے فقر ہیرے جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسے پوشیدہ رکھنا چاہیے اور اسی میں صبر و شکر کے ساتھ رہنا چاہیے۔ حضرت عسکر بن حسین نخشبی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''درویش کی غذا وہی ہے جو اسے مل جائے اور اس کا پہناوا وہی ہے جس سے ستر پوشی ہو جائے اور اس کا مکان وہی ہے جہاں ٹھہر جائے۔'' (ص ۱۸۵)

روٹی، کپڑا اور مکان انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ ان کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں مگر اربابِ سلوک ان کو بھی کم سے کم کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کے

Marfat.com

مطابق ان بنیادی ضرورتوں کو اگر بڑھا دیا جائے تو یہ عیش کوشی کے زمرے میں آجائیں۔ لہٰذا ان میں مشغول ہونے کے بجائے جو میسر ہو اس پر گزارا کر لیا جائے۔ عیش کوشی اور حرص و ہوس تصوف کے مزاج کے خلاف ہیں اور سکونِ قلب کے خلاف بھی، اسی لیے حضرت ابو عبداللہ بن خفیف علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے:

> ''جو شخص اپنی زندگی کو سکونِ قلب کے ساتھ گزارنا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دل میں طمع کو جگہ نہ دے۔'' (ص ۱۹۴)

دنیا کی لالچ زندگی سے چین و سکون کو ختم کر دیتی ہے۔ لہٰذا جو میسر ہو اس پر گزارا کر لینا سکونِ قلب کے لیے ضروری ہے۔ ہل من مزید کی خواہش انسان کو بے سکونی کے سوا کچھ نہیں دے سکتی۔

داتا صاحب وہی خیالات پیش کرتے ہیں جو عام طور پر صوفیہ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ آپ کے خیالات کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے مگر ان کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ برصغیر میں ابتدائی عہد کے آپ صوفی ہیں اور بعد میں آپ کے افکار و نظریات کا دوسرے صوفیہ پر اثر پڑا۔

☆☆☆

Marfat.com

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ۔

''ندیوں میں بہتا پانی شور کرتا ہے جب سمندر میں جا گرتا ہے تو آواز بند ہو جاتی ہے اسی طرح جب عاشق کو وصال نصیب ہو جاتا ہے تو وہ فریاد نہیں کرتا۔''

(دلیل العارفین، مجلس ۹)

Marfat.com

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ نے علم کو جس بلندی تک پہنچایا اور جو علمی ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا اس کی مثال مشکل ہے۔ آپ نے اپنی مختصر زندگی میں جو کچھ لکھ دیا ہے، دوسروں کے لیے پوری زندگی میں اسے پڑھنا اور سمجھنا بھی بڑا کارنامہ ہوگا۔ جہاں ایک طرف آپ میں حصول علم اور اشاعت علم کا جذبہ تھا وہیں دوسری طرف اتباع سنت اور احیاء دین کا جذبہ بھی موجود تھا۔ امام غزالی نے اگر شریعت میں کاملیت کے مقام کو پایا تو طریقت میں اکملیت کی منزل تک پہنچے۔

Marfat.com

ولادت ووطن:

امام غزالی کا نام محمد بن محمد بن محمد تھا اور کنیت ابو حامد تھی۔ خاندان میں اون کے سوت کاتنے کا رواج تھا اور اسے فروخت کر کے روزگار حاصل کیا جاتا تھا۔ اسی مناسبت سے غزالی کہا جانے لگا۔ آپ کی ولادت باسعادت ملک خراسان کے علاقے طاہران میں ہوئی۔ یہ ۴۵۰ھ بمطابق ۱۰۵۲ء کا واقعہ ہے۔

امام محمد غزالی کے والد محمد بن محمد خود زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے مگر علم دوست تھے اور علماء ومشائخ کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ اس کے لیے انھوں نے کچھ رقم پس انداز کی تھی۔ اگر چہ والد کا انتقال آپ کے بچپن میں ہی ہو گیا مگر ان کا چھوڑا ہوا اثاثہ آپ کے بہت کام آیا اور اسی سے علم حاصل کرنے میں مدد ملی۔

تحصیل علم:

عہد وسطیٰ میں تعلیمی نظام آج سے بالکل مختلف تھا۔ عہد حاضر کی طرح اسکول ومدارس اور کالج وجامعات نہیں تھے۔ عموماً اساتذہ مسجدوں اور خانقاہوں میں درس دیا کرتے تھے جہاں طلبا جمع ہو کر تحصیل علم کرتے۔ امام غزالی نے علم حاصل کرنے کے لیے کئی سفر کیے مگر اس کی ابتدا اپنے ہی وطن سے ہوئی۔ طاہران میں ایک لائق وفائق عالم، احمد بن محمد رازکانی تھے جنہوں نے امام غزالی کو ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد جرجان چلے گئے جہاں امام ابونصر اسماعیل سے پڑھتے رہے۔ پھر نیشاپور جا کر مشہور عالم، امام الحرمین عبدالملک ضیاء الدین سے تحصیل علم کیا۔ یہ اپنے عہد کے نامور اور معتبر عالم تھے۔ امام الحرمین سے استفادہ کے بعد امام غزالی کو شہرت حاصل ہو گئی اور آپ بڑے بڑے علمی معرکے سر کرنے

Marfat.com

لگے۔ یہ بحث و مباحثہ اور مناظرے کا دور تھا۔ عام محفلوں سے لے کر شاہی درباروں تک مناظرے ہوتے تھے۔ مسلمان بھی مختلف مسلکی اور اعتقادی فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور ہر طبقے کا پسندیدہ مشغلہ مباحثہ ومناظرہ تھا۔ امام محمد غزالی بھی ان جلسوں میں مناظر کی حیثیت سے شامل ہوتے تھے۔ اور آپ کو شہرت بھی ایسے ہی ایک مناظرے سے حاصل ہوئی جو شاہی دربار میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر بڑے بڑے علماء موجود تھے مگر فتح کا سہرا آپ کے سر بندھا اور علماء نے آپ کے علمی مقام کو تسلیم کرلیا۔

امام غزالی کے عہد طالب علمی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار آپ سفر کر رہے تھے۔ اچانک ڈاکوؤں نے حملہ کر کے قافلے کو لوٹ لیا۔ جن اسباب کو لٹیروں نے لوٹا ان میں آپ کے علمی نوٹس بھی تھے۔ آپ دوران سبق کچھ خاص تقریروں کو نوٹ کرلیا کرتے تھے تاکہ مستقبل میں ان سے استفادہ کیا جاسکے۔ آپ لٹیروں کے سردار کے پاس گئے اور اپنے اس نوٹ کو واپس مانگا۔ سردار نے یہ کہتے ہوئے نوٹس واپس کر دیئے کہ ''پھر تم نے خاک پڑھا۔'' اس واقعے کا آپ کے قلب پر زبردست اثر پڑا۔ اس کے بعد آپ نے جو کچھ بھی پڑھا اسے ذہن میں محفوظ رکھا اور اس نوٹ کو بھی یاد کرلیا۔

امام غزالی علیہ الرحمہ کی علمی سربلندی کا شہرہ ہر طرف تھا مگر آپ کی علمی پیاس باقی تھی اور جب، جس کسی اہل علم سے استفادہ کا موقع ملتا، علم حاصل کرتے۔ آپ نے علم حدیث کی تکمیل علامہ اسماعیل حفصی اور حافظ عمر بن ابی الحسن روسانی کے پاس کی۔ یہ دونوں بزرگ اپنے عہد کے نامور اساتذہ حدیث تھے اور علم حدیث میں ان کے نام کو سند کا درجہ حاصل تھا۔ ان بزرگوں سے آپ نے صحیح بخاری وصحیح مسلم پڑھی۔

Marfat.com

تدریس:

امام غزالی ابھی بالکل جوان تھے، جب آپ کو نیشا پور میں امام الحرمین کے خطاب سے نوازا گیا اسی کے ساتھ تدریس کا منصب بھی آپ کو سونپا گیا۔ یہاں کی مسند نشینی بڑی بات تھی۔ اس منصب پر بڑے بڑے علماء کام کر چکے تھے۔ اس مسند پر فائز ہونے کا مطلب تھا کہ پورے ملک کی قبولیت آپ کو حاصل ہو گئی تھی۔ اس دور کے جید علماء، سلطانِ وقت اور اراکین سلطنت آپ کے علمی مقام و مرتبے کو تسلیم کرنے لگے تھے۔ سبھی آپ کے تبحر علمی کو مانتے تھے اور اپنے دینی، علمی اور دنیاوی معاملات میں مشورے کرتے تھے۔ دور دور سے تشنگانِ علم آپ کی خدمت میں آتے اور علم حاصل کر کے جاتے۔ آپ کے سبب نیشا پور کو علمی مرکزیت حاصل ہو گئی تھی۔ درس و تدریس کے علاوہ امام غزالی حکومت کے کاموں میں بھی مشورے دیتے تھے۔ حکومت کی طرف سے آپ کی دلجوئی کی جاتی تھی تا کہ آپ نیشا پور چھوڑ کر کسی دوسرے شہر نہ چلے جائیں۔

مدرسہ نظامیہ میں:

مدرسہ نظامیہ، بغداد کا معروف علمی ادارہ تھا۔ یہاں بڑے بڑے علماء تدریس کی خدمات انجام دے چکے تھے اور بیک وقت ہزاروں طلبا یہاں تحصیل علم میں مصروف رہتے تھے۔ اسے وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے قائم کیا تھا اور حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس کی شہرت پورے عالم اسلام میں تھی اور دور دراز علاقوں سے طلبا علم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ نظام الملک کی استدعا پر ۴۸۴ھ میں امام غزالی نے اس کی مسند نشینی قبول کر لی اور ۴۴۸ھ تک اس عہدے پر فائز رہ کر درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔

Marfat.com

بغداد میں سیاسی حالات تبدیل ہو رہے تھے اور حکومت عباسیہ کمزور ہو رہی تھی۔ عوام مختلف مسلکی گروہوں میں منقسم تھے۔ شیعہ، سنی، باطنی، ظاہری، معتزلی، فلسفی، عیسائی اور مجوسی آپس میں برسرِ پیکار رہتے۔ بے جا مجادلوں اور مناظروں کا بازار گرم تھا۔ ہر محفل اسی قسم کے مباحثوں سے گرم رہتی۔ گلی کوچوں اور چوک چوراہوں پر مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے جن میں عوام کا جم غفیر جمع رہتا۔ اس ماحول نے امام غزالی کے دل کو اچاٹ کر دیا اور آخر کار آپ نے بغداد کو الوداع کہہ دیا۔

سفرِ حج:

مدرسہ نظامیہ سے رخصت ہو کر آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ سفر گویا ذہنی اور روحانی سکون کے لیے تھا۔ ایک مدت مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں آپ نے گزاری اور پھر وہاں سے دمشق ہوتے ہوئے بیت المقدس آئے۔ قبلہ اول کی زیارت کر کے اسکندریہ گئے اور لوٹتے ہوئے دوبارہ دمشق میں وارد ہوئے۔ یہاں ایک مدت قیام کر کے طوس چلے آئے اور یہیں مستقل قیام رہا۔ اس سفر کے دوران احیاء العلوم، جواہر القرآن، یاقوت التاویل اور مشکوٰۃ الانوار وغیرہ کتب تصنیف فرمائیں۔

طوس میں قیام:

حضرت امام غزالی طوس میں تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے مگر جب یکسانیت سے دل اچاٹ ہو گیا تو پھر نیشاپور جا کر درس و تدریس کا کام کرنے لگے۔ جب دوبارہ طبیعت گھبرائی تو پھر طوس چلے آئے۔ یہاں ایک خانقاہ اور مدرسے کی بنیاد ڈال کر خدمت انسانیت میں مصروف ہو گئے۔

Marfat.com

تصنیفات:

امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کل ۵۴ سال زندہ رہے۔ اس مختصر مدت کا آدھا حصہ تو تحصیل علم میں گزرا۔ باقی میں آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا کام کیا۔ ہزاروں تشنگانِ علم آپ کے در سے سیراب ہوئے اور کئی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں جو آج بھی مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تمام تالیفات آج دستیاب نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے نام ملتے ہیں۔ مگر جو دستیاب ہیں ان کی تعداد ۷۸ تک پہنچتی ہے۔ یہ کتابیں مختلف علوم وفنون کی ہیں اور بعض تو بے حد ضخیم ہیں۔ احیاء العلوم چار جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں ہزاروں صفحات ہیں۔ یہ عربی زبان میں تھی جس کی تلخیص فارسی میں کیمیائے سعادت کے نام سے آپ نے خود کی ہے۔ اسی طرح آپ کی تحریر کردہ تفسیر قرآن یا قوت التاویل بھی چالیس جلدوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

علم الاخلاق وتصوف:

احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، المقصد الاقصیٰ، اخلاق الابرار، جواہر القرآن، جواہر القدس فی قضیۃ النفس، مشکوٰۃ الانوار، معراج العابدین، معراج السالکین، فصیحۃ المملوک، ایہا الولد، ہدایت الہدایہ وغیرہ۔

فقہ:

تعلیقہ فی فروع المذہب، بیان القولین، وجیز، وسیط، بسیط، خلاصۃ الرسائل، اختصار المختصر، غایت الغور، مجموعہ فتاویٰ وغیرہ۔

Marfat.com

اصول فقہ:

تحسین الماخذ، مفصل الخلاف فی اصول القیاس، ماخذ فی الخلافیات، شفاء العلل۔

منطق:

معیار القلم، محک النظر، میزان العمل۔

فلسفہ:

مقاصد الفلاسفہ۔

علم کلام:

تہافتہ الفلاسفہ، منقذ، الجام العوام، اقتصاد، مستظہری، فضائح الاباحت، حقیقت الروح، الرسالتہ القدسیہ، تفرقہ بین الاسلام والزندقہ، مواہب الباطنیہ، القول الجمیل فی ردعلیٰ من غیر الانجیل، قسطاس المستقیم۔

یہ ان کتابوں کے نام ہیں جو آج بھی دستیاب ہیں یا ان کے حوالے دوسری کتابوں میں ملتے ہیں۔ بعض کتابوں کے مخطوطے مغربی ممالک کے کتب خانوں میں موجود ہیں مگر یہ کتابیں کہیں دستیاب نہیں ہیں۔ امام غزالی کی نہ جانے کتنی تصنیفات دستبرد زمانہ سے محفوظ نہیں رہ پائیں اور آج کوئی ان کا نام بھی نہیں جانتا۔ مجموعی طور پر جو تصنیفی کام آپ نے مختصر مدت میں کیا وہ حیرت انگیز ہے۔

شاعری:

امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے عہد میں شعر وسخن کا چرچا تھا۔ آپ کو بھی شاعری

Marfat.com

سے شغف تھا مگر کبھی آپ نے بادشاہوں، امیروں اور وزیروں کی شان میں قصیدے نہیں کہے۔ حالانکہ یہ قصیدے اس عہد میں مالی منفعت کا پہلو بھی رکھتے تھے اور نامی شعراء کی معاش کا ذریعہ ہوتے تھے مگر آپ نے کبھی اس جانب توجہ نہیں دی۔ آپ مزاج سے ایسے نہیں تھے کہ کسی کی بے جا تعریف کریں یا مالی فائدے کے لیے حکمرانوں کی خوشامد کریں۔

امام غزالی کی شاعری میں حقیقت و معرفت کا رنگ نظر آتا ہے جو عموماً علما اور صوفیہ کی شاعری کا خاصہ ہے۔ آپ کی شاعری صرف رباعیات تک محدود ہے اور جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں بس چار مصرعوں میں ادا کرتے ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ۔

باجامہ نمازے بسر خم کر دیم — وز آب خرابات تیمّم کردیم
شاید کہ دریں میکدہ ہا دریا بیم — آں یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

اس رباعی میں تصوف کا رنگ واضح ہے۔ یہ وہی رنگ ہے جو دیگر صوفی شعراء کے کلام میں نظر آتا ہے۔

تصوف سے لگاؤ:

امام محمد غزالی بنیادی طور پر ایک عالم تھے مگر ابتدا میں حصول علم کے مقصد میں خلوص نہیں تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ’’ہم نے پیٹ کی خاطر علم پڑھا مگر بعد میں اسے اللہ کے لیے مخصوص کر دیا۔‘‘ اسی طرح بعض سوانح نگاروں کے مطابق آپ ابتدا میں ریشم اور سونے کا استعمال کرتے تھے مگر بعد میں ترک کر دیا۔ گویا ابتدا میں کچھ جاہ پسند تھے مگر رفتہ رفتہ مزاج میں بدلاؤ آتا گیا اور علم کے ساتھ ساتھ فقر و درویشی کا غلبہ ہونے لگا اور ایک وقت ایسا آیا جب سب کچھ چھوڑ کر خلوت گزیں ہو گئے۔ تصوف کا رنگ غالب آگیا اور دنیا سے بے نیاز رہنے لگے۔

Marfat.com

امام غزالی کی تصوف کی طرف مکمل توجہ آخری عمر میں ہوئی مگر آپ کی تصنیفات میں تصوف کا عنصر نظر آتا ہے گویا آپ کی فکر پر صوفیانہ رنگ پہلے بھی نمایاں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اخیر عمر میں آپ نے سب کچھ چھوڑ کر خود کو پوری طرح تصوف کے لیے وقف کر دیا تھا۔ آپ کی تحریروں میں عام طور پر شریعت و طریقت کے درمیان توازن نظر آتا ہے۔ آپ نے ستائیس سال کی عمر میں شیخ ابوعلی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کیا تھا۔ اس کے بعد دمشق میں شیخ نصر مقدی علیہ الرحمہ کی روحانی تربیت میں کچھ وقت گزارا۔ ان بزرگوں کی روحانی تربیت کا اثر ہمیشہ آپ پر رہا اور اسی کے تحت عمر کے ایک پڑاؤ پر پہنچ کر آپ نے دنیاداری ترک کر دی۔

بعض روایتوں کے مطابق ایک مرتبہ آپ امراء، علماء اور مشائخ کے درمیان بیٹھے کچھ علمی گفتگو کر رہے تھے کہ آپ کے بھائی احمد غزالی آئے اور مخاطب ہو کر عربی کے دو شعر پڑھے جن کا مطلب تھا کہ تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو اور خود ہدایت پر عمل نہیں کرتے۔ دوسروں کو نصیحت کرتے ہو خود نصیحت پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ اے سنگ فساں آخر کب تک لوہے کو تیز کرتے رہو گے اور خود نہیں کاٹو گے۔ اس واقعے کا آپ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وعظ و نصیحت سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے باطن کی اصلاح میں مصروف ہو گئے۔ پوری زندگی دنیا سے بے نیاز ہو کر عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر میں گذار دی۔

امام غزالی نے جب درویشانہ زندگی کو اپنا لیا تو فتویٰ نویسی اور دیگر مصروفیات کو ترک کر دیا۔ وہ اپنی پرانی زندگی کو جاہلانہ زندگی کہتے تھے اور فقر و درویشی میں خوش تھے۔ درس و تدریس، بحث و مباحثہ، مجادلہ و مناظرہ جو آپ کی

Marfat.com

زندگی کے معمولات کا حصہ ہوا کرتے تھے، اب آپ کو بالکل پسند نہیں تھے۔ کسی نے اُسی دور میں آپ سے فتویٰ کی درخواست کی تو آپ نے منع فرما دیا اور کہا ''مجھ سے دور ہو، ایام بطالہ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ جس زمانے میں فتویٰ نویسی کیا کرتا تھا اگر اس زمانے میں یہ سوال کرتا تو جواب دیتا۔'' گویا اب وہ روحانیت کے درجہ کمال پر تھے جہاں درس و تدریس، مناظرہ و مباحثہ، استدلال وفتویٰ نویسی کو ویرانی کے دور کا حصہ قرار دیتے تھے۔ اب آپ کے مزاج میں غیر معمولی انقلاب آچکا تھا۔ مذہب کے نام پر نمائشی ہنگامہ آرائیاں پسند نہیں آتی تھیں۔ علمی مذاکرے میں جن باتوں کو استدلال کے ذریعے ثابت کیا جاتا تھا روحانیت میں اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہاں سب کچھ مشاہدے میں آجاتا ہے۔ جو چیزیں نگاہوں میں پوشیدہ ہوں انھیں ثابت کرنے کے لیے دلائل و براہین کی ضرورت ہے مگر جو نگاہوں کے سامنے عیاں ہوں ان کے لیے کسی دلیل وثبوت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چمکتے سورج اور روز روشن کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ان کا وجود ہی ان کے ہونے کی دلیل ہے۔ روحانیت میں بھی یہی معاملہ ہے کہ سالک تمام غیوب کا مشاہدہ کر لیتا ہے لہٰذا انھیں ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔

امام غزالی نے جب تصوف کی راہ اپنائی تو پر تکلف لباس کی جگہ خرقہ زیب تن کرلیا۔ اکثر ایک کمبل سے جسم کو ڈھکا کرتے تھے۔ تمام عیش وآرام اور لذیذ کھانوں کو چھوڑ کر صحرا کی طرف چل پڑے۔ پراگندہ حال، پریشان زلف، پیوند لگے ہوئے کپڑے میں ملبوس بیابان کی خاک چھانتے نظر آتے۔ کسی نے اس حالت میں دیکھ کر دریافت کیا کہ آپ کی یہ حالت اچھی ہے یا وہ اچھی تھی جب آپ سینکڑوں طلباء کو درس دیتے تھے اور شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ نے جواب میں عربی کے دو شعر

Marfat.com

پڑھے جن کا مفہوم ہے کہ "میں نے لیلیٰ وسعدیٰ کی چاہت کو پیچھے چھوڑ دیا۔اب محبوبِ حقیقی کی محبت میں رواں دواں ہوں۔"

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
الجھے ہوئے ہیں لذت دردِ نہاں سے ہم

امام غزالی اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں راہ سلوک کی خوبیوں کو یوں بتاتے ہیں:

"جب میں ان علوم سے فارغ ہو کر صوفیاء کے راستے کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم وعمل سے حاصل ہوتا ہے اور ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کو کاٹنا، اخلاق رزیلہ اور صفاتِ خبیثہ سے پاک وصاف ہونا ہے تاکہ اس کے ذریعے اپنے قلب کو غیر اللہ کی آلودگیوں سے پاک وصاف کر لیا جائے اور ذکر الٰہی کے نور سے اس کو منور کر لیا جائے۔"

آفتاب علم غروب ہو گیا:

۱۴ر جمادی الثانی ۵۰۵ھ کو طلوعِ آفتاب کے بعد امام غزالی نے وضو فرمایا تو سامنے ملک الموت نظر آیا۔آپ نے خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ میں اپنے محبوب سے ملاقات کا مشتاق ہوں۔کفن اوڑھ کر لیٹ گئے۔لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور روح پرواز کر گئی۔جس کلمے کی اشاعت میں آپ کی عمر بسر ہوئی تھی وہی کلمہ آخری وقت میں آپ کی زبان پر تھا۔

مزہ جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح وخضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

Marfat.com

طاہران کی جس مٹی سے آپ کا خمیر اٹھا تھا اسی مٹی میں آخری آرامگاہ بنی۔
طلوع آفتاب کے وقت ہی یہ آفتاب علم غروب ہوا۔ مادۂ تاریخ ولادت ''محبت''
(۴۵۰ھ) ہے جب کہ مادۂ تاریخ وفات ''محبّ مجتبیٰ'' (۵۰۵ھ) ہے۔

خوشبو بکھر گئی، لب و رخسار کھو گئے
ویراں دل و نظر ہیں طرحدار کھو گئے

☆☆☆

(اوپر کے مضمون کی جانکاریاں احیاء العلوم، مکاشفۃ القلوب، خطبات غزالی، رسائل امام غزالی اور ان کتابوں کے دیباچوں سے ماخوذ ہیں۔)

Marfat.com

عکس خیال

امام محمد غزالی علیہ الرحمہ کے افکار و نظریات ان کی تحریر کردہ کتابوں میں پوری وضاحت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ وہ جس طرح شریعت کے مسائل کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح طریقت کے مسائل کو بھی قاری کے ذہن میں اتارنے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ جس طرح مسائل علم کلام کی گتھیاں سلجھاتے ہیں اسی طرح فلسفہ و منطق کے رموز بھی کھولتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں جس طرح تخلیق کائنات کی حکمتوں کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح فقہی مسائل کی تشریح بھی ہے۔ انھوں نے مشکل علمی مسائل کو آسانی کے ساتھ حل کیا ہے۔

Marfat.com

تخلیق کی حکمت:

کائنات ارضی وسماوی اور انسانوں و جانداروں کی تخلیق کے راز میں غور وفکر علماء وصوفیہ دونوں طبقوں کا مشغلہ رہا ہے۔ علماء اگر علم کے ذریعے ان رموز کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو صوفیہ روحانیت سے اس منزل کو طے کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ پر خدا کی ان حکمتوں کو سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے۔ امام محمد غزالی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"جب تم اس پر غور کروگے تو ایسا معلوم ہوگا کہ یہ تمام جہاں ایک مکان ہے جس میں ہماری جملہ ضروریات کی اشیاء موجود ہیں۔ آسمان کی نیلگوں چھت ہے اور زمین ہمارے لیے بستر ہے۔ یہ سیارے آسمان میں روشنی کے لیے بجلی کے قمقموں کے قائم مقام ہیں۔ جواہرات زمین کے تہہ خانوں میں اس طرح محفوظ ہیں جیسے قیمتی ذخیروں کو جمع کردیا گیا ہے اور ہر ایک چیز اپنے اپنے خزینہ سے اپنے مقصد کی تکمیل میں کارفرما ہے۔ اس مکان کا مالک انسان ہے اور اس مکان کی جملہ اشیا مالک مکان کی ضروریات کے لیے مہیا کی گئی ہیں۔ نباتات ہوں یا حیوانات، سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ خالق حقیقی نے آسمان کا رنگ ایسا بنایا ہے جو نگاہ کے لیے موزوں ہے اور قوت بخشتا ہے۔ اگر اس رنگ کے خلاف یہ آسمان شعاعوں اور انوار کا مجموعہ ہوتا تو نگاہوں کو خیرہ کردیتا کیونکہ سبز اور نیلگوں رنگ نگاہ کے لیے مناسب اور سازگار ہے۔ انسان، آسمان کی وسعت وفراخی کو دیکھ کر نفس میں کیف سرور حاصل کرتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ستارے اپنی پوری تابانی کے ساتھ نکلے ہوں اور ماہتاب اپنی درخشانی سے تمام جہان کو منور کیے ہوئے ہو۔" الحکمۃ فی مخلوقات اللہ (کائنات میں غور وفکر کا بیان)

Marfat.com

تخلیق کائنات میں فکر ونظر سے آدمی ایمان وایقان کی نئی منزلوں کو پاتا ہے۔ ہر دور میں ارباب عقل اس باب میں غور وفکر کرتے رہے ہیں۔ امام غزالی اسے ایک خاص زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں اور اگر اسی زاویے سے تخلیق کائنات کے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔ کائنات میں ہر چیز حکمت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے اور قرینے کے ساتھ اسے رکھا گیا ہے۔ جو چیز جس حکمت اور ہنرمندی کے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس سے زیادہ حکمت و ہنر کے ساتھ اس کی پیدائش ممکن نہیں تھی۔ اسی طرح جس چیز کو جس قرینے اور سلیقے کے ساتھ خالق نے محفوظ رکھا ہے اس سے زیادہ قرینے سے اسے محفوظ رکھنا ممکن نہیں تھا۔ یہ حکمت ودانائی کی تخلیق اپنے بے حد حکیم خالق کا پتہ دیتی ہے۔ ہر شئے میں موجود سلیقہ اس کی ہنرمندی اور دانشمندی پر شاہد ہے۔ جس چیز کا جو ڈیزائن اور رنگ خالق نے بنایا ہے اس سے بہتر ڈیزائن اور رنگ ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان ہر دن آسمان کو دیکھتا ہے مگر کبھی اسے دیکھنا بور نہیں کرتا۔ نباتات وحیوانات پر ہر روز اس کی نظر جاتی ہے مگر کبھی اسے اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا۔ آخر کیوں؟ انسان اپنی بنائی ہوئی خوبصورت سے خوبصورت چیز کو دیکھ کر بھی جلد ہی اکتا جاتا ہے۔ بڑے بڑے عالیشان محلات، حسین ترین عمارتیں، نقش ونگار سے مزین بلڈنگیں ایک مدت تک ہی دیکھنے والوں کو متاثر کرتی ہیں مگر خدا کی مخلوقات کا حسن ناظرین کے لیے ہمیشہ پرکشش رہتا ہے۔ ان کی سحر طرازی ہمیشہ قائم رہتی ہے کیونکہ ان کی تخلیق میں جو حسن تناسب ہے وہ کسی دوسری جگہ نہیں۔ آسمان کا رنگ نیلا ہے جو انسانی نگاہ کے لیے باعث کشش ہے۔ یہ رنگ اس کے لیے خود خالق سماوات نے منتخب کیا ہے۔ اس سے بہتر اس کے لیے کوئی دوسرا رنگ نہیں ہوسکتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ اسے روزانہ دیکھ کر بھی انسانی نگاہیں اکتاہٹ محسوس نہیں کرتیں بلکہ ایک الگ طرح

Marfat.com

کے سرور کا احساس ہوتا ہے اور یہ ہزاروں سال سے عاشقوں، عارفوں، شاعروں اور انسانوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ دنیا کے ہر موسیقار کی موسیقی چند بار سن کر دل بھر جاتا ہے مگر خدا کی پیدا کردہ چڑیوں کی چہکار، پیڑ، پودوں کی سرسراہٹ، ندیوں اور آبشاروں کی نغمگی روز اول سے انسان سن رہا ہے اور ہر دن الگ لطف کا احساس کرتا ہے۔ الغرض کائنات کے گوشے گوشے میں موجود گوناگوں گلکاریاں دیکھ کر خدا کی عظمت وقدرت کا سکہ دل پر بیٹھ جاتا ہے اور بیساختہ دل پکار اٹھتا ہے کہ ربنا ما خلقت هذا باطلا.

آفتاب کی تخلیق کے راز:

جس طرح آسمان، زمین، حیوانات ونباتات اور فضائی کائنات کی تخلیق میں بے شمار حکمتیں ہیں اسی طرح سورج کی پیدائش میں بھی بہت سی حکمتیں موجود ہیں۔ انسانی عقل، تمام کے احاطے سے قاصر ہے۔ اہل علم ونظر کی عقلوں میں کچھ باتیں ہی آپاتی ہیں۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

> ''آفتاب کی حرکت سے رات اور دن کا قیام ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو دین کے بہت سے کاموں کا نظام درہم برہم ہو جائے اور دنیا کے بھی بہت سے کام خراب ہو جائیں۔ روزگار اور معاش کی طلب وسعی میں بڑی دشواری ہو جائے گی۔ اگر ساری دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتو روشنی سے آنکھیں کیونکر لذت اٹھا سکتی ہیں اور اشیاء کے مختلف رنگ کا امتیاز کیوں کر ممکن ہوگا۔ انسانی جسم کو راحت و آرام کیوں کر نصیب ہوگا بلکہ معدے میں غذا کی ہضم کا نظام بھی بگڑ جائے گا۔ اسی طرح اگر روشنی ہی روشنی ہو اور آفتاب غروب نہ ہو تب بھی بڑی

Marfat.com

دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ رات میں انسان آرام کر کے اپنے دن بھر کے تھکے ماندے جسم کو راحت پہنچا کر دوسرے دن کام کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اگر رات نہ ہو تو ایک طرف کام کرنے کی حرص و آرزو نفس میں بڑھے گی اور دوسری طرف آرام نصیب نہ ہونے سے جسم میں نئی اور تازہ قوت نہ ہوگی۔ وہ کافی عرصہ تک کام کرتے رہنے سے مضمحل اور سست ہو جائے گی۔ اس سے قویٰ میں اضمحلال اور بدن کے انتظام میں اختلال کا پیدا ہو جانا یقینی ہے اور یہ اسباب انسان کی بیماری کے لیے کافی ہیں۔ اسی طرح وہ جانور جو دن بھر کام کر کے رات کو کام چھوڑ کر آرام کرنے کے لیے تھان پر باندھ دیئے جاتے ہیں تاکہ رات بھر آرام کر کے پھر دوسرے دن کام کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ان کا حال بھی زبوں ہو جائے گا۔ ادھر آفتاب غروب نہ ہونے اور متواتر نکلے رہنے سے زمین اتنی گرم ہو جائے گی کہ زمین پر بسنے والے انسان و جانور اس گرمی کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے۔ سورج کا طلوع و غروب دونوں ہی اپنی جگہ پر بڑی مصلحت و حکمت پر مبنی ہے۔" (ایضاً)

آفتاب کی تخلیق اور اس کے طلوع و غروب میں اللہ کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ رات و دن کا آنا جانا، موسم کی تبدیلی، زمین کی حرارت میں توازن، حیوانات کے جسم میں بدلاؤ، نباتات کی افزائش، اشیاء خوردنی کی پیدائش اور کائنات کا تغیر و تبدل سب آفتاب پر ہی منحصر ہے۔ اگر مسلسل سورج طلوع رہے اور آتشیں شعاعیں بکھیرتا رہے تو یہ زمین گرم ہو کر ناقابل رہائش ہو جائے۔ یہاں زندگی مشکل ہو جائے اور نباتات سے یہ زمین محروم ہو جائے۔ کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو جائیں اور یہاں سے حیات کا تصور ہی ختم ہو جائے۔ اسی طرح اگر سورج نہ نکلے تو بھی یہ زمین سرد تر ہونے کے

Marfat.com

سبب نا قابل رہائش ہو جائے، برف جمی رہے، نباتات نہ اگیں، اشیاء خوردنی ختم ہو جائیں اور حیوانات کا وجود مٹ جائے، براعظم انٹارکٹکا اور قطب جنوبی میں آج بھی ایسی جگہیں موجود ہیں جہاں مہینوں سورج دکھائی نہیں دیتا۔ یہی سبب ہے کہ یہاں ضروریاتِ زندگی ناپید ہیں اور حیوانات کی زندگی مشکل ہے۔ یورپ کے بعض حصوں میں کئی بار سورج مسلسل طلوع رہتا ہے جس سے روزمرہ کی زندگی پر فرق آتا ہے۔ گویا آفتاب کی تخلیق اور اس کے طلوع وغروب نیز اس کا زمین سے ایک مخصوص دوری پر ہونا خالق کی بے پناہ حکمتوں کا حصہ ہے۔

آفتاب کی شعاعیں مختلف اوقات میں زمین کے الگ الگ حصوں پر پڑتی ہیں۔ اس طرح پوری دنیا اس سے فیضیاب ہوتی ہے اور اس کے ثمرات سب کو حاصل ہوتے ہیں۔ اگر سورج دنیا کے کسی ایک حصے کے ساتھ مخصوص ہوتا تو دنیا کا دوسرا حصہ اس کے اثرات سے محروم رہ جاتا۔ گویا یہ خدا کی بلیغ حکمت ہے کہ اس کی کرنیں پوری دنیا تک مختلف اوقات میں پہنچتی ہیں۔

نیک اعمال سے تزکیہ:

اہل تصوف تزکیہ نفس پر خصوصی توجہ دیتے ہیں کیونکہ نفس ہی انسان کے جسم کو کنٹرول کرتا ہے۔ اگر یہ قابو میں رہا تو پورا جسم قابو میں رہتا ہے اور یہ بے قابو ہوا تو پورا جسم بے قابو ہو جاتا ہے۔ جسم انسانی جب کنٹرول سے باہر ہو جائے تو دنیا میں بے شمار خرابیاں در آتی ہیں اور اس کے اثرات آخرت تک جاتے ہیں۔ امام غزالی تزکیہ نفس کے لیے نیک عمل اور مجاہدے پر زور دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''عمل کے معنی ہیں شہوات کو توڑنا اور وہ اس طرح کہ نفس کو ان کی جانب جھکنے سے پھیر کر خدا کی بارگاہ معنی کی جانب اس کا منہ کر دیا

Marfat.com

جائے تا کہ نفس سے تمام وہ ہیئاتِ خبیثہ اور خلائق رویہ دور کر دیئے جائیں جنہوں نے اسے جانب سافلہ سے جکڑ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ جب یہ رشتے باطل ہو جائیں یا کمزور پڑ جائیں تو نفس حقائق الٰہیہ کے نظارے میں مشغول ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اسی طرح امورِ شریفہ کی بارش ہونے لگتی ہے، جس طرح اولیاء، انبیاء اور صدیقین پر ہوا کرتی ہے۔'' (میزانِ عمل، ص ۳۰)

نفس انسانی دنیاوی لذات وشہوات کی جانب زیادہ راغب ہوتا ہے۔ برے اور غیر اخلاقی کاموں کی طرف اس کی توجہ ہوتی ہے۔ آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ نیک کاموں کے ذریعے نفس پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ اچھے اعمال اور مجاہدہ کے ذریعے روح کا تزکیہ ہوتا ہے اور اسی تزکیے کے ذریعے اس کی توجہ برے کاموں کی طرف سے خدا کی طرف مڑ جاتی ہے۔ جب آدمی اپنے نفس کو پاکیزہ کر لیتا ہے اور نورِ معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس پر امورِ شریفہ کی بارش ہوتی ہے۔ وہ پاکیزہ اعمال میں مصروف رہتا ہے جیسا کہ انبیاء، صدیقین اور اولیاء رہا کرتے تھے۔

تزکیہ نفس کی تصوف میں بے حد اہمیت ہے کیونکہ جب تک اس کا نفس پاکیزہ نہ ہو جائے اور اس سے برے اعمال کی کدورت دور نہ ہو جائے دنیا کی محبت اور کبر و نخوت ختم نہ ہو جائے، اس کا دل آئینہ محبوب نہیں بن سکتا۔

دولت سے محبت:

اہل سلوک دنیا سے بے رغبتی کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی مال و دولت اور جاہ وحشمت دنیا کی چیزیں ہیں، یہیں رہ جائیں گی اور انسان یہاں سے رخصت ہو جائے گا۔ لہٰذا اسے مال و دولت سے محبت کرنے کے بجائے آخرت کی تیاری کرنی

Marfat.com

چاہیے۔ دنیا کی دولت بھی تب ہی تک فائدہ بخش ہے جب تک اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر کے آخرت کا انتظام کیا جائے۔ لہٰذا دولت اگر حاصل کیا جائے تو صرف آخرت کے منافع کے پہلو کو نظر میں رکھ کر۔ امام محمد غزالی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''معلوم ہے کہ حب دنیا تمام خرابیوں کی جڑ اور دنیا، آخرت کی کھیتی ہے تو اس میں بھلائی ہے نفع بخش اور زہر ہے ہلاکت افگن۔ دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ عرق نکالنے والا اس میں سے تریاق نکالتا ہے اور ناواقف پکڑتا ہے تو بے خبری میں اس کے زہر سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں، مال اوسط درجے کی کھیتیوں میں سے ہے کہ ایک لحاظ سے وہ فائدہ مند ہے اور ایک اعتبار سے مضرت رساں۔ اس لیے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس کے سودمند حصے پر اکتفا کیا جائے اور اس کے ہلاکت آفریں حصے سے احتراز۔''
>
> (ایضاً ص ۱۳۷)

دنیا کی تمام چیزیں اپنے اندر اچھائی اور برائی کے پہلو رکھتی ہیں۔ اسی طرح دنیا کی دولت میں بھی دونوں پہلو ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ دولت کا پجاری بننے کے بجائے اس کے حاصل کرنے کے طریقے اور اس کے خرچ کے راستوں پر نظر رکھے۔ امام غزالی نے دنیا کی مثال سانپ کے عرق سے دی ہے۔ جو زہر اور تریاق دونوں ہے۔ سانپ کے فائدے سے ناواقف شخص اگر اسے لیتا ہے تو یہ اس کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے اور ماہر اگر اسے پکڑتا ہے تو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس سے حیات بخش دوائیں بنتی ہیں۔ اسی طرح دولت اگر برے طریقے سے حاصل کی جائے، اس کے حصول میں حلال وحرام طریقوں کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ آخرت کے لیے وبالِ جان ہے۔ دولت کو اگر نیک کاموں میں خرچ کیا جائے تو وہ آخرت کے لیے تریاق ہے اور اگر برے کاموں میں خرچ کیا جائے تو وہ جاودانی زندگی کے لیے

Marfat.com

زہر ہے۔ دولت انسانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر روزمرہ کے کام نہیں چل سکتے۔ لہٰذا اس کا حصول ناگزیر ہے۔ مگر حاصل کرنے والا اس کے استعمال کے تعلق سے جوابدہ ہے۔ لہٰذا خرچ ہوشیاری سے کرنا چاہئے۔ مال کے تعلق سے دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی محبت دل میں جگہ نہ پکڑے۔ یعنی مال انسان کے لیے ہے نہ کہ انسان کا وجود مال و دولت کے لیے ہے۔ امام غزالی نے لکھا ہے:

> ''اسی کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کے سرخ و سفید حسن میرے علاوہ کسی اور کو جاکر فریب دے اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی درہم و دینار اور سیم و زر کے متلاشیوں کو پتھروں کے پجاریوں سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا کہ بندگان درہم و دینار کے لیے ہلاکت ہے۔'' (ایضاً، ص ۱۳۹)

زر پرستی اور حب دنیا تصوف کی نظر میں بے حد ناپسندیدہ کام ہے۔ مال و دولت سے صرف اتنا لینے کی اجازت ہے جس میں آدمی کا کام چل جائے۔ جب اس کی اپنی ضرورت پوری ہوگئی تو اب اسے دولت کی کوئی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اب اس کی محبت میں پھنسے رہنے سے وہ اپنا مقصد وجود کھو بیٹھتا ہے۔

دنیا میں آئے دن مختلف مسائل ابھرتے رہتے ہیں مگر دیکھا جائے تو ہر مسئلے کی بنیاد میں زر پرستی اور حب دنیا ہے۔ ایک آدمی دوسرے کے ساتھ بددیانتی کرتا ہے تو چند پیسے منافع کے لیے۔ سرکاری افسران اپنے کام سے پہلوتہی کرتے ہیں تو چند سکوں کی رشوت کے لئے۔ وزرا اپنے منصب کے خلاف جاکر بڑے بڑے گھپلے کرتے ہیں تو زر پرستی کے سبب۔ ایک ملک دوسرے ملک پر حملہ کرکے اس کے وسائل پر قبضہ کرتا ہے تو مال و دولت کے لئے۔ تجارت پیشہ افراد ٹیکس چوری کرتے ہیں تو دولت کی محبت میں۔ بلکہ موجودہ دور میں علم کے حصول کا مقصد بھی دولت کا حصول ہے۔ آج طلبا اخلاقی تعلیم حاصل کرنے کے بجائے پیشہ ورانہ تعلیم کو ترجیح دیتے ہیں

Marfat.com

اس کا سبب بلاشبہ دولت کمانے کی چاہت ہے۔ موجودہ دنیا مادہ پرستی کے گرد گھوم رہی ہے، دولت اس کے لیے خدا کا درجہ رکھتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام مسائل بھی زر پرستی کے پہلو سے جنم لیتے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ''بے شک تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں'' اور آج ساری دنیا اسی فتنۂ عظیم میں مبتلا ہے۔ اس فتنے سے خلاصی کا راستہ تصوف کے پاس موجود ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ دولت کو زہد کے خلاف نہیں مانتے بلکہ حب دولت کو زہد کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''زاہد وہ نہیں جس کے پاس مال نہ ہو، بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو مال کی محبت میں مشغول نہ ہو جائے۔ اگرچہ اس کے یہاں ہفت اقلیم کے خزانے ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص دنیا و مافیہا کا مال اکٹھا کرلے لیکن اس سے رضائے الٰہی مقصود رکھے تو اسے مال کی محبت میں گرفتار نہیں کہیں گے۔'' (ایضاً، ص ۱۴۶)

یعنی مال اپنے آپ میں کوئی بری چیز نہیں۔ اصل برائی اس کی محبت میں ہے۔

تصوف کا راستہ:

بہت کٹھن ہے ڈگر پنگھٹ کی
کیسے میں بھر لاؤں مدھوا سے مٹکی

تصوف کا راستہ بے حد مشکل ہے۔ ان خارزار وادیوں سے گزرنا آسان کام نہیں۔ اس راستے پر چلنے والے کم ہی منزل تک پہنچے ہیں۔ بیشتر وہ ہوتے ہیں جو راستے سے ہی واپسی کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ اس راستے پر چلنے کے لیے سخت جانی اور مشکل کوشی کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے خود اپنی سرگزشت تحریر کی ہے کہ جب انھیں راہ سلوک پر چلنے کا شوق ہوا تو انھوں نے ایک پیر کامل سے رابطہ کیا جنہوں نے بتایا کہ:

''اس منزل کی طرف چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے کامل اور کلی طور پر علائق و روابط منقطع کر لو۔ اس طرح کہ تمہارا دل نہ اہل و عیال کی جانب مائل ہو نہ مال و اولاد پر راغب ہو۔ نہ وطن کی محبت باقی رہے نہ علم و حکومت کا شوق ہو، بلکہ تم بے نیازی کی دولت سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ کہ ان سب کا عدم و وجود تمہارے لیے برابر ہو جائے۔ پھر تم دنیا سے علاحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ۔ تم صرف فریضہ عبادت ادا کرو اور مراتب سلوک طے کرو اور کامل فراغت دلی حاصل کر کے ہمہ تن اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم زبانی طور پر ذکر الٰہی میں مواظبت کرو۔ ہر وقت اللہ اللہ کا وظیفہ سوچ سمجھ کر اور حضور قلب کے ساتھ وردِ زبان رہے۔ یہاں تک کہ تمہاری حالت ایسی ہو جائے کہ اگر تم زبان بھی نہ ہلاؤ تو بھی یہ کلمہ کثرت تکرار کے باعث تمہاری زبان پر بے اختیار جاری رہے۔ پھر تم اس حالت پر بدستور قائم رہو۔ یہاں تک کہ زبان کا اثر محو ہو کر دل اور روح تک جا پہنچے اور یہ دونوں حرکت زبان کے بغیر اس ذکر میں مشغول و منہمک رہیں۔ پھر اس حالت کی اس قدر مشق بہم پہنچاؤ کہ دل میں صرف لفظ کے معانی ہی رہ جائیں اور تمہارے دل میں الفاظ کے حروف اور ان کی شکل و صورت کا نشان بھی نہ رہے، بلکہ تمہارے دل میں ان کے صرف معنی ہی علی الدوام ولزوم

Marfat.com

باقی رہ جائیں۔ یہ مقام تمہارے اختیار کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد صرف پے در پے آنے والے وساوس کو روکنے اور دور کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہنے کا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔''

(ایضاً ص ۳۴-۳۳)

جاہ، مال، اولاد اور وطن کی محبت انسان کے دل میں فطری طور پر ہوتی ہے مگر خالق کی محبت کو دل میں راسخ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام قسم کی چاہتوں سے دل کو خالی کیا جائے۔ یہی سبب ہے کہ صوفیہ راہ سلوک پر چلنے والوں کو ترک دنیا کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ ترک و تجرید اس وقت تک کے لیے ہوتا ہے جب تک، کہ دنیا کی محبت دل سے الگ نہ ہو جائے اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر نہ ہو جائے۔ اس کے بعد فرض عبادت کے ساتھ ذکر ''اللہ'' کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب انسان زبانی طور پر اللہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ زبان کے ساتھ ساتھ دل بھی اس کا عادی ہو جاتا ہے اور حضورِ قلب کے ساتھ ذاکر، اللہ کا ذکر کرنے لگتا ہے۔ اب دانستہ اور نادانستہ طور پر سالک کے دل و زبان پر اللہ کا ذکر رہتا ہے اور اس کا فیضان دل و روح تک پہنچ کر منور کرتا ہے۔ پہلے جو سلسلہ لفظ سے شروع ہوا تھا وہ معنی تک پہنچ جاتا ہے اور پھر حرف و صوت کی جگہ معنی ہی معنی رہ جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر سالک بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اس پر انوار اور تجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ اس کی نگاہوں میں قدرت کے وہ راز منکشف ہوتے ہیں جو ساری دنیا سے پوشیدہ ہیں۔

''اس مقام سے گذرنے کے بعد تم پھر بے اختیار ہو جاتے ہو اور صرف اس قسم کے مکاشفات کے ظہور کا انتظار باقی رہ جائے گا جو اولیاء پر ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو انبیاء پر ظاہر ہوتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۳۴)

یعنی — جو سائیں کا ہو رہے، سائیں اس کا ہوئے۔

Marfat.com

غم مٹانے کا طریقہ:

جان، دو دن کی ہے مہمان ستاتے کیوں ہو
آپ روتے ہوئے آئے ہیں رلاتے کیوں ہو

یہ دنیا غم والم کا مرکز ہے۔ ہر شخص یہاں کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا ہے۔ یہاں کوئی خوش نہیں، کسی کی زبان سے خوشی کے الفاظ نہیں نکلتے۔ ہر کوئی بے صبری، بے قراری اور رنج وغم کا اظہار کرتا نظر آتا ہے۔ وہ فقیر بوریہ نشیں ہو یا مالک ہفت اقلیم سب کسی نہ کسی فکر وتردد میں مبتلا ہیں۔ دل مطمئن نہیں تو اس کا آخر علاج کیا ہے؟ کیا کوئی ایسی تدبیر ہے جس سے آدمی کو ذہنی، قلبی اور روحانی سکون فراہم ہو؟

آج کے اس عوامی مرض کا علاج امام غزالی نے صدیوں قبل لکھا تھا:

''کسی صوفی کا روزمرہ کا وظیفہ تھا کہ ہسپتال میں جاتا کہ بیماروں اور ان کی بیماریوں اور ان کے رنج ومحن کا مشاہدہ کرے، پھر بادشاہ کے جیل خانے میں جاتا تاکہ مجرموں کو اور ان کی سزاؤں کو دیکھے۔ نیز وہ قبرستان میں جاتا اور عزاداروں، ان کی ماتم داری اور بے سود رنج و محن اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت پر غور وفکر کرتا اور جب گھر واپس لوٹتا تو تمام دن اللہ کا شکریہ ادا کرتا کہ الٰہی تو نے مجھے بے حد وحساب نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ میں مصائب وتکالیف اور حزن و ملال سے محفوظ ہوں۔'' (ایضاً، ص ۱۵۰)

انسان کے رنج کا سبب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سے زیادہ خوش حال لوگوں کی طرف دیکھتا ہے۔ زیادہ مالدار اور اپنے حال میں مگن لوگوں کی طرف دیکھ کر وہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پریشان حال اور دکھی وہ خود ہے۔ اس کے اپنے گھر میں ضروریات زندگی کے تمام ساز وسامان ہوتے ہیں مگر اسے وہ نظر نہیں آتے۔

Marfat.com

وہ ان لوگوں کے ساز و سامان کو دیکھتا ہے جو اس سے بہتر زندگی جی رہے ہیں اور یہی فکر انسان کو ہمیشہ غم زدہ رکھتی ہے۔ انسان کی بنیادی ضرورت روٹی، کپڑا اور مکان ہے۔ وہ یہ پا کر خوش رہ سکتا ہے مگر آج حالت یہ ہے کہ جس کے پاس جتنا زیادہ ہے وہ اس سے زیادہ کی خواہش میں زندہ ہے۔ وہ اسے دو چند کرنا چاہتا ہے۔ اسے وہ نظر آتے ہیں جو بہتر اور خوشحال زندگی کے حاصل ہیں مگر وہ دکھائی نہیں دیتے جو بدحال زندگی جی رہے ہیں۔

صوفی کے مذکورہ واقعہ میں یہ درس ہے کہ انھیں دیکھو جو تم سے زیادہ غمگین ہیں، پریشان حال ہیں، حزن و تکلیف کا شکار ہیں، غربت و افلاس کے مارے ہیں۔ اگر تم ان کے حالات پر غور کرو گے تو خود بخود زبان سے اللہ کے شکریہ کے کلمات نکلیں گے۔ تمہارا دل یہ سوچ کر مطمئن ہوگا کہ خالق و مالک نے تمہیں دوسروں سے بہتر حالت میں رکھا ہے۔ امام غزالی آگے تحریر فرماتے ہیں:

> ''انسان کا فرض ہے کہ دنیوی طور پر ہمیشہ ان لوگوں کی طرف نگاہ کرے جو اس سے کم درجہ پر ہیں تا کہ شکر گزار ہو، اور دین کے لحاظ سے ہمیشہ ان کو دیکھے، جو اس سے بلند تر مرتبہ پر فائز ہیں تا کہ ترغیب و تحریص حاصل کرے۔ شیطان جب انسان پر مستول ہو جاتا ہے تو اس کی نگاہ کو پلٹ دیتا ہے اور اس کے برعکس کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب کہا جاتا ہے کہ تم برے کام کیوں کرتے ہو تو وہ عذر پیش کرتا ہے کہ فلاں تو مجھ سے بھی زیادہ برے کام کرتا ہے۔ حالانکہ معصیت اور کفر میں ایسا کرنا درست نہیں اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے تو اس پر قناعت کر کیوں نہیں کرتا، تو جواب دیتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ غنی ہے، جب وہ کمائے جاتا ہے تو میں کیوں بس کروں۔'' (ایضاً)

Marfat.com

انسان اگر خود کو غم والم سے دور رکھنا چاہتا ہے تو اسے صابر وشاکر بننا چاہئے۔ اللہ نے اسے جس حال میں رکھا ہے اسی میں صبر کرنا چاہئے۔اس کے لیے انھیں دیکھے جو اس سے بدتر حال میں ہیں۔ایسا کرنے سے اسے اپنی بہتر حالت کا احساس ہوگا۔ وہ اللہ کا شکر کرے گا اور خوش ہوگا۔البتہ دینداری کے معاملے میں انسان کو خود سے بہتر اور دیندار لوگوں پر نظر رکھنی چاہئے تا کہ عبادت وریاضت اور نیکی و پارسائی میں ترغیب ہو اور آدمی نیک اعمال میں مسابقت کی کوشش کرے۔غم والم کا سبب عموماً دولت، حشمت، عہدہ یا اولاد کی محبت میں پنہاں ہوتا ہے۔اگر انسان خود کو ان چیزوں کی محبت سے الگ کرلے تو وہ غم والم اور فکر وتردد سے نجات پا سکتا ہے۔

غم کا ایک سبب مستقبل کے امکانات اور خطرات بھی ہیں۔اس کے لیے آدمی کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر ان امکانات وخطرات کو پہلے روکنا ممکن ہے تو وہ روک لے اور اگر ممکن نہیں تو اس اندیشے میں وہ اپنے آج کو بھی برباد نہ کرے۔آج بہتر ہے وہ خوشی کے ساتھ ''آج'' کو جی لے۔کل کے بارے میں اسے کچھ نہیں پتہ۔لہٰذا یہ ''کل'' جب آئے گا دیکھا جائے گا۔اسی طرح ماضی کے رنج والم کو بھی وہ خود سے الگ کرے کیونکہ جو بیت گیا سو بیت گیا، اسے دوبارہ واپس نہیں لایا جا سکتا۔

سالک کون؟

راہ سلوک پر چلنے کا دعویٰ بہت سے لوگ کرتے ہیں مگر اس دعوے میں سچے کم ہی لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے راہ سلوک کے راہی کی پہچان بتائی ہے۔ان علامتوں سے راہی سلوک کو پہچانا جا سکتا ہے اور آدمی خود کو بھی پہچان سکتا ہے۔امام صاحب نے دو علامتیں بتائی ہیں:

(اول) ''اصلی سالک وہ ہے جس کے تمام اختیاری افعال شرع کی

Marfat.com

ترازو میں پورے اتریں۔ ہر ایک فعل کا صادر ہونا کم وبیش ہونا یا نہ ہونا شریعت کی حدود سے موافق ہو کیونکہ جب تک شریعت حقہ کے رنگ میں انسان نہ رنگا جا چکے اس رستہ پر گام فرسا نہیں ہو سکتا۔"

(میزانِ عمل، ص ۱۵۸)

(دوم) "انسان کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی حضوری میں رہے، ضروری اور بے تکلف طور پر۔ اسے اس حضوری میں بے حد لذت حاصل ہو، خشوع وخضوع، انکسار و تواضع کے ساتھ اس کا دل خدا سے وابستہ رہے۔ وہ اس حال سے کبھی علیحدہ نہ ہو۔"

(ایضاً، ص ۱۶۱)

راہ سلوک میں سالک محبوب حقیقی کا شیدا ہوتا ہے۔ ایک عاشق و پریمی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے محبوب کے حکم کی خلاف ورزی کرے۔ اس کی چاہت کے علاوہ کسی اور کی الفت کو اپنے دل میں جگہ دے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اسے سچا عاشق و محبّ نہیں سمجھا جا سکتا۔ سالک خدا کی محبت کا مدعی ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو خدا کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ شریعت، اللہ کے احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا شرع کی پابندی اللہ کے حکم کی پابندی ہے۔ اسی لیے سچے سالک کی پہچان شرع کے احکام کی پابندی ہے۔ اسی طرح سچے عاشق کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کے جلوؤں میں گم رہے۔ اگر سالک اپنے دعوے میں سچا ہے تو اس کے دل سے اللہ کی یاد ایک لمحے کے لیے بھی دور نہ ہو گی۔ اسے اس حضوری میں لطف آئے گا۔

کاجر دوں تو کرکرائے، سرمہ دیا نہ جائے
جن نینن ماں پیو بسیں تو دوجا کون سمائے

Marfat.com

موت سے خوف:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''موت ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملا دیتی ہے۔'' اس کے باوجود انسان کو موت سے ڈر لگتا ہے۔ وہ موت سے بچنا چاہتا ہے۔ وہ ایسی تدبیریں کرتا ہے جس کے ذریعے وہ موت سے محفوظ رہے۔ بعض اہل تصوف علاج و معالجہ سے پرہیز کرتے تھے ان کا ماننا تھا کہ یہ بیماریاں اللہ سے قربت کا ذریعہ ہیں اور موت حقیقی دوست تک لے جانے کا ایک پل۔ موت کو یاد کرنے کے بہت سے فائدے ہیں۔ حضرت امام غزالی ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

> ''جو شخص منزلوں میں اترنے اور کوچ کرنے کے خیال میں مشغول رہتا ہے، وہ اپنے مقصود کو فراموش نہیں کرتا۔ غرض یہ ہے کہ ہازم الذات کی یاد، سرابِ آرزو سے محفوظ رکھتی ہے۔ حوادث و مصائب آسان ہو جاتے ہیں اور انسان سرکش ہونے سے بچ رہتا ہے۔ موت کی یاد سے خدا کی دی ہوئی چیزوں پر قناعت اور توبہ میں جلدی کرنے کا وصف پیدا ہوتا ہے، حسد اور حرص دنیا رخصت ہو جاتے ہیں اور عبادت میں نشاط و مسرت حاصل ہونے لگتی ہے۔ جس شخص کو عبادت الٰہی میں لطف نہ آئے اور سستی و کسلمندی آ گھیرے اسے چاہئے کہ ہر صبح جاگنے کے وقت غور کرے کہ میں جلدی مر جاؤں گا، میری قضا آ چکی ہے کہ کچھ بعید نہیں۔'' (ایضاً، ۱۵۲)

موت کی یاد آخرت کی تیاری پر انسان کو ابھارتی ہے۔ اگر وہ یہ خیال کرے گا کہ اگلا لمحہ اس کی موت کا لمحہ بن سکتا ہے تو وہ موت کی تیاری کرے گا، اچھے اعمال اختیار کرے گا، برے عمل سے توبہ کرے گا۔ لیکن اگر وہ یہ سمجھے گا کہ ابھی کچھ سال، کچھ

Marfat.com

مہینے یا کچھ دن زندہ رہنا ہے تو وہ دنیا میں عیش و آرام کی تیاری کرے گا۔ اسی لیے امام غزالی فرماتے ہیں کہ "ہر طلوع آفتاب کے ساتھ یہ سمجھے کہ میرا آفتابِ حیات غروب ہونے والا ہے۔" یہ خیال انسان کو بارگاہ الٰہی میں حاضری کے لئے تیار کرے گا۔ عموماً کچھ خیالات انسان کے اندر موت کا خوف پیدا کرتے ہیں۔ جیسے کہ شکم اور شرمگاہ کی خواہش، گذشتہ گناہوں کا خوف، مال و اولاد کی محبت اور موت کے بعد کے حالات سے ناواقفیت۔ حالانکہ آدمی اگر آخرت پر کامل ایمان رکھے، نیک اعمال کی کثرت کرے، دنیا کی نعمتوں پر جنت کی نعمتوں کو ترجیح دے اور موت کو ہمیشہ یاد کرتا رہے تو یہ خوف دور ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی موت کا خوف، موت کو روک نہیں سکتا۔ انسان لاکھ کوشش کے باوجود عرصۂ حیات کو بڑھا نہیں سکتا۔ پھر عقلمندی کا تقاضہ تو یہی ہے کہ خوف کھانے کے بجائے آخرت کی تیاری کی جائے۔ صاحب بصیرت انسان وہی ہے جو آخرت کی تیاری کرتا ہے۔

"صاحب بصیرت جانتا ہے کہ موت انسان کو آزاد و باعزت بناتی ہے اور زندگی مجرم اور گناہ گار ٹھیراتی ہے، اور یہ کہ انسان دنیا میں ہزار طویل العمر ہو جائے پھر بھی وہ ایسے ہی ہے جیسے آسمان پر بجلی جو چمکتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔" (ایضاً ص ۱۵۵)

"بے بصیرت، گناہوں سے آلودہ دامن، دنیا میں منہمک، اس کے تعلقات میں جکڑا ہوا ہے۔ آدمی جو دنیا کی زندگی سے راضی ہو چکا ہے اور دار آخرت سے ایسا ہی مایوس ہو چکا ہے جیسے کافر لوگ مردوں سے۔ چنانچہ جب وہ دار خلود کی جانب روانہ ہوتا ہے تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے اور جب دنیا کی گندگیوں اور آلودگیوں سے علاحدہ ہوتا ہے تو اسے عالم بالا کی ہوا اور ملاءِ اعلیٰ کی مصاحبت راس نہیں آتی۔"

(ایضاً ص ۱۵۶)

Marfat.com

امام غزالی نے دونوں قسم کے لوگوں کی مثال غلام سے دی ہے۔ یعنی صاحب بصیرت اپنے مالک کی بارگاہ میں فرحاں وشاداں آتا ہے۔ وہ خود کو انعام کا مستحق سمجھتا ہے جب کہ بے بصیرت اس بھگوڑے غلام کی طرح آتا ہے جو اپنے مالک کے غیض و غضب کا شکار بننے والا ہے اور اسے بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں ڈالا جانے والا ہے۔

غصہ کا علاج:

غصہ آگ کے شعلے کی طرح ہے۔ اس سے اپنا نقصان ہوتا ہے اور دوسروں کا بھی۔ اس کی وجہ سے کئی خرابیاں جنم لیتی ہیں جیسے کینہ، حسد، بدگمانی، بدزبانی، گالی گلوج، مار پیٹ۔ غصہ کچھ دیر کے لیے آتا ہے مگر اس کے سبب جو نقصانات ہوتے ہیں وہ دیرپا ہوتے ہیں۔ کئی بار مار پیٹ اور قتل کے سبب آدمی جیل جاتا ہے اور پھانسی کے پھندوں تک پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا غصہ پر قابو رکھنا ضروری ہے۔ یعنی غصہ تب ہی آئے جب آدمی خود چاہے۔ اگر بالکل غصہ نہ آئے تو آدمی برائیوں کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ لہٰذا غصہ کا مادہ انسان کے اندر ہو مگر وہ شکاری کتے کی طرح ہو کہ جب مالک چاہے اسے غصہ دلا دے اور جب چاہے خاموشی کے ساتھ بیٹھا رہے۔ غصہ پر قابو رکھنے کی تدبیریں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہیں:

> ”غصہ کو ایسا مہذب بنانے کی تدبیریں یہ ہیں کہ نفس کی باگ روکو، حلم وبرداشت کی عادت ڈالو اور جب کوئی غصہ پیدا کرنے والا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصہ کو بھڑکنے نہ دو۔ پس یہی وہ ریاضت ہے جس سے غصہ مطیع وفرمانبردار بن جائے گا۔“

(خطبات غزالی، ص ۱۰۰-۹۹)

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے غصے کے کچھ علمی اور عملی علاج بتائے ہیں:

Marfat.com

"علمی علاج تو یہ ہے کہ غصہ کے وقت سوچو کہ غصہ کیوں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب حکم ربی میں دخیل ہونا اور دست اندازی کرنا ہے کیونکہ غصہ کرنے والے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام میری مرضی کے موافق کیوں نہ ہوا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ یہ حماقت ہے یا نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور منشا کو اپنے تابع بنانا چاہتے ہو۔ یادرکھو کہ اللہ کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا پھر تم اس میں دخل دینے والے اور اس کو ناگوار سمجھنے والے کون ہوتے ہو؟ دوسرے اس بات کا خیال رکھو کہ میرا اس شخص پر کیا حق ہے اور اللہ عزوجل کا مجھ پر کیا حق ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے اور تم اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتے ہو؟ ظاہر ہے کہ تم جس شخص پر غصہ کر رہے ہو اس کے مالک نہیں ہو، خالق نہیں ہو، رزق تم اس کو نہیں دیتے، حیات تمہاری دی ہوئی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے تم پر ہر قسم کے حقوق ہیں کہ تم ہر طرح سے اس کے محکوم و مملوک ہو اور احسان مند ہو۔"

(ایضاً)

جب انسان کے دل میں خدا کی حاکمیت اور اپنی محکومیت کا احساس پیدا ہوگا تو غصہ سرد ہو جائے گا۔ جب وہ سوچے گا کہ میں جس طرح اللہ کی مرضی کے سامنے بے بس ہوں اسی طرح دوسرا شخص بھی لاچار ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اسی کی مرضی اور حکم کے تحت ہوتا ہے۔ یہ کام جس کے سبب مجھے غصہ آیا اللہ کی مرضی اور اجازت سے ہوا۔ لہٰذا دوسرے شخص پر مجھے غصہ ہونے کا حق نہیں۔

امام غزالی علیہ الرحمہ نے عملی تدبیر بھی بتائی ہے جس سے غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

"عملی علاج یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھو کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے اور شیطان سے جب پناہ مانگی جائے

Marfat.com

گی تو وہ اثر زائل ہو جائے گا۔ نیز اپنی حالت بدل دو یعنی اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کر لو اور اپنا رخسار زمین پر رکھ دو تا کہ تکبر ٹوٹے اور عزت والا عضو جب زمین پر رکھا جائے تو نفس مرے کیونکہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے وہ غصہ کا گھونٹ ہے۔'' (ایضاً ص ۱۰۱)

فاسد غصہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔ اسی لیے تعوذ پڑھنے کو کہا گیا ہے تا کہ غصہ دور کرنے میں اللہ کی طرف سے مدد حاصل ہو۔ اسی طرح حالت کو بدل دینا یا جگہ کو بدل دینا بھی غصہ کو دور کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ حالت یا جگہ بدلنے سے آدمی کے اندر نفسیاتی تبدیلی آتی ہے جو خیال اس کے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے اس کی جگہ دوسرے قسم کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ اسی طرح وضو کرنے سے ایک طرف تو آدمی پاکیزگی کا احساس کرتا ہے۔ خالق کا خیال دل میں آتا ہے تو دوسری طرف جسم پر پڑنے والے پانی کے قطرات غصے کی آگ کو سرد کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔ جسم کے اندر مسامات سے جانے والا پانی، ٹھنڈ کا احساس پیدا کرتا ہے اور غصے میں بھی کمی آتی ہے۔

ایک طریقہ رخسار کو زمین پر رکھنے کا بتایا گیا ہے۔ یہ بھی غصے کا نفسیاتی علاج ہے۔ تکبر کا سودا آدمی کے سر میں سماتا ہے اور جب یہ سر ہی زمین پر ہوگا تو انکساری اور عاجزی پیدا ہوگی، خدا کا خوف دل میں آئے گا جو غصے کے ساتھ پیدا ہونے والے تکبر کو زائل کر دے گا۔ دماغ غصے کا مرکز ہے۔ اگر اس مرکز پر قابو پالیا جائے تو غصے پر قابو آجائے گا اور جب غصے پر قابو ہو جائے تو پورے جسم کی حرکات کے نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔ غصہ اگرچہ دماغ میں ہوتا ہے مگر اس کے نقصان میں جسم کے تمام اعضا شامل ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اخلاص:

نیک عمل کے ساتھ خلوصِ نیت بھی ضروری ہے۔ بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث ہے کہ ''عمل کے ثواب کا انحصار نیت پر ہے'' یعنی اگر نیک عمل خلوص کے ساتھ کیا جائے تو وہ باعث اجر ہے اور اگر خلوص شامل نہ ہو تو ثواب بھی نہیں ملے گا بلکہ الٹا ریا کاری کا عذاب حاصل ہوگا۔ امام غزالی اخلاص کا مطلب بیان کرتے ہیں:

> ''اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ اعمال ہر طرح کے شوائب سے پاک ہوں خواہ وہ تھوڑے ہوں یا بہت اور اس میں صرف تقرب الی اللہ کی نیت ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور باعث نہ ہو اور اس طرح کے اعمال کا تصور صرف ان لوگوں سے ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے اور آخرت میں ڈوبے ہوتے ہیں اور دنیا کی محبت کے لیے ان کے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ کھانا پینا بھی پسند نہیں کرتے بلکہ کھانے پینے میں ان کی رغبت ایسی ہوتی ہے جیسے قضائے حاجت میں۔ جس طرح یہ بشری ضرورت اور انسانی جسم کا تقاضا سمجھا جاتا ہے اسی طرح کھانا پینا بھی انسانی حاجت اور بشری تقاضا ہے۔ وہ کھانے کی طرف اس لیے مائل نہیں ہوتے کہ وہ کھانا ہے یا اس سے لذت حاصل ہوتی ہے، بلکہ اس لیے راغب ہوتے ہیں کہ کھانے سے جسم میں قوت اور توانائی آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت پر اسے قدرت ملتی ہے۔''
>
> (احیاء العلوم، جلد چہارم، ص ۵۴۷)

انتہا درجے کا اخلاص یقیناً انھیں لوگوں کے دل میں پایا جاتا ہے جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں اور دنیا کی محبت سے ان کے دل پاک ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے اخلاص جب زیادہ ہوگا تو عمل کا ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ امام غزالی نے ایک

Marfat.com

بزرگ کا واقعہ بھی درج کیا ہے جنھوں نے اپنی تیس برسوں کی باجماعت نماز کو صرف اس لیے دہرایا کہ ہر روز وہ صف اول میں نماز پڑھتے تھے مگر جب ایک دن صف اول میں جگہ نہ ملنے کے سبب دوسری صف میں نماز پڑھی تو شرم محسوس ہوئی۔ اس کے بعد یہ خیال آیا کہ گویا میں نے تیس سال تک بندوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھی۔ ریا کی نماز درست نہیں اس لیے تیس سال کی نمازوں کو دہرایا۔

خلوص اور ریا دل کے معاملات ہیں۔ یہ وہی شخص محسوس کر سکتا ہے جس کے دل میں یہ جذبات ہوں دوسرا اسے نہیں سمجھ سکتا۔ جس کے دل میں ریاکاری ہوگی وہ کثرت اعمال کے باوجود ثواب سے محروم رہے گا۔ لہٰذا ریاکاری کا علاج ضروری ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ نے اس تعلق سے لکھا ہے:

> ''اخلاص کا نہ ہونا ایک مرض ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ نفسانی حظوظ کا قلع قمع کیا جائے۔ دنیا سے طمع منقطع کیا جائے اور آخرت کے لیے اس طرح خاص ہوا جائے کہ دل پر آخرت غالب ہو جائے۔ اس طرح اخلاص یقیناً آسان ہو جائے گا۔''
>
> (ایضاً، ص ۱۴۸)

کوئی ایسا نیک عمل لوگوں کے سامنے کرنا جس کی نمائش سے خوشی محسوس ہوتی ہے، ریا ہے۔ لہٰذا اس کا علاج یہی ہے کہ نفس جس ریاکاری سے لذت محسوس کرتا ہے وہ کام نہ کیا جائے۔ انسان کا دل آخرت کی لذت میں مگن ہو اور آخرت کا خیال ہی اس کے دل پر غالب ہو۔ ایسا کرنے سے نیت میں اخلاص پیدا ہوگا۔ اسی کے ساتھ نفس کی خلاف ورزی کرنا بھی دافع ریا ہے۔ جیسے نفس یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے سامنے صدقہ کرو اس سے نیک نامی اور شہرت ملے گی، اچھے کام کرو تو اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے تشہیر کرو۔ اب اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے تو نیت میں اخلاص پیدا ہوگا اور ہر عمل کا مقصد رضائے الٰہی ہوگا۔ ☆☆☆

Marfat.com

خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اگر کسی شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہے۔ سخاوت، شفقت اور تواضع۔ سخاوت دریا کی سی، شفقت سورج کی سی اور تواضع زمین کی سی۔'' (دلیل العارفین، مجلس ۹)

Marfat.com

محبوبِ ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے بانی ہیں اور اپنے عہد کے نامور اہلِ علم میں سے ہیں۔ نامِ نامی عبدالقادر ہے، کنیت ابو محمد، القاب، محی الدین محبوب سبحانی، غوث الاعظم، پیرانِ پیر اور دستگیر وغیرہ ہیں۔ آپ کا سلسلہ قادریہ ساری دنیا میں مقبول ہوا اور اس سلسلے کے صوفیہ نے اسلام اور تصوف کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح آپ کی اولاد اور سلسلے سے وابستہ بزرگوں کی آمد برصغیر ہند و پاک میں بھی ہوئی اور اس رابطے نے یہاں روحانیت کی اشاعت کا راستہ کھولا۔

Marfat.com

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ کو ایران کے گیلان نامی قصبے میں ہوئی۔ تب خلیفہ المقتدی باللہ عباسی کی حکومت تھی۔ آپ کے والد محترم کا نام ابوصالح موسیٰ جنگی دوست تھا۔ یہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی نسل پاک سے تھے اور بے حد متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ ام الخیر فاطمہ تھیں جو شہیدِ کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل پاک سے تھیں۔ اس لحاظ سے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حسنی وحسینی سید تھے۔ آپ کے پدری و مادری سلسلۂ نسب میں اعلیٰ پائے کی نیک اور خداترس ہستیاں تھیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی پیدائش کسی کرامت کی طرح تھی، کیونکہ آپ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ ساٹھ سال سے زیادہ عمر کی تھیں۔ یہ عمر عموماً سن ایاس کی ہوتی ہے جس میں عورتیں بچے پیدا کرنے کے قابل نہیں رہتیں۔ آپ ابھی ذی ہوش نہیں ہوئے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا اور نانا جان شیخ عبداللہ صومعی کی سرپرستی میں آگئے۔ نانا جان نے کچھ دن دیکھ بھال کی مگر پھر ان کا بھی انتقال ہوگیا اور والدہ تن تنہا آپ کی نگرانی کرنے لگیں۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت خود آپ کی والدہ ام الخیر فاطمہ اور نانا جان عبداللہ صومعی نے فرمائی، پھر مقامی مکتب میں داخل ہو کر علم حاصل کرنے لگے۔ آپ بچپن سے ہی بے حد ذہین اور تقویٰ شعار تھے۔ عام طور پر بچوں کے اندر جو باتیں ہوتی ہیں ان سے آپ یکسر علاحدہ تھے۔ کھیل کود سے اجتناب کرتے تھے۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ آپ مادرزاد ولی تھے اور اس کا اظہار اکثر قدرتی طور پر ہوتا رہتا تھا۔ گویا

Marfat.com

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ سر بلندی

شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے اٹھارہ سال کی عمر تک اپنے وطن مالوف گیلان میں ہی تعلیم پائی مگراس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ بغداد چلے گئے جو اُس دور میں علم وفن کا مرکز تھا اور ساری دنیا کے اساتذۂ فن یہاں جمع تھے۔ مدرسہ نظامیہ کو عالمی شہرت حاصل تھی اور حکومت وقت کی سرپرستی میں یہاں اسلامیات کے ساتھ دیگر موضوعات پر بھی ریسرچ کے کام ہوتے تھے۔ روایتی اسلامی علوم کے علاوہ طب وحکمت، فلسفہ ومنطق، نجوم وفلکیات جیسے موضوعات پر بھی یہاں تدریس ہوتی تھی اور دور دور سے تشنگا ِعلم ...

جیلانی نے بھی ا

کرتے رہے۔

تھے۔ بارہا فقرو

حاصل کیا۔ دورِ

یہ سہارا بھی زیاد

جن اساتذہ سے

نے آپ کے کچھ

محفوظ الکلوذاتی

مخزومی، ابوغالب

میمون الفرسی، ابو

ابوطاہر عبدالرحمٰن

تبریزی وغیرہ۔

Marfat.com

دینی وعلمی خدمات:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ، حدیث، تفسیر، لغت، ادب، کلام، عروض، مناظرہ، انساب، تاریخ، فراست جیسے علوم میں کمال حاصل تھا۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد آپ نے بغداد میں ہی قیام کرنے کا فیصلہ کیا اور آخری عمر تک یہیں مقیم رہے۔آپ نے حضرت ابوسعید مبارک مخزومی کے مدرسے میں پڑھانا شروع کیا جو بعد میں آپ کے نام کی مناسبت سے مدرسہ قادریہ کے نام سے مشہور ہوا۔اس مدرسے کو بے حد شہرت حاصل ہوئی اور دور دور سے طلباء آپ کی خدمت میں آنے لگے۔آپ ایک اچھے مدرس کے ساتھ ساتھ اچھے مقرر بھی تھے اور عوام الناس آپ کی تقریریں سننے کے لئے جمع ہوجایا کرتے تھے۔تقریباً چالیس سال تک آپ وعظ ونصیحت اور دعوت دین کے کاموں میں لگے رہے۔آپ نے کچھ کتابیں بھی تصنیف فرمائیں اور آپ کی تقریروں کے مجموعے بھی مرتب ہوئے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بیشتر صوفیوں کی طرح امیروں، رئیسوں اور بادشاہوں سے دور رہتے تھے۔اگر کوئی آپ کی مجلس میں آتا تو منع نہیں کرتے اور اسے وعظ ونصیحت فرماتے۔حکمرانوں کو نصیحت کرنے میں سخت لہجے اپنایا کرتے تھے جب کہ عوام کو نصیحت کرتے وقت ان کا لہجہ نرم ہوتا تھا۔اگر کوئی حکمراں آپ کی مجلس میں آنے والا ہوتا تو اس کی آمد سے قبل اٹھ کر اندرونِ خانہ چلے جاتے اور جب وہ آکر بیٹھ جاتا تو اندر سے تشریف لاتے تاکہ اس کے احترام میں آپ کو اٹھنا نہ پڑے۔

آپ کی مجلس وعظ میں کثیر تعداد میں لوگوں کا ہجوم ہوتا اور سب لوگ برابر فیضیاب ہوتے۔ ہر محفل میں لوگ آپ کی تقریر سن کر گناہوں سے

Marfat.com

تائب ہوتے اور بے شمار افراد شرک وکفر سے کنارہ کش ہوکر مومن کے طور پر باقی زندگی گزارنے کا عہد کرتے۔ آپ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور انھیں کھانا کھلایا کرتے تھے۔ صوفیہ کے ہاں کھانا کھلانے کی خاص اہمیت رہی ہے اور بیشتر صوفیہ کی خانقاہوں میں لنگر کا رواج رہا ہے۔ آپ بھی اس پر زور دیتے تھے اور دولت جمع کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ طلباء، غریب اور مسکین آپ سے مالی مدد حاصل کرتے تھے۔

طریقت:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ ماحول ہی روحانیت کا تھا۔ آپ کے والدین اور نانا جان کا تعلق اس طبقے سے تھا جو عبادت وریاضتِ الٰہی کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا چکا تھا۔ جن دنوں آپ بغداد میں زیرِ تعلیم تھے، آپ کے روابط شہر کے صوفیہ سے گہرے ہوگئے تھے۔ یہاں علم کے ساتھ ساتھ تصوف سے بھی آپ کا لگاؤ ہوگیا تھا۔ حصولِ علم کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت اور مجاہدے میں آپ کی خصوصی دلچسپی تھی۔ طریقت میں آپ کے رہنما بغداد کے مشہور صوفی حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یوں تو راہِ طریقت میں آپ وارفتہ تھے مگر تصوف میں بیعت وخلافت کا بھی سلسلہ چلتا ہے لہٰذا آپ نے شیخ ابوسعید مبارک مخزومی علیہ الرحمہ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کی۔ مرشد نے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا اور رسول اکرم ﷺ کا مبارک خرقہ جو کئی واسطوں سے ان تک پہنچا تھا آپ کو پہنایا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے سلسلۂ طریقت کو سلسلۂ قادریہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی اور یہ پوری دنیا میں مقبول ہوا۔ خاص طور پر برصغیر ہندوپاک

Marfat.com

اور جنوب ایشیا میں لاکھوں افراد آج بھی اس سلسلے سے متعلق ہیں۔ یہاں بعد میں شروع ہونے والے کئی سلاسل اسی سلسلے کی شاخیں ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کو ہندوپاک میں عموماً 'بڑے پیر' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ قمری سال کا چوتھا مہینہ ربیع الثانی، عوام میں 'بڑے پیر کا مہینہ' کے نام سے جانا جاتا ہے اور اس مہینے کی گیارہویں تاریخ میں عوام آپ کے نام سے نیاز دلاتے ہیں، جسے گیارہویں کا فاتحہ کہتے ہیں۔ عوام میں ان کے بارے میں کئی قسم کے اعتقادات مشہور ہیں اور منتیں بھی مانی جاتی ہیں، یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کے وظیفے اور مرغ پلاؤ کے نیاز کا رواج ہے۔ ان رسوم کی شرعی حیثیت کی بحث سے قطعِ نظر اِن باتوں سے برصغیر میں ان کی عوامی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسی زبردست قبولیت کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔

تصانیف:

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر بندگان خدا کی ہدایت ورہنمائی کے لئے درس وتدریس اور وعظ ونصیحت کے راستے کو اپنایا تو دوسری طرف آپ نے کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے کچھ آج بھی دستیاب ہیں اور کچھ زمانے کے دستبرد سے محفوظ نہیں رہ پائیں۔ جو کتابیں آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان میں، مشہور ترین کتاب 'غنیۃ الطالبین' ہے، جس میں روزمرہ پیش آنے والے فقہی مسائل کو سہل انداز میں لکھا گیا ہے۔ ساتھ ہی تصوف اور اخلاقیات پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ یہ کتاب عوام الناس کے استفادے کے لئے تحریر کی گئی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے مگر اس کے ترجمے اردو سمیت دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ 'فتوح الغیب' بھی شیخ عبدالقادر جیلانی کی

Marfat.com

تحریر کردہ کتاب ہے۔اس میں صوفیانہ موضوعات کو سہل انداز میں سمجھایا گیا ہے۔ یہ بے حد علمی کتاب ہے، جو اصل میں عربی زبان میں تحریر کی گئی تھی مگر اب اس کے کئی اردو ترجمے ہو چکے ہیں۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔آپ کی تقریروں کا ایک مجموعہ 'فتحِ ربانی' کے نام سے دستیاب ہے۔اس کتاب میں آپ کے درجنوں مواعظ ہیں اور کلمات وہی ہیں جو آپ کی زبان سے نکلے ہیں۔ اس کتاب کے مرتب آپ کے نواسے حضرت عفیف الدین مبارک ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ 'مکتوباتِ محبوبِ سبحانی' سرالاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار، جلاء الخواطر اور رسالہ غوث اعظم کو بھی آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔حالانکہ بعض محققین کو اس میں شک ہے کہ جو کتابیں آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، وہ آپ کی تصنیف ہیں بھی۔اسی طرح تذکرہ نگاروں نے آپ کو شاعر بھی لکھا ہے اور عربی قصائد و فارسی شعری مجموعوں کو بھی آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

ازدواجی زندگی:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لگ بھگ اکیاون سال کی عمر میں شادی کی اور یکے بعد دیگرے چار شادیاں فرمائیں۔ان بیویوں سے آپ کے انچاس لڑکے اور لڑکیاں ہوئے۔بعض بچپن میں ہی فوت ہو گئے مگر بیشتر زندہ رہے اور اپنی فطری عمر کو پہنچ کر انتقال کیا۔آپ کی اولاد میں بڑے بڑے علماء اور صوفیاء ہوئے۔

Marfat.com

تاریخ وفات:

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً اکیانوے سال کی عمر پائی اور ربیع الثانی ۵۶۱ھ میں انتقال فرمایا۔ تاریخ میں بہت زیادہ اختلاف ہیں، البتہ مشہور یہ ہے کہ گیارہویں تاریخ کو انتقال ہوا۔ بغداد میں آج بھی آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ یہاں ساری دنیا سے عقیدتمندوں کی آمد ہوتی ہے اور ایک مجمع سا لگا ہوتا ہے۔

(درج بالا مضمون کی تفصیلات نفحات الانس، غنیۃ الطالبین کے دیباچے، فتوح الغیب کے دیباچے اور سوانح غوث اعظم سے ماخوذ ہیں۔)

Marfat.com

عکسِ خیال

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ اُن صوفیہ میں سے ایک ہیں جنھیں عالمی شہرت حاصل ہے۔ عہدِ حاضر میں آپ کی تعلیمات سے واقفیت کا واحد ذریعہ وہ کتابیں ہیں جو آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ آپ کی کتابوں میں شریعت پر عمل کی خاص تلقین ملتی ہے۔ اسی لئے 'غنیۃ الطالبین' کا بیشتر حصہ فقہی مسائل پر مشتمل ملتا ہے۔ کتاب کے اخیر میں صوفیانہ موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح 'فتوح الغیب' میں بھی صوفیانہ اور اخلاقی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ ہم یہاں انھیں دونوں کتابوں سے ان کے افکار ونظریات پیش کریں گے۔

Marfat.com

توحیدِ خالص:

تصوف، کی بنیادی شرط ہے توحیدِ خالص۔ یعنی آدمی اللہ کے سوائے تمام مخلوقات سے اپنی بندگی اور ارادت کے رشتے منقطع کر لے۔ اللہ کی طلب میں پختہ ارادہ کر لے۔ اسی کی رضا چاہے اور خود کو اسی کی مرضی کے مطابق ڈھال لے۔ اس کی زندگی اور موت، خوشی وغم سب کچھ خدا کی مرضی کے تابع ہو جائے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''جس چیز کی عادت پڑ چکی ہو، اسے چھوڑ دینا ارادت کہلاتا ہے۔ ارادت کے اصل معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طلب میں مضبوطی سے دل لگایا جائے۔ خدا کے سواسب چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔ جب کوئی شخص آخرت اور دنیا کی لذات سے دل ہٹالیتا ہے تو اس کی ارادت خالص ہو جاتی ہے۔ سب کاموں سے اوّل ارادہ ہوتا ہے، پھر قصد اور پھر فعل۔ چنانچہ ہر سالک کے راستہ کی ابتدا ارادہ ہے۔ ہر قصد کرنے والے کی پہلی منزل کا نام ارادہ ہی ہے۔''
>
> (ترجمہ غنیۃ الطالبین، (امان اللہ خاں ارمانؔ سرحدی) صفحہ ۶۲۵)

اللہ کی طلب میں مضبوطی سے دل لگانا اور اس کے سواسب سے دلی تعلق توڑ لینا ارادت ہے اور یہی تصوف کا پہلا زینہ ہے۔ تصوف نام ہی ہے اللہ کی طلب کے راستے کا۔ یہاں غیر اللہ کے لئے کوئی جگہ نہیں بچتی۔ اسی لئے بعض صوفیہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ وارفتگی شوق میں اپنے کپڑے پھاڑ لیتے ہیں اور جنگلوں، بیابانوں کی طرف نکل پڑتے ہیں۔ انھیں دنیا ومافیہا کا قطعی خیال نہیں رہتا۔ یہ بے خودی کی کیفیت انھیں دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ ایسے ہی صوفیہ کے ایک گروہ نے وحدۃ الوجود کا نظریہ پیش کیا تھا۔ جو علماء اور صوفیہ کے دوسرے طبقے کے لئے قابلِ قبول نہیں

Marfat.com

تھا۔آج تک اس نظریے پر بحث جاری ہے مگر اصل بات یہ ہے جسے اللہ کے سوا کچھ بھی دکھائی نہ دیتا ہو وہ اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہے کہ 'دنیا میں بس اللہ ہی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں '

تمام عالمِ کُن ایک ذات کا مظہر
تمام حمد وثنا لاالہ الااللہ

اللہ پر بھروسہ:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور دیگر صوفیہ کی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور توحید کی تعلیم پر دیا جاتا ہے۔جس انسان کے دل میں اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ موجود ہوگا وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ خوداعتمادی کا مالک ہوگا۔وہ ساری دنیا سے بے خوف ہوگا اور حق وانصاف کے معاملے میں کسی کے دباؤ میں نہ آئے گا۔علاوہ ازیں اور بھی کئی خوبیاں ایسے انسان کی شخصیت میں پیدا ہوجائیں گی۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''جب بندہ مصائب میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے پہلے وہ کوشش کرتا ہے۔جب اس طرح نجات نہیں پاتا تو دوسروں مثلاً بادشاہوں، حکام اور دنیاداروں سے مدد طلب کرتا ہے اور اگر بیمار ہو تو دکھ درد سے بچنے کے لئے طبیبوں سے رجوع کرتا ہے۔اگر یہ بھی اس کو نجات نہ دلاسکیں تو وہ اپنے خالق و مالک کے دربار میں گڑگڑا کر دعاء کرتا ہے۔
>
> الغرض جب وہ خود اپنی مشکل سے نجات پاسکتا ہے، اس وقت تک دوسرے لوگوں سے مدد طلب نہیں کرتا اور جب تک وہ مخلوق سے

Marfat.com

امداد واعانت اور حاجت روائی پاتا ہے تو وہ اپنے خالق کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ جب خالق و مالک بھی اس کو نجات نہ دے تو وہ اس کے در پر گر پڑتا ہے اور آہ وزاری کرتا ہے، اور ہمیشہ اسی سے امید رحمت باندھے ہوئے خوف ورجا کی کیفیت سے دوچار رہتا ہے۔ جب اس پر بھی اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبولیت نہیں بخشتا تو وہ تمام ظاہری اسباب سے تعلق توڑ لیتا ہے۔ ایسے میں اس پر قضاوقدر کا عمل جاری ہوجاتا ہے، جو اسے تمام اسباب وعلائق سے بے نیاز کردیتا ہے۔ اس کے بعد وہ خود مٹ جاتا ہے اور روح باقی رہتی ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اسے فاعلِ حقیقی ہی کا عمل جانتا ہے۔ اس طرح وہ توحیدِ کامل کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔ الغرض وہ یقین کرلیتا ہے کہ فاعلِ حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور ہر حرکت وسکون اسی کی مرضی کے تابع ہے۔ خیروشر، سود وزیاں، جودوسخا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح نفع یا نقصان، موت وحیات عزت وذلت اور دولت مندی یا محتاجی اسی کے قبضہ وقدرت میں ہے۔" (فتوح الغیب، مقالہ ۳)

تصوف کی ابتدا اور انتہا توحید ہے۔ شرک کو یہاں دخل نہیں۔ اسی کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے مالک پر مکمل اعتماد تصوف میں لازم ہے۔ اس کے بغیر کوئی سالک، صوفی نہیں ہوسکتا۔ ساتھ ہی آدمی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مالک کی مرضی میں راضی رہے اور سراپا پیکرِ تسلیم ورضا بن جائے۔ اوپر کے اقتباس میں تمثیلی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آدمی رفتہ رفتہ اللہ کی ذات میں اعتماد کرنے لگتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ابتدا میں اس کا اعتقاد پوری طرح راسخ نہ ہو، مگر دھیرے دھیرے اس میں پختگی آتی جاتی ہے۔ خاص طور پر مصیبتوں اور پریشانیوں میں اس کا اعتقاد

Marfat.com

مزید پختہ ہو جاتا ہے، جب کوئی اسے سہارا نہیں دیتا تو اسے بس ایک ہی سہارا نظر آتا ہے اور وہ ہے اللہ کا سہارا۔ غیر ارادی طور پر انسانی شعور میں پختگی آتی جاتی ہے اور اس کا ایمان کامل ہوتا جاتا ہے۔

ہر طرف اسی کا جلوہ:

صاحب میرا ایک ہے دوجا کہا نہ جائے
دوجا صاحب جو کہوں صاحب کھڑا رسائے

اللہ ہے اور وہ ایک ہے۔ یہ دعویٰ محض ایک دعویٰ ہی نہیں، بلکہ کائنات کی ہر چیز اس دعوے کی دلیل ہے۔ اگر آدمی غور کرے تو دنیا کی ہر شے بتاتی ہے کہ کسی خالق و مالک کا وجود ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کو اپنے انداز میں بیان کرتے ہیں:

> ''عقلمند آدمی کو چاہئے کہ سب سے پہلے اپنے وجود اور ترکیب پر غور کرے، پھر تمام مخلوقات اور موجودات پر نظر کرے، اور ان سے ان کے خالق اور از سرِ نو پیدا ہونے والے پر دلائل پکڑے۔ کیونکہ صنعت اور مخلوق اپنے صانع اور خالق کی ہستی پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ تمام موجودات اس کی قدرت و حکمت سے ہیں۔''
>
> (فتوح الغیب، مقالہ ۴۷)

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

کائنات کا ذرہ ذرہ اِس حقیقت کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ ہمیں بنانے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔ بغیر بنانے والے کے کسی شے کا وجود نہیں ہو سکتا۔ زمین کے سینے کو

Marfat.com

چیر کر نکلنے والی گھاس بھی اپنے خالق و مالک کے ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز میں ایک حکمت و دانائی، کاریگری اور کارسازی نظر آتی ہے، جسے کوئی بھی باشعور انسان سمجھ سکتا ہے کہ اتنی حکمت کے ساتھ اشیاء کو پیدا کرنے والی ہستی خود بھی حکیم ہوگی۔

اسی طرح دنیا کا منظم نظام یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اسے چلانے والی ہستی ایک ہے۔ اگر کئی ہستیاں مل کر چلاتیں تو اس نظام میں اختلاف پیدا ہو جاتا اور سب کچھ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر درہم برہم ہو جاتا۔ ایک ہی ہستی ہے جو زمین، آسمان، چاند، سورج اور ستاروں و سیاروں کے نظام کو چلا رہی ہے۔ یہ سب اسی کی مرضی کے تابع ہیں۔ کائنات کی ہر شے مجبورِ محض ہے اور اسی کی مرضی کی پابند ہے۔

مرید کون؟

مرید کون ہوتا ہے؟ اس سوال کے مختلف جواب آپ کو ملیں گے مگر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ مرید کی خصوصیت لکھتے ہیں:

> ”ایسا شخص ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہنے والا ہوگا۔ اطاعت کرنے والا بھی وہی ہے، جو اللہ کے سوا سب سے منہ پھیر لے۔ اللہ کی اجابت کو سننے والا ہو۔ ایسا کرنے کے خواہشمند کے لئے لازم ہے کہ قرآن حکیم کے احکام پر عمل کرے، سنت پر قائم رہے اور اس کے سوا کسی اور بات کو نہ سنے۔ نورِ الٰہی کا مشاہدہ کرتا رہے۔ جو اس بات کا عامل ہوگا وہ اپنے اور باقی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے فعل کو دیکھے گا، اس کے سوا اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے آدمی کے لئے لازم ہے کہ قرآن اور سنت پر عمل کرے، اللہ کے نور کے مشاہدہ کے سوا اور کچھ نہ دیکھے۔ باقی چیزوں سے اپنی آنکھیں بند کرے۔ اللہ کے سوا

Marfat.com

کوئی فاعل نہ جانے بلکہ صرف ایک سبب ذریعہ سمجھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، اے! اللہ جو تیری دوستی پیدا کرے، وہ دوستی دوسری چیزوں کو دیکھنے سے اندھا کر دیتی ہے۔ یعنی تیرا جمال جہاں آرا ایسا ہے کہ تیرے حسن کے مقابلے میں تیرے دوست کو ساری دنیا کا حسن تیرہ و تاریک دکھائی دیتا ہے، جو تیرا ذکر سننے والا ہو، اسے دنیا کے باقی اذکار سننے کا احساس تک نہیں ہوتا، بلکہ اس کے سننے سے اس کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ تیرا دوست تیرے سوا کسی اور کی محبت نہیں رکھ سکتا۔ نہ کسی اور چیز کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اس کا ارادہ بالکل خالص ہوتا ہے۔" (اردو ترجمہ غنیۃ الطالبین، صفحہ ۶۲۶)

تم نہیں کوئی تو سب میں نظر آتے کیوں ہو
سب تمہیں تم ہو تو پھر منہ کو چھپاتے کیوں ہو

آج کل رسمی پیری مریدی کے سلسلے عام ہیں مگر حقیقی مرید بننا کتنا مشکل کام ہے وہ اوپر کی عبارتوں کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے۔ حقیقت میں یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ سہل پسندی کا نام مریدی نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ آج کل بیشتر پیروں کو بھی حقیقی مریدی کا علم نہیں۔ اوپر کے اقتباس کو ایک بار پھر پڑھئے اور غور کیجئے کہ مریدی کے لئے کیا کیا شرطیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) مرید اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ حاضر رہنے والا ہوگا۔ (۲) اللہ کی اطاعت کرنے والا ہوگا۔ (۳) اللہ کے سوا سب سے منہ پھیرنے والا ہوگا۔ (۴) قرآن اور سنت پر عمل کرنے والا ہوگا۔ (مرید بننا اتنا مشکل ہے تو پیر بننا کتنا مشکل ہوگا؟)

یہاں ایک بات قابلِ توجہ ہے کہ مخالفین تصوف عام طور پر تصوف پر غیر اسلامی ہونے کا الزام لگاتے ہیں، مگر یہاں اس بات پر زور ہے کہ مرید وہی ہو سکتا ہے جو اللہ

Marfat.com

و رسول کے احکام پر عمل کرے اور اللہ کے سوا کسی دوسرے کی دوستی کا دم نہ بھرے۔ یہ بات صوفیہ کی تعلیمات میں بہ کثرت ملتی ہے۔ جو شخص تصوف اور صوفیہ کی تعلیمات کا مطالعہ کرے گا وہ اس الزام کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔

تصوف کے مخالفین اسے مشرکانہ اور مبتدعانہ طریقہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ توحیدِ خالص صرف یہیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کے علاوہ جس توحید کا ڈھنڈھورا پیٹا جاتا ہے وہ کچھ اور ہو سکتا ہے توحید نہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''سنت مصطفیٰ ﷺ پر عمل کرو، بدعات سے دور رہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کی اتباع کرو اور ان کے فرمان سے باہر قدم نہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کو واحد جانو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اسکی پاکیزگی پر ایمان رکھو، اس پر بہتان نہ دھرو، اس کی تصدیق کرو اور شک کو راہ نہ دو۔ صبر اختیار کرو، دلبر داشتہ نہ ہو، ثابت قدم رہو، پیچھے نہ ہٹو۔ اس سے التجا کرو اور رنجیدہ خاطر ہونے کی بجائے انتظار کرو۔ اللہ کی رحمتِ کاملہ کے امیدوار رہو اور ناامید نہ ہو۔''

(اردو ترجمہ فتوح الغیب، (مترجم محمد عبدالاحد قادری) مقالہ ۲)

کیا اسلام اس کے علاوہ بھی کچھ ہے، جو کہ اوپر کی عبادت میں بیان کیا گیا۔ اس کے علاوہ توحیدِ خالص کیا ہو سکتا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر سنت کی طرفداری کیا ہو سکتی ہے؟ اصل میں توحید خالص کا جو تصور صوفیہ پیش کرتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی توحید ہو ہی نہیں سکتا۔

زمیں، پہاڑ، سمندر، ہوا، گھٹا، جنگل
ہر اِیک شے کی ادا لاالٰہ الااللہ

Marfat.com

تسلیم و رضا:

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اے! محتاج اگر دنیا اور اہل دنیا نے تجھ سے منہ موڑ لیا ہے، اگر تو گمنام اور بھوکا پیاسا ہے، اگر برہنہ جسم، پیاسا جگر ہر گوشۂ زمین، مسجد اور ویرانے سے دھتکارا ہوا ہے، اگر تو اسی طرح ہر دروازے سے لوٹایا ہوا ہے، ہر مراد سے محروم ہے۔ اے! شکستہ ارمانوں اور آرزوؤں سے بھرے دل والے، ہرگز تو یہ بات نہ کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تنگدست اور محتاج بنایا ہے اور دنیا تجھ سے اٹھالی ہے، اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ اس نے مجھے پریشان کیا سکونِ قلب نہیں دیا۔ اس نے مجھے رسوا کیا ہے۔ دنیا میں سے کفایت بھر نہ دیا، اس نے مجھے گمنام بنایا۔ میرے بھائیوں اور مخلوق میں مجھے رفعت اور منزلت نہیں بخشی۔ دوسروں کو اس نے اپنی عظیم نعمتیں عطا فرمائیں۔ وہ رات دن اس کی عظیم نعمتوں میں محو ہیں۔ انھیں اس نے مجھ پر اور میرے ہمسایوں پر فضیلت دی ہے۔ حالانکہ ہم دونوں ایماندار اور مسلمان ہیں اور ہماری والدہ حضرت حوا اور ہمارے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ تو نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ یہ سب کیوں کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ تیری مٹی ریت سے پاک اور عمدہ ہے اور صبر و رضا، علم و یقین اور موافقت کی صورت میں رحمتِ الٰہی کی بارش تجھ پر مسلسل برسنے والی ہے، اور تیرے ایمان و توحید کی روشنیاں جمع ہونے والی ہیں۔ تیرے ایمان کا درخت اپنی بنیاد اور جڑ کے اعتبار سے مضبوط، قائم اور ثمردار بڑھنے والا گھنا اور بلند شاخوں والا ہے۔ اس میں ہر روز زیادتی اور

Marfat.com

نمو ہے۔ لہٰذا اسے پرورش کے لئے کسی کھاد وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے معاملے کو اس پر پورا کردیا اور تجھے آخرت میں جنت عطا فرمائی اور تجھے اس کا مالک بنایا۔ اسی طرح وہ آخرت میں تجھے ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا کہ نہ اسے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل پر ان کا وہم وگمان گزرا ہے۔" (فتوح الغیب، مقالہ ۲۵)

دنیاوی دولت کی کمی، عیش وعشرت کے سامان کی قلت اور ظاہری جاہ وحشم کا نہ ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ بندے کی طرف اللہ کی نگاہِ رحمت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو اللہ نے دنیا کی دولت دی ہے اور تیرے لئے آخرت کی نعمتوں کو پسند فرمایا ہے۔ عام طور پر دنیاوی شان وشوکت سے محرومی کے سبب لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔ انھیں مایوسی ہونے لگتی ہے اور دوسروں کو اچھی حالت میں دیکھ کر وہ خود پر اور اپنی قسمت پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں مگر یہ کوئی مایوسی کی بات نہیں بلکہ ایسے حالات میں انسان کو صبر کرنا چاہئے اور اسے یہ سوچنا چاہئے کہ کسی کو اگر اللہ نے دنیا میں جاہ وحشمت عطا فرمائی ہے تو مجھے آخرت میں عطا فرمائے گا۔ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے مگر آخرت کی دائمی ہے۔ پھر ناشکری کرنے سے تو حالات نہیں بدل جاتے، اب ایسے میں ناشکری کا مظاہرہ کرنے سے کیا فائدہ۔ البتہ تکلیف دہ حالت میں بھی اللہ کے سامنے صبر ورضا کے مظاہرے سے اس کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگ تو دنیاوی نقصان اور خود کو دوسروں کے مقابلے کمتر محسوس کرکے ڈپریشن کے شکار ہوجاتے ہیں۔ ڈپریشن کے شکار مریض دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور دن بہ دن ان کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ اس مرض کا سب سے بڑا سبب اللہ کی مرضی میں راضی نہ ہونا ہے۔ اچھے برے حالات زندگی کا حصہ ہیں جو اللہ کی طرف سے مقدر ہیں۔ انسان چاہ کر بھی انھیں نہیں بدل سکتا، ایسے میں اس کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم

Marfat.com

نہ کرنا، ڈپریشن کا سبب بنتا ہے۔ توحیدِ خالص بھی یہی ہے کہ انسان ہر حالت میں اللہ کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم کردے۔ اس کی مرضی میں راضی رہے۔

قدم قدم پہ مرے پاؤں ڈگمگاتے ہیں
شکستہ حال ہوں مجھ کو سنبھال دے اللہ

مومن کی صفات:

ایمان والے کے اندر بہت سی صفات ہونی چاہیئں۔ ان صفات کے بغیر انسان، کامل مومن نہیں ہوسکتا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان صفات کو تین سطروں میں بیان کردیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ہر مومن مسلمان کے لئے تمام حالات میں تین باتوں پر مضبوطی سے قائم رہنا ضروری ہے۔

اول، اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے۔

دوم، تمام ناپسندیدہ کاموں سے پرہیز کرنا ہے۔

سوم، جو کچھ اللہ رب العزت سے مقدر ہے اس پر راضی رہنا۔''

(فتوح الغیب، مقالہ ۱)

اصل میں ان تین سطور میں بہت بڑی بڑی شرطیں بیان کردی گئی ہیں۔ ایمان کی ابتدا ہی یہاں سے ہوتی ہے کہ آدمی اللہ کی ذات وصفات کا اقرار کرتے ہوئے، اسکے تمام احکام پر عمل کا پختہ ارادہ کرلے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ مومن بھی رہیں اور غیر اللہ کے احکام کی پابندی بھی کریں۔ قانون بنانے کا حق اللہ کا ہے، بندوں کا نہیں اور اللہ نے اپنے قوانین کا مجموعہ ہمیں قرآن کی شکل میں دے دیا ہے، اب ان احکام وقوانین کے مقابلے

Marfat.com

کسی دوسرے قانون کی گنجائش نہیں بچی۔ ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ اسی پر عمل کرے۔ بغیر اس کے وہ مکمل مومن نہیں ہوسکتا۔ مومن کے لئے دوسرا حکم یہ ہے کہ وہ تمام ناپسندیدہ باتوں کو چھوڑ دے۔ جو ناپسندیدہ یا دوسرے لفظوں میں ناجائز وحرام افعال ہیں ،ان کی نشاندہی بھی قرآن میں کردی گئی ہے۔ ان کاموں سے اجتناب کرنا ہر مومن کے لئے ضروری ہے۔ مومن کے لئے تیسرا حکم یہ ہے کہ وہ اللہ کی مرضی میں راضی رہے۔ اصل میں اِس دنیا میں بہت سے مسائل صرف اس لئے جنم لیتے ہیں کہ انسان اللہ کی مرضی میں راضی نہیں رہتا۔ اس کے اثرات اس کی ذہنی حالت پر بھی پڑتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ مومن اللہ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔ توحید کی تکمیل بھی تب ہی ہوتی ہے جب بندہ مکمل طور پر اللہ کی مرضی کے تابع ہوجائے۔

مومن کی آزمائش:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے مومن بندہ کو اس کی قوت ایمان کے مطابق آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے، تو جس کا ایمان زیادہ قوی ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے۔ رسول کی آزمائش نبی کی آزمائش سے بڑھ کر ہوتی ہے، کیونکہ رسول کا ایمان نبی کے ایمان سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ پھر نبی کی آزمائش ابدال سے زیادہ بڑی ہوتی ہے۔ اس طرح ابدال کی آزمائش ولی کی آزمائش سے زیادہ ہے، کیونکہ ہر ایک کی آزمائش اس کے ایمان ویقین کی پختگی کے مطابق ہے۔ اس کی بنیاد رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے ،بیشک ہم گروہِ انبیاء کی مصیبت وآزمائش عام لوگوں سے سخت تر ہوتی ہے۔'' (فتوح الغیب، مقالہ ۲۲)

Marfat.com

ہر آدمی کی زندگی میں کچھ اونچ نیچ آتا رہتا ہے مگر جو لوگ ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں، ان پر آزمائشوں کے دور بھی زیادہ آتے ہیں۔ سب سے پختہ ایمان رسولوں کا ہوتا ہے، پھر انبیاء کا گروہ ہے۔ لہٰذا اس جماعت کی آزمائش بھی اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ سب سے سخت تر آزمائش۔ تاریخ گواہ ہے کہ انبیاء ورسل کو ان کی قوموں نے کس کس طرح سے ستایا۔ کسی کو آرے سے چیرا گیا تو کسی کو پانی میں ڈبویا گیا۔ کسی کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا تو کسی کو سولی پر چڑھانے کی کوشش ہوئی۔ نبی آخرالزماں ﷺ کو طائف کی گلیوں میں اس قدر پتھر مارے گئے کہ آپ کا پورا جسم لہو لہان ہو گیا۔ آج بھی اگر کوئی انسان سچائی کے راستے پر چلنا چاہتا ہے تو اس کے راستے میں دشواریاں کھڑی کی جاتی ہیں۔ طرح طرح سے اسے ستایا جاتا ہے، پریشان کیا جاتا ہے اور زندگی دوبھر کر دی جاتی ہے، لیکن سچے انسان کی خوبی یہی ہے کہ وہ ان آزمائشوں سے گزرتا جاتا ہے اور کبھی سچائی اور ایمانداری کے راستے سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتا۔

خیر وشر کی حقیقت:

انسانی اعمال کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ اچھے اور برے۔ اچھے اعمال انسان، انسانی سماج اور آخرت کے لئے مفید ہیں اور برے اعمال، ان سب کے لئے نقصاندہ۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اسے تمثیلی انداز میں پیش کرتے ہیں:

> ”خیر وشر ایک درخت کی دو ٹہنیاں ہیں۔ ایک ٹہنی میں میٹھا پھل لگتا ہے اور دوسری ٹہنی میں کڑوا۔ تو ان شہروں، ملکوں اور کناروں کو چھوڑ دے جس میں اس درخت کے پھل بھیجے جاتے ہیں۔ ان

Marfat.com

سے اور وہاں کے لوگوں سے دور رہ اور درخت کے قریب ہو کر اس کی حفاظت اور نگہبانی کی خدمت سرانجام دے۔ دونوں شاخوں، میووں اور آس پاس کو اچھی طرح پہچان کر میٹھی شاخ کی طرف ہو جا۔ اسی میں سے تجھے اپنی غذا مل جائے گی اور تو دوسری ٹہنی کی طرف بڑھنے اور اس کا پھل کھانے سے پرہیز کر، کیونکہ اس کی تلخی تیری ہلاکت کا باعث بن جائے گی۔ اگر تو اس حال پر ہمیشگی اختیار کرے گا تو راحت، امن اور تمام آفتوں سے سلامت رہے گا۔ اس لئے کہ آفات اور قسم قسم کی بلائیں اس کڑوے پھل سے پیدا ہوتی ہیں۔" (فتوح الغیب، مقالہ ۲۷)

کرتا تھا تو کیوں رہا، اب کاہے پچھتائے
بویا پیڑ ببول کا تو آم کہاں سے کھائے

اچھائی اور برائی اس دنیا کی دو حقیقتیں ہیں۔ اچھائی کا اثر آبادی اور برائی کا اثر بربادی ہے۔ آدمی اگر آبادی اور خوش حالی چاہتا ہے تو اسے اچھائی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور برائی و بربادی کے راستے سے دور رہنا چاہئے۔ آج کل کے بیشتر مسائل اسی برائی یا خلاف فطرت انسانی روش کے نتیجے میں پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کا بہت سادہ سا، حل یہ ہے کہ آدمی عین فطرت کے تقاضوں کے مطابق روش اپنائے اور خلافِ فطرت کاموں سے باز رہے۔ جب وہ برے کام کرے گا یا فطرت کے خلاف چلے گا تو اس کا نتیجہ بھی بربادی کے سوا کچھ اور نہیں نکلے گا۔ خلافِ فطرت روش کا ایک اور انجام یہ ہے کہ انسان کی آخرت بھی خراب ہوتی ہے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور آخرت میں آدمی وہی پائے گا جو دنیا میں اس نے کمایا ہوگا لہٰذا آخرت کو اگر بہتر کرنا ہو تو بھی آدمی کو دنیا میں شر کا ساتھ چھوڑ کر خیر کے ساتھ ہو جانا چاہئے۔

Marfat.com

دنیا و آخرت:

دنیا میں آدمی جو کچھ کرے گا اس کی جزا یا سزا اسے آخرت میں ملے گی۔اس لئے دنیا میں کوئی بھی عمل کیا جائے اس کے نتیجے پر نظر رکھ کر۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تو اپنی آخرت کو اصل سرمایہ اور اپنی دنیا کو اس کا نفع بنا۔تو سب سے پہلے اپنا وقت آخرت کے حصول میں صرف کر۔ہاں اگر اس سے کچھ وقت بچ جائے تو اسے ذریعۂ معاش کی طلب میں صرف کر اور اپنی دنیا کو اصل مال اور آخرت کو اس کا نفع نہ بنا، پھر اگر کچھ وقت بچ رہے تو اسے کارِ آخرت میں صرف کر۔پانچ وقت کی نمازیں اور دیگر ارکان وواجبات اطمینان وتسلی کے بغیر جلدی جلدی ادا کرے یا بار وتکلیف سمجھتے ہوئے، سرے سے ادا ہی نہ کرے اور سو جائے۔تیری شب لہو ولعب میں اور دن خواہشات کی پیروی میں گزر جائے۔اور تو شیطان کی پیروی کرنے والا دنیا کے بدلے آخرت کو بیچنے والا، نفس کا غلامِ بے دام بن جائے حالانکہ تجھے نفس کو مغلوب کرنے، اسے سلامتی کے راستوں پر چلانے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ سلامتی کے راستے اس کے مولیٰ کی عبادت کے راستے ہیں۔''

(فتوح الغیب، مقالہ ۳۶)

انسان، اس دنیا میں دنیا کمانے نہیں آیا ہے بلکہ آخرت کمانے آیا ہے۔زندگی صرف ایک بار ملتی ہے دوبارہ نہیں ملتی، لہٰذا عقلمندی کا تقاضہ یہی ہے کہ آدمی اس زندگی کو غنیمت جانے اور اسے اللہ کی عطا تصور کرتے ہوئے، اس کا استعمال آخرت بنانے کے لئے کرے۔جہاں دنیا کا ہر شخص 'بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست' میں یقین

Marfat.com

رکھتا ہو وہاں آخرت رخی زندگی گزارنا مشکل ہے، مگر جو لوگ آخرت کی اہمیت کو سمجھتے ہیں، وہ اسی عالم میں دوسروں کے برعکس ایک با مقصد زندگی جیتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اس سلسلے میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ، دنیا و آخرت دوسوکنیں ہیں کہ اگر ایک کو راضی کرے گا تو دوسری تجھ سے ناراض ہو جائے گی۔ وہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''جو شخص آخرت کی بھلائی چاہتا ہے اسے چاہئے کہ نفس اور اسبابِ دنیاوی سے بے رغبت ہو جائے۔'' (فتوح الغیب، مقالہ ۵۴)

اوپر کے اقتباس میں دنیاوی اسباب کو چھوڑنے کی بات نہیں کہی گئی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ رہبانیت کی بات ہوتی۔ یہاں صرف بے رغبتی کی بات کہی گئی ہے۔ تصوف میں رہبانیت کا نہیں، صرف بے رغبتی کا حکم ہے۔ اسباب تو زندگی کا حصہ ہیں۔ زندگی قائم رکھنے کے لئے ان کی ضرورت ہے، لیکن بے رغبتی سے آدمی، مادہ پرستی اور زر پرستی سے بچ سکتا ہے، جو آخرت کی بھلائی کے لئے لازم ہے۔

مال و دولت:

مال و دولت انسان کی ضرورت کی چیز ہے۔ اس کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی۔ صوفیہ کا خیال ہے کہ آدمی صرف اتنی دولت حاصل کرے، جتنی کہ اس کی ضرورت کے لئے کافی ہو۔ اسی کے ساتھ اسے چاہیے کہ جب اللہ دولت دے تو وہ اس کی محبت میں کھو کر اللہ کو فراموش نہ کرے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ تجھے مال و جائداد عطا فرمائے تو اس مال و دولت کی وجہ سے اس کی عبادت سے منہ پھیرے تو اللہ تعالیٰ تجھے دنیا و آخرت میں حجاب قائم کردے گا۔ اور ایسا بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرا مال

Marfat.com

ودولت چھین لے اور تیرا حال بدل دے اور منعم حقیقی سے منہ موڑ کر اس کی دی ہوئی نعمت میں مشغول ہونے کی سزا کے طور پر وہ تجھے محتاج کر دے۔ اگر تو نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجا آوری میں مال ودولت کو حائل نہ ہونے دیا تو وہ مال، دولت ہمیشہ کے لئے تجھے بخش دیا جائے گا اور اس میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوگی۔ تو اپنے مولیٰ کریم کا خادم اور مال ودولت تیری خادم ہوگی، پھر تو دنیا میں ناز ونعمت کی زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں عزت واکرام اور خوشحالی سے جنت الماویٰ میں صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔"

(فتوح الغیب، مقالہ ۱۲)

دولت بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے مگر تب جب اس کا استعمال آخرت کمانے کے لئے کیا جائے۔ اگر اسے دنیا کی عیش وعشرت پر خرچ کیا جائے یا برے کاموں میں لگایا جائے تو یہ دولت مصیبت بھی بن جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ دولت انسان کو اس کے پروردگار سے غافل بھی کر دیتی ہے۔ یہ غفلت دولت کے زوال کا سبب بن سکتی ہے اور شکر کے سبب یہ برقرار رہ سکتی ہے۔ اس لئے اگر دولت مل جائے تو آدمی کو دولت دینے والے مالک سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ دولت پر خدا کا شکر ادا کرنے سے آخرت کا بھی بھلا ہوگا۔

حسد کی برائی:

حسد اور جلن ایک قسم کی نفسیاتی برائی ہیں۔ حسد سے آدمی کا کچھ بھلا نہیں ہوتا بلکہ الٹا وہ اپنے اندر کی آگ میں جلتا اور کڑھتا رہتا ہے۔ اس برائی کو صوفیہ پسند نہیں کرتے۔ تصوف میں تو ہر شخص کی خیر خواہی کا حکم ہے۔ یہاں ہر کسی کے ساتھ اچھا

Marfat.com

برتاؤ کرنے کو کہا گیا ہے۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اے مومن! کیا بات ہے میں تجھے اپنے ہمسائے کا حاسد دیکھتا ہوں۔تو اس کے کھانے، پینے، لباس ومکان، عورت ومال اور مولیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور اس کی عطا پر حسد کرتا ہے۔ تجھے معلوم نہیں، حسد ایک خطرناک مرض ہے، جو ایمان کو کمزور اور مولیٰ سے دور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث ہے۔ کیا تو نے رسول اکرم ﷺ کی وہ حدیث نہیں سنی کہ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ، حسد کرنے والا میری نعمتوں کا دشمن ہے۔''

(فتوح الغیب، مقالہ ۳۷)

ہر آدمی کو اس کے مقدر کا حصہ ملتا ہے۔نہ اس میں ذرہ برابر کمی ہوتی ہے اور نہ بیشی۔جب کسی کو اس کے حصہ کی نعمت ملی ہے تو اس کی بربادی کی آرزو کرنا گویا اللہ کی مرضی میں راضی نہ ہونا ہے۔انسان جس طرح اپنے لئے اچھی خواہش رکھتا ہے اسی طرح دوسروں کے لئے بھی اسے اچھی خواہش رکھنی چاہئے۔دوسروں کی برائی چاہنا انسانیت کے خلاف بھی ہے۔ویسے بھی کسی کے چاہنے سے کسی کا برا نہیں ہوسکتا تو پھر کیا حاصل کسی کی برائی کی چاہت کرکے۔

ہم سے مجبور کا غصہ بھی عجب بادل ہے
اپنے ہی دل سے اٹھے اپنے ہی دل پر برسے

☆☆☆

Marfat.com

امیر کاروانِ الفت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیب جملہ علتہائے ما

امیر کاروان الفت شاہِ دیارِ محبت حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ دنیا کے ان چند اہل علم میں سے ایک ہیں جنہوں نے عقل و عشق کے درمیان امتزاج پیدا کیا اور جنہیں دنیا کے سبھی مکاتب فکر یکساں طور پر احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کے علمی مرتبے کے سامنے جس طرح مشرق سر تسلیم خم کرتا ہے اسی طرح مغرب سر عقیدت جھکاتا ہے۔ افغانستان، ایران اور ترکی انھیں اپنا شاعر مانتے ہیں مگر آج رومی کی بازیافت کی کوشش ایشیا ہی نہیں پوری دنیا میں ہو رہی ہے۔ مشرق انھیں پڑھتا ہے اور سر دھنتا ہے۔ مغرب انھیں پڑھتا ہے اور کسب زر کے راستے تلاش کرتا ہے۔ رومی ایسے شاعر ہیں جنہوں نے ایک عالم کو متاثر کیا ہے اور مرور زمانہ کے ساتھ ان کی معنویت بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کے فلسفے کو سمجھنا جتنا آسان ہے اتنا ہی مشکل ہے۔ وہ ایک عظیم شاعر، خطیب، فقیہ، صوفی اور فلسفی تھے۔ مگر عشق سے آشنائی نے ان کے انداز فکر میں انقلاب پیدا کر دیا اور اسی کی بدولت وہ آج تک زندہ ہیں اور صبح قیامت تک بہ صورتِ عشق زندہ رہیں گے۔ ع

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شر بعشق

Marfat.com

ولادت اور خاندان:

رومیؔ کی پیدائش ۶۰۴ ھ میں ہوئی۔ قیاس ہے کہ تاریخ ۳۰ ر ستمبر ۱۲۰۷ء تھی۔ حالانکہ آپ کی تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔ بلخ کے خطہ کو آپ کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ ایک مردم خیز علاقہ ہے جہاں بڑے بڑے اہل علم اور صوفی پیدا ہوئے۔ فی الوقت یہ افغانستان کا حصہ ہے مگر عہد رومی میں یہ ملک خراسان کا دارالسلطنت تھا اور شاہ علاء الدین محمد بن تاکیش تخت نشیں تھا۔ والد ماجد کا اسم گرامی بہاء الدین ولد تھا جو بلند پایہ عالم دین، فقیہ اور خطیب تھے۔ سلطان العلماء کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ والدہ محترمہ کا نام مومنہ خاتون تھا۔ رومی نسبی اعتبار سے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ آپ کے والد نے جلال الدین محمد نام رکھا تھا مگر جلال الدین رومی کے نام سے شہرت پائی، عرف عام میں مولانا روم بھی کہا جاتا ہے۔ شاعری میں خموشؔ تخلص کرتے تھے۔

ہجرت:

رومی کے بچپن کے ایام، سفر میں بیتے۔ بلخ کے سیاسی حالات اچھے نہیں تھے۔ دوسری طرف چنگیز خاں ایک طوفانِ بلاخیز بن کر اٹھا تھا۔ اس کی تاراجی سے کوئی علاقہ محفوظ نہیں تھا۔ ایسے میں بہاء الدین ولد کے لیے بلخ میں قیام دشوار تھا۔ لہٰذا آپ اپنے خاندان کے ساتھ شہر سے نکل پڑے۔ اس خاندان کا پہلا پڑاو وخش تھا۔ یہ علاقہ تاجکستان میں ہے اور دوشنبے سے ۶۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ وخش کے بعد نیشاپور اور بغداد میں یہ خاندان مقیم رہا۔ نیشاپور میں معروف شاعر فریدالدین عطار سے رومی کی ملاقات ہوئی۔ عطار نے آپ کو اپنی کتاب ''اسرار نامہ'' کا ایک نسخہ تحفے کے طور پر دیا اور آپ کی قابلیت سے متاثر ہو کر شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کی۔ تب آپ کی عمر تقریباً دس سال تھی۔

Marfat.com

رومی کا خاندان بغداد سے حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوا اور ۱۲۱۷ء میں حج سے فارغ ہوکر دمشق ہوتے ہوئے ملاطیہ آیا۔ یہاں تقریباً چار سال تک اس خاندان کا قیام رہا۔ بعض روایات کے مطابق آکشہر میں اقامت رہی۔ یہاں فخرالدین بہرام شاہ کی ملکہ عصمتی خاتون نے اس غریب الوطن خاندان کی کفالت کی۔ یہاں سے رخصت کے بعد لارندے میں قیام رہا اور پھر قونیہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ قونیہ تب روم کا حصہ تھا مگر اب ترکی میں واقع ہے۔ لارندے میں رومی کا خاندان تقریباً سات سال تک ٹھہرا تھا۔ یہاں آپ کے والد بہاءالدین ولد شاہی مدرسے میں درس دیا کرتے تھے۔ یہیں رومی سن بلوغ کو پہنچے اور یہیں آپ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ قبراسی شہر میں ہے لیکن اب اس کا نیا نام کرامان ہے۔

قونیہ میں:

بہاءالدین ولد، سلطان علاءالدین کی دعوت پر قونیہ آئے۔ جب سلطان نے انھیں یہاں آنے کی دعوت دی تو انھوں نے یہ کہتے ہوئے سلطان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا کہ میں ایسے شخص کا مہمان نہیں ہوسکتا جو شرابی ہو اور اس کے دربار میں رقاصائیں رقص کرتی ہوں۔ چنانچہ سلطان نے ان دونوں باتوں سے توبہ کی اور بہاءالدین ولد اپنے خاندان کے ساتھ قونیہ آگئے۔ سلطان خود خیر مقدم کے لیے شہر پناہ تک آیا۔ دیگر عمائدین سلطنت اور علماء ہمراہ تھے۔ پورا شہر نگاہیں فرشِ راہ کئے ہوئے تھا۔ ہر زبان پر خیر مقدمی کلمات تھے۔ بادشاہ نے بطور احترام سلطان العلماء کے گھٹنوں کو بوسہ دیا اور محل میں قیام کی پیشکش کی مگر مدرسے و خانقاہ میں اقامت کو پسند کرتے ہوئے اس پیشکش کو ٹھکرادیا۔ مدرسہ آلتونیہ میں مقیم ہوکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ ۱۲۲۹ء کی بات ہے۔ تب مولانا رومی کی عمر تقریباً ۲۲ سال تھی اور

Marfat.com

آپ کے بڑے بھائی علاء الدین ۲۴ سال کے تھے۔قونیہ میں پہلے بڑے بھائی کا انتقال ہوا پھر ۱۲۳۱ء میں والد محترم حضرت بہاء الدین ولد نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔مرحوم کی عمر ۸۰ سال تھی۔شاہی باغیچے میں دفن کیے گئے اور قبر کے کتبے پر سلطان العلماء، مفتی شرق وغرب کے خطابات تحریر کیے گئے۔

شادی واولاد:

لارندے یا کرامان حضرت رومی کی زندگی میں اہم پڑاؤ ہے۔یہاں قیام کے دوران ۱۷ سال کی عمر میں آپ کی شادی گوہر خاتون سے ہوگئی۔یہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔یہ خاندان حضرت بہاء الدین ولد کا معتقد تھا۔آپ کی شادی ۱۲۲۴ء میں ہوئی۔شادی کے دو سال کے اندر دو بچے تولد ہوئے۔بڑے کا نام علاء الدین اور چھوٹے کا سلطان ولد رکھا گیا۔۵ برس کی ازدواجی زندگی کے بعد گوہر خاتون کا انتقال ہوگیا تو آپ نے دوسرا نکاح کیا۔اہلیہ کا نام کرہ خاتون تھا۔ان کے بطن سے مظفر الدین چلیبی پیدا ہوئے۔یہ مولانا کے انتقال کے بعد ۱۹ سال تک زندہ رہیں۔کرہ خاتون خود صوفیہ تھیں اور علمی اعتبار سے بلند مرتبہ رکھتی تھیں۔مولانا ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔

تعلیم وتربیت:

مولانا جلال الدین رومی بچپن سے ہی اپنے خاندان کے ساتھ سفر میں رہے مگر آپ کے والد نے آپ کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ رکھی۔آپ فطری طور پر ذہین اور صاحب فہم وفراست تھے۔لہٰذا آپ کے فطری جواہر بچپن سے ہی ظاہر ہونے لگے

Marfat.com

تھے۔ جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو مروجہ علوم معقولات و منقولات میں مہارت پیدا کر چکے تھے اور قونیہ میں اپنے والد کے نائب کے طور پر درس و تدریس کی خدمات انجام دینے لگے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ قونیہ کے مدرسے میں جہاں رومی اپنے والد کے ساتھ رہتے تھے وہاں ان سے آپ درس بھی لیتے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد ان کے خاص شاگرد حضرت برہان الدین نے آپ کو اپنی سرپرستی میں لے کر روحانی نگہداشت شروع کر دی۔ تعلیم کے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھانے کی غرض سے انھوں نے علیپو اور دمشق وغیرہ کے سفر پر بھیج دیا۔ ایک مدت گزار کر آپ قونیہ آئے تو برہان الدین رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کا امتحان لیا۔ ہر سوال کے آپ نے تسلی بخش جواب دیئے تو وہ خوش ہو گئے اور پاؤں کے تلوؤں کو بوسہ دے کر فرمایا واللہ تم علم میں اپنے والد سے سو گنا آگے نکل چکے ہو۔

مشاغل:

قونیہ کا مدرسہ حضرت بہاء الدین اور ان کی اولاد کے لیے وقف تھا۔ لہٰذا رومی نے یہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ تفسیر، حدیث، علم فقہ کے ساتھ ساتھ علم الکلام، ریاضی، منطق، فلسفہ اور علم نجوم میں آپ کو مہارت حاصل تھی۔ اچھے خطیب تھے اور مسلک امام ابو حنیفہ پر کار بند تھے۔ اسی کی تعلیم دیا کرتے تھے مگر اس دور کے رواج کے مطابق تصوف کی کتابیں بھی آپ نے پڑھی تھیں۔ آپ کے والد صوفی تھے اور آپ کا بھی صوفیہ سے تعلق تھا مگر شخصیت پر صوفیانہ رنگ کے بجائے عالمانہ رنگ چھایا ہوا تھا۔ علمی شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور مشکل مسائل بھی آسانی سے حل فرما دیتے تھے، مگر آپ پر عارفانہ اور عاشقانہ رنگ تب چھایا جب شمس تبریزی نے آپ کی زندگی میں قدم رکھا۔

Marfat.com

طلوعِ شمس:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

مولانا جلال الدین رومی کی زندگی میں شمس تبریزی کی آمد کسی طوفان کی طرح ہوئی۔ اس طوفان نے سب کچھ زیروزبر کردیا۔ حیات کا نقشہ بدل گیا۔ فکر کا زاویہ بدل گیا، عقل پر عشق حاوی ہوگیا۔ دل سوز دروں سے آگاہ ہوگیا اور خرد نے سرمستی کی قبا پہن لی۔ شمس کون تھے؟ یہ پردۂ خفا میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خانہ بدوش صوفیہ کے گروہ سے تھے۔ ایران کے علاقہ تبریز کے رہنے والے تھے۔ زبردست عالم اور شافعی مسلک کے مقلد تھے۔ فقہ کا گہرا مطالعہ تھا۔ دنیا کے بڑے خطے کی سیر کر چکے تھے۔ مزاج میں لاابالی کیفیت تھی۔ ایک جگہ ٹھہرنا مزاج کے خلاف تھا۔ شمس نے ۶۰ سال کی عمر میں ۲۶ جمادی الثانی ۶۴۲ھ بمطابق ۲۹ نومبر ۱۲۴۴ء کو قونیہ میں قدم رکھا۔ بہ ظاہر یہ ایک معمولی واقعہ تھا مگر اس نے ایک بڑے طوفان کو جنم دیا۔

رومی اور شمس کی پہلی ملاقات کے متعلق بہت سی روایتیں ہیں۔ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ان میں کون سی روایت درست ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ملاقات نے ایک صاحب خرد کو عشق سے آشنا کردیا تھا۔ ایک صاحب قیل و قال کو صاحب حال بنا دیا تھا۔ رومی کی جلالت شان اب جمالِ رحمان میں گم ہونے لگی تھی۔

زجام عشق سرمستم، دو عالم رفت از دستم
بجز رندی و قلاشی نباشد ہیچ سامانم

Marfat.com

دل کا رشتہ:

دل نے دل کو پہچانا، روح نے روح سے شناسائی کی۔ غیریت کے تمام پردے درمیان سے اٹھ گئے اور دونوں کے بیچ ایک مضبوط رشتہ قائم ہو گیا۔ رومی کی عمر ۳۷ سال تھی اور شمس کی ۶۰ سال۔ وہ شمس کے مرید ہو سکتے تھے مگر وہ جلالت علم میں شمس سے آگے تھے۔ ادھر شمس کے روحانی تجربات کی عمر رومی کی مجموعی عمر سے زیادہ تھی۔ وہ کہا کرتے تھے اب تک کوئی ایسا فرد پیدا نہیں ہوا کہ مولانا کا شیخ کہلانے کا دعویٰ کر سکے۔ نہ ہی میں ان کا مرید ہوں۔ دونوں کے درمیان جو رشتہ استوار ہو گیا تھا اسے کوئی نام دینا مشکل ہے، لیکن شمس کہا کرتے تھے، صرف ایک دوستی کی خاطر آیا ہوں۔ رومی کو شمس کے بغیر ایک لمحہ کے لیے سکون نہ تھا۔ درس و تدریس، وعظ و نصیحت، پند و خطابت سب کچھ ترک کر کے بس شمس شمس کیا کرتے تھے۔ ان کے حواس پر شمس کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ہر طرف وہی تھے۔ دونوں ایک مکان میں بند ہو جاتے اور بغیر کھائے پیئے کئی کئی روز تک بند رہتے۔ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ سلسلہ چل پڑا تھا اور مہینوں تک چلتا رہا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ سماع و رقص سے دور رہنے والے رومی کو سماع میں لطف آنے لگا۔ وہ بیخودی میں رقص کرنے لگتے اور اس سرمستی میں کسی چیز کا خیال نہ رہتا۔

ان دونوں کے درمیان سے دوئی کا حجاب اٹھ چکا تھا۔ اب وہ ''میں'' اور ''تو'' نہیں، ''ہم'' ہو چکے تھے۔ وہ من تو شدم تو من شدی کی عملی تفسیر بن چکے تھے۔ لمحہ بھر کی جدائی ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ وہ ایک دوسرے کے بغیر خود کو نامکمل سمجھنے لگے تھے۔

Marfat.com

معتقدین کا ردعمل اور شمس کی گمشدگی:

شمس تبریزی کی آمد نے مولانا جلال الدین رومی کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اسی کے ساتھ ان کے معمولات میں تبدیلی آچکی تھی۔ متعلقین اور معتقدین جو آپ سے علمی فیوض حاصل کیا کرتے تھے، اب وہ اس سے محروم ہو گئے تھے۔ تدریس کا سلسلہ بند ہونے کی وجہ سے طلباء اب تعلیم حاصل نہیں کر پا رہے تھے۔ مولانا عوام کی نظر میں ایک پابند شرع عالم دین تھے جن سے سنن و مستحبات بھی نہیں چھوٹتے تھے مگر اب فرائض و واجبات کی ادائیگی کے وقت بھی خلوت سے باہر نہیں آتے تھے۔ سماع اور رقص بیخودی کی تمام حدیں پار کرنے لگے۔ ایسے میں ان کے معتقدین کا ناراض ہونا لازم تھا۔ وہ اس کے لیے شمس کو ذمہ دار گردانتے تھے۔ شمس بھی حالات سے واقف تھے اور جب لوگوں کی ناراضگی حد سے بڑھی تو ایک دن اچانک وہ غائب ہو گئے۔ ان کے غائب ہونے کی خبر مولانا کے لیے روح فرسا تھی۔ بے قراری نے تمام حدوں کو پار کر دی۔ جذبات سے مغلوب آہیں اشعار کی شکل میں زبان پر آنے لگیں۔ ایک ایک لفظ میں خلش کا احساس ہوتا مگر اب کچھ کر پانا آسان نہیں تھا کیونکہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ شمس کہاں ہیں۔ جو لوگ شمس کے خلاف سازشیں کرتے تھے ان سے ناراضگی آپ کے دل میں بیٹھ گئی تھی۔ لہٰذا سب لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے خلوت نشیں ہو گئے۔ ملنا جلنا بالکل چھوڑ دیا۔ جب دل کی خلش بڑھتی تو حزنیہ اشعار پڑھتے۔ آنکھیں اشک بار ہو جاتیں اور رقص کرنے لگتے۔

شانِ کرم تھی یہ بھی مگر وہ جدا ہوا
کیا محنت طلب میں نہ حاصل مزا ہوا

Marfat.com

غروبِ شمس:

مولانا رومی کی حالت ان کے اہل خانہ، احباب اور معتقدین کے لیے باعث تشویش تھی۔ حالانکہ یہ سبھی لوگ پہلے شمس سے ناراض تھے کیونکہ مولانا کی حالت میں تبدیلی کے لیے وہ اسی شخص کو ذمہ دار سمجھتے تھے۔آپ کے صاحبزادے سلطان ولد ایک نظم میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ پتہ نہیں یہ شخص کب یہاں سے رخصت ہوگا یا اس کا خاتمہ ہوجائے گا،مگر اب مولانا کی یہ حالت کسی سے بھی دیکھی نہیں جارہی تھی۔اسی دوران شمس نے دمشق سے ایک خط لکھا جس کے جواب میں مولانا نے ایک دردانگیز غزل لکھی اور اپنے بیٹے سلطان ولد کو دمشق روانہ کیا کہ وہ شمس کو واپس لائیں۔وہ ایک وفد کے ساتھ گئے اور انھیں واپس لائے۔اب دوبارہ دونوں کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔مولانا نے انھیں قونیہ کا پابند بنانے کے لیے کیمیا خاتون نامی ایک عورت سے ان کی شادی کرادی جوزیادہ دن زندہ نہیں رہ پائیں۔ایک صبح جب مولانا شمس کے کمرے میں داخل ہوئے تو انھیں غائب پایا۔یہ دیکھ کر ان کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔اپنے صاحبزادے سلطان ولد کو ڈھونڈنے کا حکم دیا مگر وہ کامیاب نہیں ہوپائے۔بعد میں دمشق میں ان کی تلاش ہوئی مگر وہ نہیں مل پائے۔

شمس جس طرح آئے تھے اسی طرح غائب بھی ہوگئے۔پہلی بار ان کا قونیہ میں ۴۶۸ دن قیام رہا تھا اور دوسری بار محض چند مہینے ہی یہاں ٹھہرے۔شمس کی جدائی مولانا کے لیے سوہان روح تھی۔وہ اسے برداشت نہیں کرپارہے تھے اور درد میں ڈوبی غزلیں کہا کرتے تھے۔اس واقعے کے بعد وہ سب سے کنارہ کش ہوکر خلوت میں بیٹھ گئے تھے اور شمس کی غیر موجودگی کو بادلِ ناخواستہ قبول کرلیا تھا۔

وہ میرے دل میں تھا میرا نہیں تھا
کبھی بھی فاصلہ ایسا نہیں تھا

Marfat.com

افواہ گرم تھی کہ آپ کے معتقدین نے انھیں قتل کردیا ہے جن کے شریک جرم آپ کے صاحبزادگان بھی تھے مگر یہ بات کبھی بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ پائی۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ تبریز کے راستے میں خوئی کے مقام پر ان کی فطری موت ہوئی۔ یہاں ایک قبر ان کے نام سے منسوب ہے۔

غروبِ شمس کے بعد:

اب شمس نہیں تھے، مولانا کی زندگی میں اندھیرا چھا چکا تھا۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔مولانا بھی صبر کر کے خلوت نشیں ہو چکے تھے۔مگر ان کی یادیں تھیں جو غزلوں کی صورت میں آج بھی دیوانِ شمس تبریزی میں جمع ہیں۔شمس نے رومی کے دل کو سوزِ نہاں سے آشنا کیا تھا اور دلِ بے قرار کی خلش شاعری کی شکل میں باہر آئی۔مولانا کو ایک عالم کی حیثیت سے دنیا جانتی تھی۔مگر ایک عاشق کے طور پر ان کی پہچان شمس نے کرائی۔اسی طرح شمس بھی ایک گمنام صوفی تھے جو آج اگر عالمی شہرت کے حامل ہیں تو صرف رومی کی شاعری کے سبب۔یعنی دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔مولانا نے دنیا کو جو کچھ دیا اس میں شمس کا بھی بڑا حصہ ہے۔

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سب تور

شمس کی گمشدگی کے بعد صلاح الدین زرکوب، مولانا کے محرم راز بنے۔یہ خاص شاگرد تھے اور پیشے سے زرکوب تھے۔یعنی سونا کوٹنا ان کا کام تھا۔ان کی دکان پر سونا کوٹنے کی آواز سن کر مولانا وجد میں آجاتے اور رقص کرنے لگتے جس میں صلاح الدین زرکوب بھی شامل ہوجاتے۔مگر ان کی وفات ۱۲۵۸ء میں ہوگئی اور پھر مولانا کے مرکز نگاہ حسام الدین چلپی ہوگئے۔انھوں نے مثنوی لکھنے کی جانب آپ کو متوجہ کیا اور مثنوی کا املا انھوں نے ہی کیا۔مولانا نے اپنی مثنوی میں ان کی تعریف غیر معمولی الفاظ میں کی ہے۔

کہیں کہیں سے ہر چہرہ تم جیسا لگتا ہے
تم کو بھول نہ پائیں گے ہم ایسا لگتا ہے

Marfat.com

تصنیفات:

مولانا روم علیہ الرحمہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔آپ بلند پایہ عالم کے ساتھ ساتھ زبردست شاعر بھی تھے اور آپ نے کئی منظوم شاہکار چھوڑے ہیں۔ مکتوبات اور ملفوظات کے مجموعے بھی آپ کے موجود ہیں جن سے آج دنیا استفادہ کر رہی ہے۔آپ کی تخلیقات فارسی اور دری میں ہیں۔

(۱) دیوانِ شمس تبریزی، رومی کی غزلیات و رباعیات کا مجموعہ ہے۔اس میں ۱۰۸۱۰ اشعار ہیں۔اس سے اس کی ضخامت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اس میں بڑی تعداد میں عاشقانہ اور عارفانہ غزلیں ہیں۔وہ غزلیں بھی شامل ہیں جو انھوں نے شمس کے فراق میں کہی ہیں۔ان کے ایک ایک شعر میں درد و غم اور فراق و جدائی کا بیان ہے۔

(۲) مثنوی معنوی ایک لازوال تصنیف ہے۔یہ ۶ جلدوں پر مشتمل ہے اور ۲۵۵۷۷/اشعار ہیں۔ساتویں جلد مشکوک ہے۔اس میں قرآن و حدیث اور پند و نصائح کے مضامین بیان کئے گئے ہیں۔مثنوی میں بڑی مقدار میں تمثیلی واقعات اور فرضی حکایات ہیں جو اس دور کے مزاج کے مطابق سبق آموز ہیں۔پوری مثنوی بحر رمل میں کہی گئی ہے۔اس کے محرک حسام الدین چلپی تھے اور وہی اس کا املا کرنے والے ہیں لہٰذا اس کا انتساب بھی مولانا نے انھیں کی طرف کیا ہے۔اس کی تکمیل ۱۲ سال میں ہوئی۔مثنوی کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

بشنو از نے حکایت می کند　　　وز جدائیہا شکایت می کند
کز نیستان تا مرا ببریدہ اند　　　از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

یعنی سنو بانسری بیان کرتی ہے اور اپنے اصل سے جدائی کی شکایت کرتی ہے۔جب مجھے میری زمین سے کاٹا گیا ہے تب مجھے یہ درد عطا ہوا کہ میری آہ وزاری

Marfat.com

نے لوگوں کو رلایا ہے۔

یہاں بانسری ایک علامت کے طور پر پیش کی گئی ہے۔

(۳) فیہ مافیہ، مولانا رومی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس میں شرعی، اخلاقی اور روحانی مسائل پر آپ نے اظہار خیال فرمایا ہے۔ یہ کتاب عربی میں تھی اور اس کے جامع آپ کے چھوٹے صاحبزادے سلطان ولد ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں پہلی مرتبہ اس کا فارسی ترجمہ ہوا مگر اب اردو و انگلش کے علاوہ بھی کئی زبانوں میں اس کے ترجمے دستیاب ہیں۔ اس کتاب سے مولانا کے افکار کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں معین الدین پروانہ سے خطاب ہے۔

(۴) مجالس سبع، میں مولانا کے سات خطبات ہیں۔ یہ خطبات وعظ کے طور پر سات مجالس میں بیان ہوئے۔ ان میں دینی واخلاقی مضامین ہیں جو مولانا کے علمی جلالت شان کا پتہ دیتے ہیں۔

(۵) مکتوبات جلال الدین رومی، خطوط کا مجموعہ ہے، لیکن ان خطوط میں علمی اور اخلاقی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بہت سے مشکل سوالوں کو بہت آسانی سے حل کیا گیا ہے۔ خطوط فارسی میں ہیں اس کی تہران واستنبول سے اشاعت ہو چکی ہے۔

آخری خزاں:

موسم خزاں شاعروں اور ادیبوں کی نظر میں ہمیشہ ناپسندیدہ رہا ہے۔ اگر ایک طرف وہ موسم بہار کی تعریف کرتے نہیں تھکتے تو دوسری طرف خزاں کی ناپسندیدگی بھی شعروادب کا موضوع رہی ہے۔ اسے ہجروفراق کا موسم بھی کہتے ہیں۔ خزاں کا یہی موسم تھا جب آفاقی شاعر وصوفی رومی کے مرض میں اضافہ ہو رہا تھا۔ طبیبوں کی تشخیص ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ سوز نہاں جو برسوں سے دبا ہوا تھا اچانک آہ کی صورت باہر

Marfat.com

آنے لگا تھا۔ چالیس دن سے قونیہ میں زلزلے کے جھٹکے محسوس ہو رہے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ زمین بھی اپنے کسی عزیز کو اپنی آغوش میں لینے کو بے تاب ہے۔ آخر کار ۵ جمادی الآخر ۶۷۲ھ، مطابق ۱۷ دسمبر ۱۲۷۳ء کی غمگین شام کو عشق و محبت کا آفتاب تاباں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ کائنات الفت میں اندھیرا چھا گیا۔ چالیس دن سے ہو رہے زلزلے بھی بند ہو گئے گویا قلب عرفانی اور جسم نورانی کو اپنی آغوش میں لے کر زمین کو بھی قرار آ گیا تھا۔

ترکی کے شہر قونیہ کی سرزمین بجا طور پر فخر کر سکتی ہے کہ اس کے سینے میں ''راز عشق'' دفن ہے جس کی یادگار ہر سال ۵ جمادی الثانی کو منائی جاتی ہے اور ''شب عروس'' کے عنوان سے شمع محبت کے پروانوں کا ہجوم ہوتا ہے۔

اے محبت تو زندہ باد

(اس مضمون کا ماخذ مثنوی معنوی، دیوان شمس تبریزی، فیہ ما فیہ اور وہ کتابیں ہیں جو ان کی زندگی و خدمات پر لکھی گئی ہیں۔ بعض معلومات انٹرنیٹ سے بھی حاصل کی گئی ہیں)

Marfat.com

عکسِ خیال

انسان کے خیالات اس کی شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی کے خیالات ان کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے افکار جواُن کی کتابوں میں نظر آتے ہیں، ان کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہے۔ ملفوظات کے مجموعے 'فیہ مافیہ' میں وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کے لیے آیاتِ قرآنیہ سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ اسی کے ساتھ احادیث کریمہ بھی موقع ومحل کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ صوفیہ اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے اقوال اور احوال کا بھی ذکر ان کے ملفوظات میں ملتا ہے۔ مثنوی میں حکایات اور واقعات کا بیان بہت زیادہ ہے مگر یہ بے حد سبق آموز اور ناصحانہ ہیں۔ ان میں بیشتر تمثیلی ہیں۔ ان کی کتابوں میں فکروفن کا وہ عظیم خزانہ ہے جو کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا۔ ذیل میں رومیؔ کے افکار کی جھلکیاں پیش ہیں۔

Marfat.com

معرفت کا راستہ:

رب العالمین کی معرفت اوراس تک رسائی تصوف کا اصل مقصود ہے۔ یہاں اس تک پہنچنے کے لیے عبادت وریاضت کوخصوصی اہمیت حاصل ہے اور عبادات میں سب سے اول نماز ہے۔نمازی جب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہوتی ہے اور وہ زیادہ قریب ہوتا ہے۔لیکن نماز کے ارکان اس کے لیے کافی نہیں، اس کے لیے استغراق بھی ضروری ہے۔بغیر محویت کے نماز جسم بے روح کی طرح ہے۔مولانا رومی کے سامنے جب یہ سوال آیا کہ خدا تک پہنچنے کے لیے نماز سے قریب تر بھی کوئی راستہ ہے تو فرمایا:

> ''صرف نماز ہی۔لیکن نماز صرف ظاہری صورت نہیں ہے۔اس کی یہ ظاہری صورت نماز کا قالب ہے کیونکہ اس میں نماز کا اول اور آخر ہے اور جس چیز کا آغاز اور انجام ہو وہ قالب ہے کیونکہ نماز کا آغاز تکبیر ہے اور اس کا آخر سلام۔اس طرح شہادت یہ نہیں ہے کہ صرف حرف زبان سے کہا جائے کیونکہ اس کا بھی اول اور آخر ہے اور جو چیز کہ حرف اور صورت میں سما جائے۔اس کا اول اور آخر ضرور ہوتا ہے وہ صورت اور قالب ہے۔جان بے مثل اور بے انتہا ہے اس کا اول اور آخر نہیں۔یہ نماز انبیاء کی پیدا (ظاہر) کردہ ہے۔اب وہ نبی جس نے نماز پیدا کی ہے یوں کہتا ہے، میرے اور خدا کے درمیان ایک ایسا وقت آتا ہے جس میں کسی نبی مرسل اور فرشتہ مقرب کی گنجائش نہیں ہوتی۔پس ہمیں معلوم ہو گیا کہ نماز کی جان صرف ظاہریت نہیں بلکہ استغراق ہے۔'' (اردو ترجمہ فیہ مافیہ،ص ۳۴)

اوپر کے جملوں میں مولانا نے صاف صاف وضاحت کر دی ہے کہ خدا کے

Marfat.com

قرب کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ مگر وہ نماز نہیں جو صرف ارکان تک محدود ہو بلکہ وہ نماز جس میں محویت ہو، استغراق ہو۔ اگر ایسی نماز ہو تو وہ عابد و معبود کے درمیان راز و نیاز ہوگی اور ان کے بیچ ایسا قرب پیدا کرے گی کہ کسی اور کا گزر نہیں ہوگا مگر شرط ہے کہ نماز محویت کے ساتھ ہو۔ وہ اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں:

''ایک بادشاہ نے ایک درویش سے کہا، جب تجھ پر خدا کی تجلی نازل ہو اور تو خدا کے قرب میں ہو تو مجھے یاد کرنا۔ درویش نے جواب دیا جب میں اس کے حضور میں پہنچتا ہوں اور اس آفتاب جمال کی تاب مجھ پر تجلی ڈالتی ہے تو میں خود بھی اپنے آپ کو یاد نہیں رہتا۔ تمہیں کیسے یاد کروں؟'' (ایضاً، ص ۳۴)

عبادت و ذکر کے وقت جس استغراق کی ضرورت ہے وہ یہی ہے۔ یہی استغراق بندے کو معبود تک پہنچاتا ہے اور یہی عبادت کا مقصود بھی ہے۔ ایسی ہی عبادت کو معراج المومنین کہا گیا ہے۔

دنیا آئینہ ہے:

بے عیب خالق کی ذات ہے۔ مخلوق میں بے شمار عیب پائے جاتے ہیں۔ اگر کسی کے اندر کوئی عیب نظر آئے تو انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی ذات کو بھی دیکھے کہ اس کے اندر یہ عیب تو نہیں کیونکہ دوسروں کا عیب نظر آتا ہے مگر اپنا عیب کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ اپنے چہرے کے کیل مہاسے دکھائی نہیں دیتے اور دوسرے کے چہرے پر موجود کیل مہاسے، داغ دھبے سب دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:

''اگر تو اپنے بھائی میں کوئی عیب دیکھے تو وہ عیب تیرے بھائی کا عیب نہیں بلکہ تیرا عیب ہے۔ دنیا آئینہ کی مثال ہے۔ اس میں

Marfat.com

تجھے اپنا ہی عکس نظر آتا ہے۔ المومن مراۃ المومن (بخاری)
(مومن، مومن کا آئینہ ہے) اس عیب کو خود سے جدا کر دے کیونکہ
تو اس سے ناراض ہوتا ہے تو گویا اپنے آپ سے ناراض ہوتا
ہے۔''

(اردو ترجمہ فیہ مافیہ، صفحہ ۵۰)

دنیا آئینہ کی طرح ہے۔ فرق یہ ہے کہ آئینہ میں ظاہری شخصیت نظر آتی ہے مگر دنیا کے آئینہ میں انسان اپنے ضمیر کو دیکھتا ہے، اس کے باطنی عیوب نظر آتے ہیں اور اگر کبھی انسان کو اس آئینے میں اپنے اندرونی عیوب کی جھلک نظر آجائے تو اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔

''ایک ہاتھی کو پانی پلانے کے لیے پانی کے چشمہ پر لائے۔ پانی میں اپنا عکس دیکھا تو بھاگنے لگا۔ وہ یہ سمجھا کہ کسی دوسرے ہاتھی سے وہ دور بھاگ رہا ہے۔ اسے یہ سمجھ نہ آئی کہ وہ خود اپنے آپ سے بھاگا ہے۔ ظلم، بغض، حسد، حرص، بے رحمی اور غرور سے پیدا شدہ تیری بداخلاقی تجھے تکلیف نہیں دیتی۔ جب یہی کچھ تو دوسرے میں دیکھتا ہے تو بھاگتا ہے اور تجھے تکلیف ہوتی ہے۔'' (ایضاً)

کوئی خرابی اپنی ذات میں ہو تو قابل نفرت نہیں محسوس ہوتی اور اگر دوسرے شخص میں نظر آئے تو فوراً نفرت کا احساس ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ عیب کو عیب سمجھے اور جس طرح دوسروں کے اندر دیکھ کر اسے نفرت محسوس ہوتی ہے اسی طرح اپنی ذات میں دیکھے تو نفرت کا احساس کرے نیز اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کرے۔ دنیا آئینے کی طرح ہے۔ جس طرح آپ کو دوسروں کی خرابیاں بری لگتی ہیں اسی طرح دوسروں کو آپ کی خرابیاں بری لگتی ہوں گی۔

Marfat.com

تجلیات الٰہی اور نقاب:

جس چیز کو ہماری نگاہیں نہیں دیکھ پاتیں، یہ ضروری نہیں کہ اس کا وجود بھی نہ ہو۔ اس کائنات میں ایسی بے شمار اشیاء ہیں جن کو ہماری نگاہیں نہیں دیکھتیں مگر ان کے وجود سے انکار ممکن نہیں۔ ہمارے اپنے بدن میں مختلف قسم کے جراثیم ہیں، خلیے ہیں جو دکھائی نہیں دیتے مگر کیا ان کے وجود سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ جدید آلات نے ان کے وجود کو ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح خالق کا وجود بھی ہے جو ہمیں دکھائی نہیں دیتا مگر اس سے انکار ممکن نہیں۔ اس دنیا میں بہت سے نقاب ہیں جو اسے دیکھنے سے مانع ہیں۔ آخرت میں یہ تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور تجلیات الٰہی کو بے پردہ دیکھا جا سکے گا۔ مولانا فرماتے ہیں:

> ''اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کو حقیقت میں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ جو شخص یہ خواہش رکھتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھوں، وہ خدا تعالیٰ کا نقاب ہے۔ اس گھڑی وہ خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح خلق خدا انواع واقسام کی چیزوں، ماں، باپ، بھائیوں، دوستوں، آسمانوں، زمینوں، باغوں، ایوانوں، علوم، اعمال، اطعمہ، مشروبات سے از روئے حق مہر ومحبت اور شفقت رکھتی ہے۔ یہ تمام چیزیں نقاب ہیں۔ جب وہ اس دنیا سے گزر جائیں گے اور اس بادشاہِ حقیقی کو بے نقاب دیکھیں گے تو انھیں سمجھ آ جائے گی کہ وہ سب چیزیں نقاب اور پردے تھیں۔''
> (اردو ترجمہ فیہ مافیہ، ص ۶۵)

ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

نورِ حق کا بے حجابانہ نظارہ ممکن نہیں کیونکہ بے شمار حجابات درمیان میں حائل ہیں

Marfat.com

اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ان سے احتراز ممکن نہیں۔ آخرت مادی اجسام سے پاک ہوگا اور انسانی احساسات کی نوعیت بھی بدل چکی ہوگی۔ ایسے میں کوئی بھی چیز انوار الٰہی کی تجلیات کو بے پردہ دیکھنے میں مانع نہیں ہوگی۔

اس دنیا میں جو پردے ہماری نگاہوں کے درمیان حائل ہیں ان کے پیچھے خدا کی بے شمار مصلحتیں بھی ہیں۔ ان مصالح کو پوری طرح سمجھ پانا انسان کی معمولی عقل کے لیے ممکن نہیں۔ البتہ ایک بات تو صاف ہے کہ اس کی تجلیات کا اظہار آج بھی مختلف انداز میں ہوتا رہتا ہے۔ انسانی عقل اپنے ظرف کے مطابق اسے سمجھنے کی کوشش کرسکتی ہے:

> ''خدا تعالیٰ نے یہ نقاب اس مصلحت کے ماتحت پیدا کئے ہیں کہ اگر وہ اپنا جمال بے پردہ ہوکر دکھائے تو ہم اس کی تاب نہیں لا سکتے اور اس سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔ ان نقابوں کے ذریعہ ہمیں مدد اور منفعت حاصل ہوتی ہے تو سورج کو دیکھتا ہے کہ اس کی روشنی میں ہم چلتے پھرتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں اور اس روشنی کی مدد سے برے بھلے کی تمیز کرتے ہیں اور اس سے گرم ہوتے ہیں۔ درخت اور باغ اس سے پھل حاصل کرتے ہیں۔ کچے اور ترش میوے اس کی حرارت سے پک کر شیریں ہو جاتے ہیں۔ اس کی تاثیر سے سونے، چاندی، لعل اور یاقوت کی کانیں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ سورج جو چند در چند واسطوں کے ذریعے ہمیں اتنے فائدے پہنچاتا ہے، ہمارے زیادہ نزدیک آجائے تو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ بلکہ تمام دنیا اور خلقت کو جلا کر رکھ دے اور کچھ باقی نہ رہے۔ خداوند تعالیٰ جب پردے کے پیچھے سے پہاڑ پر تجلی فرماتا ہے تو اسے درختوں، پھولوں اور سبزہ زار سے آراستہ، پیراستہ کردیتا ہے اور جب بے پردہ ہوکر

Marfat.com

اس پر تجلی گراتا ہے تو اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور اس کے ذرے
تک اڑ جاتے ہیں۔" (ایضاً،ص ٦٦)

یقیناً جمال خداوندی کی تجلیات مختلف پردوں سے چھن کر ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ کائنات کا یہ بے پناہ حسن، انسانی جذبات واحساسات کا لطف، انواع واقسام کے میووں کا ذائقہ، یہ سب اسی کی تجلیات کے مختلف رنگ ہیں۔ اس کے انوار مختلف شکلوں میں ہمارے سامنے ظاہر ہوتے ہیں جنہیں سعید روحیں پہچانتی ہیں مگر جن عقلوں پر پردہ پڑا ہوتا ہے وہ سب کچھ دیکھ کر بھی معرفت حق سے محروم رہتی ہیں۔

عقل پروانہ ہے:

معرفت خداوندی کائنات کے کسی معمولی ذرے سے بھی ہوسکتا ہے۔ زمین سے اگنے والی گھاس خدا کے وجود کا پتہ دیتی ہے۔ ہر صبح پھول پر چمکنے والی شبنم کسی غیر مرئی طاقت کا اظہار کرتی ہے۔ آنکھوں سے چھلکنے والے آنسو، دل سے اٹھنے والی آہ، ہونٹوں پر آنے والے الفاظ کسی بصیرت والے قیوم کے وجود کی دلیل ہیں۔ طوطی کا نغمہ، بانسری کی آہ، سارنگی کی فریاد، جام ومئے کا قلقل ہر جگہ اس کی معرفت کے جلوے ہیں۔ بس دیکھنے والی نگاہ کی ضرورت ہے۔ سمجھنے والی عقل درکار ہے۔ اس کی شناسائی ممکن ہے البتہ اس کا وجود پوری طرح عقل میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ عقل محدود ہے اور اس کی ذات لامحدود۔

"عقل وہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ادراک میں فکر منداور جدوجہد سے
رات دن مضطرب وبے قرار رہتی ہے اگرچہ خدا سمجھ میں نہیں آسکتا
اور وہ قابل ادراک نہیں۔" (ایضاً،ص ٦٧)

جو سمجھ میں آ گیا لا انتہا کیونکر ہوا
جس کو انساں پا گیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا

Marfat.com

خدا کے وجود کو انسانی عقل محیط نہیں کرسکتی۔ وہ پوری طرح انسانی شعور کے ادراک میں نہیں آسکتا مگر عقل کے وجود کا مقصد ہی اس کی معرفت ہے۔ جو عقل اس کی معرفت کو پانے کی کوشش نہ کرے وہ عقل ہی نہیں۔

> ''عقل پروانہ کی طرح ہے اور معشوق شمع کی طرح۔ ہر چند کہ پروانہ جب اپنے آپ کو شمع پر گراتا ہے تو جل جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے لیکن پروانہ وہی ہے جسے جل مرنے کا آسیب ہو، جسے دکھ پہنچے اور جو شمع سے آرام نہ پائے۔ اور اگر پروانہ کی طرح کوئی حیوان ہو کہ شمع کا نور اسے صبر وشکیب دیتا ہے اور اپنے آپ کو اس پر نہیں گراتا تو وہ پروانہ نہیں۔ اور اگر اپنے آپ کو شمع کے طور پر گرائے اور جلے نہیں تو وہ بھی شمع نہیں ہے۔ تو وہ آدمی کہ جو خدا کے نور سے شکیب پاتا ہے اور جدوجہد نہیں کرتا، آدمی نہیں ہے۔ اور اگر وہ خدا کا ادراک کرسکتا ہے تو وہ خدا ہی نہیں ہے۔ تو آدمی وہ ہے جو جدوجہد کے بغیر نہیں، اور جو خدا تعالیٰ کے جلال کے گرد گھومتا ہے اور بے آرام و بے قرار رہتا ہے، اور خدا وہ ہے جو آدمی کو جلاتا ہے اور اسے نیست کرتا اور خود کسی عقل کی سمجھ میں نہیں آتا۔'' (ایضاً)

واقعی عقل پروانہ ہے، جس کے وجود کا مقصد خالق و مالک کے وجود کا ادراک ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وجودِ خداوند کا ادراک ممکن نہیں۔ جس طرح پروانہ انجام کو جانتے ہوئے شمع پر نثار ہو جاتا ہے اسی طرح انجام کو جاننے کے باوجود عقل کو چاہئے کہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ جس طرح پروانے کی معراج شمع پر نثار ہونا ہے اسی طرح انسانی عقل کی معراج خود کو نورِ وحدت میں گم کر دینا ہے۔

Marfat.com

انا الحق عاجزی ہے:

تصوف میں استغراق کی بہت اہمیت ہے۔ عبادت و ریاضت، مجاہدہ وتزکیہ نفس ہر جگہ اس کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر کہیں کام نہیں چلتا۔ مثال دی جاتی ہے کہ آدمی جب عشق مجازی میں استغراق کی منزل کو پہنچ جاتا ہے تو اسے ہر طرف محبوب ہی دکھائی دیتا ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے ظاہری آنکھ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ معشوقِ مجازی میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ اپنے عاشق کو اس منزل تک پہنچا دے کہ وہ خود کو اس سے جدا نہ دیکھے تو عشق حقیقی میں یہ کیفیت بدرجہ اتم ہونی چاہئے۔ اگر دل استغراق کو پہنچ گیا تو دیگر اعضا خود مستغرق ہو جائیں گے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں:

> ''جب ایک عضو کو استغراق حاصل ہوتا ہے تو سارے اعضا اس میں غرق ہو جاتے ہیں۔ جیسے مکھی اوپر اڑتی ہے، وہ پر کو ہلاتی ہے، سر کو ہلاتی ہے اور اس کے سب اجزاء کو حرکت ہوتی ہے لیکن جب وہ شہد میں غرق ہوتی ہے، تو سب اجزا یکساں ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی جز وحرکت نہیں کرتا۔ استغراق وہ ہوتا ہے کہ غرق ہونے والا خود موجود نہیں رہتا اور نہ وہ جدوجہد کرتا ہے۔ نہ اس سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے نہ وہ حرکت کرتا ہے۔ وہ اس پانی میں غرق ہوتا ہے۔ اس حالت میں جو فعل اس سے سرزد ہوتا ہے وہ اس کا فعل نہیں ہوتا۔ وہ پانی کا فعل ہوتا ہے۔ اگر وہ پانی میں ابھی ہاتھ پاؤں مارتا ہے تو اسے غرق ہونا نہیں کہتے۔ یا اگر وہ چلاتا ہے کہ ہائے میں غرق ہو گیا تو اسے بھی استغراق نہیں کہتے۔'' (ایضاً، ص ۷۸-۷۷)

مکمل ڈوبنا تو اسی کو کہا جا سکتا ہے کہ ڈوبنے والا ہر ارادی حس وحرکت کو چھوڑ دے اور پانی کے رحم وکرم پر رہتے ہوئے خود کوئی جدوجہد نہ کرے۔ اب یہ استغراق ہوا۔ ٹھیک ایسا ہی عارف وصوفی کے ساتھ ہونا چاہئے کہ جب وہ ذات خدا میں محو ہو گیا

Marfat.com

تواس کی اپنی شخصیت گم ہو جائے، اس کی خودی مٹ جائے، انا باقی نہ رہے:

"آخر منصور کا انا الحق (میں خدا ہوں) کہنا بھی یہی معنی رکھتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ انا الحق کہنا بہت بڑا دعویٰ ہے۔ بڑا دعویٰ تو انا العبد (میں بندہ ہوں) کہنا ہے۔ انا الحق بہت بڑی عاجزی ہے کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے 'میں خدا کا بندہ ہوں' وہ دو ہستیوں کو ثابت کرتا ہے۔ ایک اپنے کو اور دوسرے خدا کو۔ لیکن جو انا الحق کہتا ہے وہ اپنے آپ کو معدوم کرتا ہے، فنا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے انا الحق یعنی میں نہیں ہوں۔ سب وہی ہے۔ خدا کے سوا کوئی ہستی نہیں۔ میں کلی طور پر عدم محض ہوں اور کچھ بھی نہیں۔ اس میں بے حد عاجزی ہے مگر یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔" (ایضاً، ص ۷۸)

انا الحق کہنا استغراق کی اعلیٰ منزل ہے جہاں بندہ کی "انا" نہیں رہتی، خودی نہیں رہتی۔ اپنی ذات مٹ جاتی ہے اور اسے ہر طرف حق ہی حق دکھائی دیتا ہے۔ وہ ذات حق کا اثبات کرتا ہے اور انا کی نفی کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسے اپنی ذات دکھائی نہیں دیتی۔

ظاہر میں تو ہیں مگر نہیں ہم
دریائے رواں نہ ہوں کہیں ہم

دعا رد نہیں ہوتی:

مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں مختلف قسم کے واقعات و حکایات کو نظم کیا ہے اس میں کچھ تو سچے واقعات ہیں مگر بڑی مقدار میں فرضی حکایات بھی ہیں۔ ان قصص و حکایات کا مقصد پند و نصیحت ہے اور تمثیلی و فرضی واقعات کے پس پردہ حکمت و دانائی

Marfat.com

کی باتیں آپ نے بیان کی ہیں۔ انھیں اگر انسان اپنی زندگی میں اپنا لے تو بہت سی تبدیلیاں آسکتی ہیں اور بہت سے نقصانات سے وہ بچ سکتا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی دفتر دوم کی ابتدا میں ایک حکایات ہے جس کی تلخیص یوں ہے کہ ایک سپیرے کا ایک سانپ چوری ہو گیا۔ سپیرا اسے تلاش کرتا رہا اور اللہ سے دعاء بھی کرتا تھا کہ اس کا سانپ مل جائے مگر سانپ کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اسی دوران سانپ چور کو ایک دن سانپ نے ڈس لیا اور اس کی موت ہوگئی۔ اب جب سپیرے کو پتہ چلا تو وہ اللہ کا شکر کرنے لگا کہ اچھا ہوا اس کی دعاء قبول نہ ہوئی ورنہ آج یہ سانپ چور کے بجائے اسے ڈستا۔

اس حکایت کی ضمن میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بندہ جب اللہ سے دعائیں کرتا ہے اور کئی بار اس کا مطلوب اسے حاصل نہیں ہوتا تو وہ سوچتا ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی اور بعض اوقات اس کے دل میں بدگمانی بھی آجاتی ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ اگر اس کی دعاء قبول ہو جاتی تو اسے کیا نقصان اٹھانا پڑتا۔ اگر دعاء کی قبولیت میں اللہ کی عطا ہے تو اس کی عدم قبولیت میں بھی اس کا فضل ہے۔ انسان تو صرف ایک پہلو پر نظر رکھتا ہے مگر خدا کی حکمت سے اس کا دوسرا پہلو پوشیدہ نہیں۔ اسے اپنے بندے کا فائدہ ہر حالت میں عزیز ہے۔

نادان دوست:

دفتر دوم کی ایک حکایت ہے کہ ایک شخص نے ایک بھالو پال رکھا تھا۔ یہ بھالو بڑا ہی فرمانبردار اور تربیت یافتہ تھا۔ جب مالک سو رہا ہوتا تو بھالو مکھیاں اڑاتا اور کسی مکھی کو اس کے جسم پر بیٹھنے نہیں دیتا۔ ایک روز کا ماجرا ہے کہ مالک سو رہا تھا اور بھالو اس کے پاس بیٹھا مکھیاں اڑا رہا تھا۔ ایک مکھی بار بار مالک کی ناک پر آکر بیٹھ جاتی اور

Marfat.com

بھالو اڑا دیتا۔ یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔ آخر کار بھالو کو غصہ آ گیا اور اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر مالک کے چہرے پر دے مارا جس سے اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

اس حکایت میں یہ درس ہے کہ نادان کی دوستی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے یہ دوستی کچھ وقتی فائدے پہنچائے مگر اس سے ہونے والا نقصان دیرپا ہوگا۔ نادان کی دوستی اپنے دامن میں بہت سے نقصانات لے کر آتی ہے۔ اس لیے اس سے دور رہنا بہتر ہے۔ بعض اوقات وہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے مگر چونکہ وہ نادان ہے لہٰذا فائدہ کی جگہ نقصان پہنچا دیتا ہے۔ نادان نفع اور نقصان میں امتیاز کرنے سے بھی قاصر ہوتا ہے۔ مولانا کہتے ہیں:

مہرِ ابلہ مہرِ خرس آمد یقیں
کیں او مہر است و مہر اوست کیں

یعنی نادان کی مہربانی ریچھ کی مہربانی کی طرح ہے۔ اس کا کینہ مہربانی ہے اور اس کی مہربانی کینہ ہے۔

اگر نادان اپنے سر پہ قرآن رکھ کر قسم کھائے تو بھی اس کی باتیں قابل بھروسہ نہیں کیونکہ وہ قسم کھا کر بھی نادانی کرے گا اور نقصان پہنچائے گا۔

اتحاد میں برکت:

دفتر دوم میں ہے کہ ایک باغبان نے اپنے باغ میں تین چوروں کو دیکھا جن میں سے ایک شکل سے صوفی تو دوسرا فقیہ تھا، جب کہ تیسرا چور خود کو سید زادہ کہتا تھا۔ باغبان کے لیے تینوں کے ساتھ بیک وقت نپٹنا مشکل تھا لہٰذا اس نے سوچا کہ پہلے تینوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے اور تینوں کی طاقت کو منتشر کر دیا جائے۔ اس کے بعد ان کو سزا دینا آسان ہو جائے گا۔ اسی حکمت کے تحت اس نے پہلے صوفی

Marfat.com

سے کہا کہ جناب آپ تو اللہ والے ہیں ذرا چوپال کو تشریف لے جائیں اور وہاں سے کمبل لیتے آئیں تا کہ آپ تینوں یہاں باغ میں آرام سے رہیں۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ آپ حضرات نے یہاں قدم رنجہ فرمایا۔ جب صوفی چوپال کے لیے جا چکا تو اس نے فقیہ اور سید زادے سے کہا کہ آپ دونوں برگزیدہ ہستی ہیں، ایک حضرت فقیہ ہیں جن کے فتوؤں سے ہماری رہنمائی ہوتی ہے اور دوسرے سید زادے ہیں جنہیں میں اپنا مالک وسلطان سمجھتا ہوں آپ حضرات یہاں آرام سے رہیں۔ اور ایک ہفتہ تک قیام فرما کر مجھے خدمت کا موقع دیں۔ یہ کہہ کر باغبان باہر نکل گیا اور صوفی کو راستے میں پکڑ کر خوب پیٹا اور بولا کے سگ دنیا تو خود کو صوفی کہتا ہے، کس پیر نے تجھے چوری کا راستہ بتایا؟ کیا جنید و بایزید کا یہی راستہ ہے؟

باغبان اس صوفی نما چور کو پیٹ کر باغ میں واپس آیا اور سید نما چور کو بولا کہ چوپال پر آپ کی ضیافت کے لیے کھانا پکایا گیا ہے جایئے اور کھانا تناول فرما لیجیے۔ جب وہ باہر نکلا تو پیچھے پیچھے باغبان بھی چلا اور راستے میں اسے پکڑ کر خوب گالیاں دیں اور پیٹا۔ باغبان بولا کہ شیر کا بچہ شیر ہوتا ہے تو خود کو سید زادہ کہتا ہے۔ کیا پیغمبر کی یہی میراث ہے۔ مجھے تو ولدالزنا معلوم ہوتا ہے۔

اب باری فقیہ نما چور کی تھی۔ اسے باغبان نے آ کر باغ میں پکڑا اور بولا او بدذات تو خود کو مفتی اور فقیہ بتاتا ہے۔ چوری کرنے کا جواز تجھے کہاں سے ملا۔ کیا ابوحنیفہ و شافعی سے تجھے یہی سبق ملا ہے؟ تجھے پتہ نہیں کہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ اس کے بعد اس نے خوب پیٹا۔

مولانا رومی اس پوری حکایت کا ماحصل ایک شعر میں بیان کرتے ہیں:

ہر کہ تنہا ماند از یارانِ خود　　　ایں چنیں آید مرا در جملہ بد

یعنی۔ اپنے یاروں سے کوئی تنہا رہے　　　اس کے اوپر ایسی مار آ کر گرے

Marfat.com

اس حکایت کے ذریعے یہ سبق دینا مقصود ہے کہ اتحاد میں برکت ہے اور انتشار میں نقصان ہے۔ اگر تینوں چور متحد رہتے تو ان کے ساتھ باغبان وہ نہیں کر پاتا جو اس نے کیا۔ تینوں مل کر اس کا مقابلہ کر سکتے تھے، مگر جب وہ انتشار کا شکار ہو گئے اور تینوں الگ الگ ہو گئے تو ان کی پٹائی ہوئی۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ کسی کی چکنی چپڑی باتوں میں آدمی کو نہیں پھنسنا چاہئے۔ تینوں چور چونکہ باغبان کی میٹھی میٹھی باتوں میں آ گئے لہٰذا ان کی درگت ہوگئی۔ اگر وہ پہلے ہی چوکنا ہو جاتے تو بچ سکتے تھے۔

تیسرا سبق اس حکایت میں یہ ہے کہ جو کام فرد واحد کے لیے مشکل ہو وہ حکمت و دانشمندی کے ساتھ اگر کیا جائے تو آسان ہو سکتا ہے۔ اکیلا باغبان تین چوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مگر عقلمندی سے اس نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا اور ایک شخص نے تنہا تین لوگوں کو پیٹ ڈالا۔

چوتھا سبق یہ ہے کہ اگر کوئی برا آدمی صوفی، عالم اور شریف کا لباس پہن لے تو اس کی خصلت نہیں بدل جاتی۔ ایسے بہروپیا سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ جب اسے موقع ملے گا اپنا کام ضرور کر لے گا۔ عقلمند لوگ ظاہری لباس پر نہیں بلکہ باطن پر نظر رکھتے ہیں۔

صورت یا سیرت:

ایک بادشاہ نے دو غلام خریدے۔ ان میں سے ایک بے حد خوبصورت تھا اور دوسرا بدصورت۔ اس نے دونوں کے عقل و شعور کی آزمائش کا سوچا اور دونوں سے الگ الگ تنہائی میں گفتگو کی۔ پہلے خوبصورت غلام کو حمام بھیجا اور بدصورت غلام کو بلایا۔ وہ گندے منہ اور کالے دانتوں والا تھا۔ اس کے منہ سے بدبو آتی تھی جو تکلیف

Marfat.com

وہ تھی۔ اسے بادشاہ نے دور بٹھایا اور گفتگو کی تو محسوس کیا کہ وہ بے حد عقل مند تھا اور سمجھداری کی باتیں کرتا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ تو دوسرے غلام سے زیادہ اچھا ہے۔ تجھ میں قابلیت ہے۔ تو چور اور بد چلن نہیں ہے۔ تیری قیمت سو غلاموں کے برابر ہے، لیکن دوسرا غلام تجھے برا بھلا کہتا ہے وہ تجھے کم ہمت اور کمزور بتاتا ہے۔ بدصورت غلام نے کہا، وہ سچا ہے، سخی، نیک خصلت، دیندار، باحیا اور احسان کرنے والا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ میرے بارے میں سچ کہتا ہو۔ میں اپنے عیبوں کو نہیں دیکھ پایا اس لیے اصلاح بھی نہیں کر پایا۔ انسان اگر اپنے عیب سے آگاہ ہو جائے تو وہ پہلے ہی اصلاح کر لے۔ بادشاہ نے کہا جس طرح تیرے دوست نے تیرے عیب ظاہر کئے اسی طرح تو بھی اس کی خامیاں بتا۔

غلام نے کہا وہ میرا اچھا دوست ہے۔ وہ محبت، وفاداری، سچائی، ہمدردی، ذہانت اور انسانی خوبیوں سے مالا مال ہے۔ وہ سخاوت اور بخشش کرنے والا ہے۔ بادشاہ نے کہا میں اسے بھی آزماؤں گا لہٰذا اس کی زیادہ تعریف نہ کر۔

بادشاہ نے غلام سے کہا کہ تو اپنی بری خصلتوں کی نشاندہی کر، تو غلام نے جواب دیا میری عادات واطوار سے آپ واقف ہیں، میں اپنے متعلق کیا بتاؤں؟

جب دوسرا غلام آیا تو بادشاہ نے اس بدصورت غلام کو باہر بھیج دیا اور خوبصورت غلام کی تعریف کرنے لگا اور بولا خدا تجھے خوش رکھے، تو جتنا خوبصورت ہے اتنا ہی خوب سیرت بھی ہے۔ تو پاکیزہ خصلت، خوش مزاج، ذہین ہے مگر کچھ خرابیاں تجھ میں نہ ہوتیں تو زیادہ اچھا تھا۔ تیری ایک جھلک کی قیمت میری پوری سلطنت بن جاتی۔ غلام نے کہا اے بادشاہ کیا میرے ساتھی نے کچھ کہا ہے؟ وہ کم بخت میری برائیاں کرتا رہتا ہے۔

بادشاہ نے کہا! ہاں، وہ تیری کچھ خامیاں بیان کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تو ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ اور ہے۔ تو وہ نہیں جو نظر آتا ہے۔

Marfat.com

بادشاہ کی بات سن کر غلام غصے سے لال پیلا ہونے لگا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ اس نے اپنے ساتھی کے خلاف جی بھر کر باتیں کہیں۔ اس کی مذمت جب حد سے سوا ہوگئی تو بادشاہ نے کہا، اب چپ رہ، میں نے دونوں کو پہچان لیا ہے۔ کمینہ خصلت وہ نہیں تو ہے، اس کا منہ گندہ سہی مگر تیری روح گندی ہے۔ تو حاکم بننے کے لائق نہیں، مجھ سے دور بیٹھ۔ میری قربت کے لائق تو وہی بدصورت غلام ہے۔

اس قصے کا حاصل یہ ہے کہ زبان کی حفاظت لازم ہے۔ یہ زبان اگر انسان کو عزت دلاتی ہے تو یہی زبان اسے ذلت سے بھی ہمکنار کرتی ہے۔ انسان جو کچھ بولے، سوچ سمجھ کر بولے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ اچھی صورت کے مقابلے میں اچھی سیرت قابل ترجیح ہے۔ ایسا شخص جس کی صورت اچھی نہ ہو مگر وہ عقلمند اور با اخلاق ہو وہ بلند مرتبہ کے لائق ہے مگر اچھی صورت والا بد اخلاق شخص اس لائق نہیں کہ اسے اعلیٰ مقام پر فائز کیا جائے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ صورت کے بجائے سیرت کا طلب گار بنے اور گھڑے کے ظاہری نقش ونگار پر فدا ہونے کے بجائے اس کے اندر کے پانی کو دیکھے۔ عقلمند لوگ سیپ کے ظاہر پر نظر نہیں رکھتے اس کے اندر کے موتی پر نظر رکھتے ہیں۔

بہرے کی عیادت:

ایک بہرے کا پڑوسی بیمار ہوگیا۔ وہ مرض سے پریشان تھا۔ بہرے نے سوچا کہ پڑوسی کی عیادت کو جانا ضروری ہے۔ البتہ وہ اپنے کان سے پریشان تھا۔ مریض سے گفتگو کرے تو کیسے؟ اگر مریض کچھ کہے گا تو وہ کیسے سن پائے گا۔ جب کہ مرض کی وجہ سے اس کی آواز بھی دھیمی ہوگی؟ ان تمام مجبوریوں کے باوجود پڑوسی کی عیادت کو بھی جانا ضروری تھا۔ آخر کار بہرے نے سوچا کہ عام طور پر مریض سے عیادت کرنے

Marfat.com

والے کہتے ہیں طبیعت کیسی ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے، اب ذرا ٹھیک ہوں۔ پھر کہا جاتا ہے کہ کیا کھایا ہے؟ تو مریض کوئی رقیق چیز بتاتا ہے جیسے شوربہ یا ارد کا شوربہ۔ پھر پوچھا جاتا ہے کہ کس طبیب کا علاج چل رہا ہے تو مریض کسی طبیب کا نام بتاتا ہے۔

یہ تمام سوال و جواب اپنے ذہن میں بٹھا کر وہ بہرا مریض پڑوسی کی عیادت کے لیے گیا۔ مریض بستر پر لیٹا کروٹ بدل رہا تھا۔ بہرے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر محبت کے ساتھ ہاتھ پھیرتا رہا پھر مریض سے پوچھنے لگا، طبیعت کیسی ہے؟ مریض بولا مر رہا ہوں۔ بہرے نے جواب دیا بہت خوب، اللہ کا شکر ہے۔ بہرے نے دوسرا سوال کیا، کیا کھایا ہے؟ مریض اس کا جواب سن کر پہلے ہی جلا بھنا ہوا بیٹھا تھا۔ غصے میں بولا زہر کھایا ہے۔ بہرے نے کہا، اچھی خوراک ہے، لیتے رہو۔ بہرے نے آگے پوچھا کس طبیب کا علاج چل رہا ہے؟ مریض، جس کا غصہ پہلے ہی سے آسمان چھو رہا تھا، بولا ملک الموت کا۔ بہرا بولا، بہت اچھا معالج ہے۔ اس سے بہتر کوئی علاج نہیں کر سکتا۔ اس کے قدم مبارک ہیں، علاج جاری رکھو۔

بہرا، اپنے پڑوسی کے گھر سے خوش خوش لوٹا۔ اس نے سوچا کہ پڑوسی کا حق ادا کر دیا ہے۔ مریض ضرور خوش ہوگا کہ میں نے اس کی مزاج پرسی کی ہے۔ لیکن مریض وسوسوں میں گھر گیا۔ برسوں کی دوستی ختم ہوگئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کا پڑوسی کوئی پرانی دشمنی چکانے آیا تھا۔

اس حکایت کا حاصل یہ ہے کہ اگر انسان کی نظر کسی چیز کے ایک پہلو پر ہو تو وہ دوسرے پہلو سے ناواقف رہتا ہے۔ کئی بار وہ جو سمجھتا ہے وہ حقیقت کے برعکس ہوتا ہے۔ حقیقت کی معرفت کے لیے لازم ہے کہ اس کے ہر پہلو پر نظر ہو۔ اسی طرح انسان اگر بلبل کی طرح چہچہانا سیکھ جائے تو بھی وہ اس کے مفہوم سے واقف نہیں ہو سکتا۔ بلبل، پھول سے کیا کہتی ہے؟ اس سے وہ واقف نہیں ہو سکتا۔ بعض اوقات انسان اپنی خوش فہمی کی وجہ سے اپنے برے عمل کو بھی اچھا سمجھ لیتا ہے مگر اسے حقیقت بیں اور

Marfat.com

حقیقت شناس ہونا چاہیے۔ سچائی دیکھنے کے لیے خوش فہمی کو دور رکھنا چاہیے۔

مذکورہ بالا قصہ بظاہر ایک لطیفہ لگتا ہے جسے پڑھ کر ہنسنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر مولانا کی یہ خوبی ہے کہ اس لطیفہ نما حکایت میں بھی سبق کے کئی پہلو پیدا کر دیئے۔ عموماً مولانا رومی کی حکایتیں بے حد سنجیدہ ہیں مگر کہیں کہیں مزاح کے پہلو نکل آتے ہیں جو یقیناً قارئین کو لطف دے جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ درس بھی۔ ایسا درس جسے پوری زندگی یاد رکھا جائے اور اگر اسے اپنا لیا جائے تو حیات کا نقشہ بدل جائے۔

رنگین گیدڑ:

مولانا رومی نے اپنی حکایات میں جانوروں کی تمثیلی کہانیاں بھی شامل کی ہیں۔ ان کہانیوں میں مختلف جانوروں کے کردار ہیں۔ ایسی ہی ایک کہانی رنگین گیدڑ کی بھی ہے۔ دفتر سوم میں بیان کرتے ہیں کہ ایک گیدڑ ایک مرتبہ رنگ کے برتن میں گر گیا۔ کچھ دیر رنگ میں پڑا رہا۔ اس کے بعد باہر نکلا تو اس کا حلیہ بدلا ہوا تھا۔ جب رنگ خشک ہو گیا تو اس کا پورا بدن چمکنے لگا۔ وہ نیلا، پیلا اور ہرا نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور گیدڑوں کی جماعت میں جا کر بولا میں گیدڑ نہیں مور ہوں۔ یہ دیکھو میرے خوبصورت اور رنگین جسم کو، اور یقین کرو کہ میں تمہاری برادری سے نہیں بلکہ تم سے برتر ہوں اور مور ہوں کیونکہ رنگین بدن تو موروں کا ہی ہوتا ہے۔

گیدڑوں نے جب اس کی لاف زنی اور فخر وغرور کو دیکھا تو بولے اے گیدڑ تو آخر فخر وغرور میں کیوں مبتلا ہے۔ آخر یہ گھمنڈ تجھ میں کہاں سے آیا حالانکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تو ہم میں سے ہی ہے۔ تو شاید یہ سمجھ رہا ہے کہ ہمیں بے وقوف بنا کر بلند مرتبے پر فائز ہو جائے گا حالانکہ سچائی تو یہ ہے کہ:

صدق وگرمی خود شعار اولیاست   باز بے شرمی پناہِ ہر دغاست

Marfat.com

یعنی سچائی اور گرم جوشی دوستوں کا شعار ہے۔ بے شرمی کو چھوڑ دے یہ ہر فریب کی بنیاد ہے اور مخلوق کا التفات اپنی طرف خوش اخلاقی سے ہوسکتا ہے۔

اس حکایت میں جہاں ایک طرف یہ بتایا گیا ہے کہ خوش اخلاقی اور میل ملاپ سے تعلقات استوار ہوتے ہیں وہیں یہ درس بھی ہے کہ بد اخلاقی اور غرور انسان کو اپنے ہم جنسوں سے دور کردیتی ہے۔ یہ سبق بھی اس حکایت میں پوشیدہ ہے کہ جسمانی رنگ انسان کی خوبیوں کا معیار نہیں ہونا چاہئے بلکہ اسے اندرونی حقیقت پر نظر رکھنا چاہئے۔ ظاہری رنگ وقتی چیز ہے۔ اس میں تبدیلی آسکتی ہے مگر باطنی چیز دیرپا ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں آسکتی ہے۔

روحانیت بھی ایسی ہی خوبی ہے، اس کا تعلق باطن سے ہے۔ اسی کو درست رکھنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ ظاہری وضع قطع میں تبدیلی سے باطن نہیں بدلتا۔ باطن اگر بدل جائے تو ظاہر خود بخود بدل جاتا ہے۔ عام طور پر علماء ظواہر انسان کے ظاہر کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اہل تصوف اس کے باطن کو صاف ستھرا اور پاکیزہ بنانے پر توجہ دیتے ہیں۔ اسی کے لیے مجاہدہ، نفس کشی، تزکیہ اور عبادت پر زور دیا جاتا ہے۔ وہاں مقصود اصلاحِ باطن ہے۔ کیونکہ اصل تو باطن ہے ظاہر اس کی فرع ہے۔

○○○

Marfat.com

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

''اگر زندگی ہے تو علم میں ہے، اگر راحت ہے تو معرفت میں ہے، اگر شوق ہے تو محبت میں ہے، اگر ذوق ہے تو ذکر میں ہے۔'' (سیر الاولیاء)

Marfat.com

محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

قطب عالم نظام ملت و دیں
آفتابِ کمال شد رخ او

سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ چشتی سلسلے کے ایک ایسے بزرگ ہیں جن کے ذریعہ تصوف کی بڑے پیمانے پر نشر و اشاعت ہوئی۔ آپ نے اپنی زندگی کے بیشتر ایام دلی میں گزارے اور یہیں آپ کی آخری آرامگاہ بھی ہے۔ آپ کے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ یہ شہر وسط ایشیا میں واقع ہے اور ماضی میں یہ علم و فن اور اسلامی ثقافت کا گہوارہ رہا ہے۔ اس کی خاک سے بڑے بڑے علماء، مشائخ اٹھے جنہوں نے ایک عالم کو فیضیاب کیا۔ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد نے ہندوستان میں بدایوں کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا اور یہیں محبوبِ الٰہی کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ولادت:

ایک روایت کے مطابق ۲۷ صفر ۶۳۶ھ آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی زلیخا تھا جنہوں نے آپ کی پرورش کی۔ والد خواجہ احمد علی الحسین بخاری کا انتقال تب ہو چکا تھا جب آپ کی عمر پانچ سال کے قریب تھی۔ بدایوں کو ماضی میں علمی اور سیاسی اعتبار سے اہمیت حاصل رہی ہے۔ دلی سلطنت کا ایک گورنر

Marfat.com

یہاں بھی رہتا تھا اور کئی اہل علم یہاں بستے تھے۔ اسی شہر میں اساتذۂ وقت کے ہاتھوں حضرت نظام الدین اولیاء کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ یہیں رسمی علوم کی تکمیل ہوئی اور یہیں دستار فضیلت آپ کے سر باندھی گئی۔ اسی شہر میں پہلی بار آپ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ ابوبکر قوال سے سنا۔

حسب ونسب:

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ حسب ونسب سے سید تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب بنت رسول حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تک پہنچتا ہے جو نبی محترم کی سب سے چھوٹی اور چہیتی صاحبزادی تھیں۔

تعلیم وتربیت:

حضرت محبوب الٰہی کی تعلیم و تربیت پر آپ کی والدہ نے خصوصی توجہ دی اور آپ کو علماء وقت کی نگرانی میں تعلیم کے لیے بھیجا۔ بے حد ذہین تھے لہٰذا سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور ساتوں قرائتوں میں مہارت پیدا کرلی۔ بارہ سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے مختلف عقلی ونقلی علوم سے فارغ ہو گئے۔ علم تفسیر، حدیث، فقہ واصول کے ساتھ ساتھ ہیئت اور ہندسہ کے بھی ماہر ہو گئے۔ آپ کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ 'مقامات حریری' کے چالیس مقالے اور حدیث کی مشہور کتاب 'مشارق الانوار' کو مکمل حفظ کرلیا تھا۔ اس کتاب پر آپ نے علمی تحقیق بھی کی تھی۔ تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھانے کی غرض سے آپ دلی تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ آپ کی والدہ اور بہن بھی تھیں۔ یہاں بھی علماء نے آپ کے تبحر علمی کو دیکھا اور بحث ومباحثہ سے متاثر ہوکر

Marfat.com

'بحاث' 'محفل شکن' کا خطاب دیا۔ آپ کے اساتذہ میں ایک مشہور نام مولانا کمال الدین زاہد علیہ الرحمہ کا ملتا ہے جنہوں نے آپ کو سند حدیث تحریر کر کے دیا تھا۔ شیخ امین الدین محدث تبریزی بھی آپ کے استاذ تھے۔

مرشد کی خدمت میں:

تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری تھا مگر آپ کے دل میں روحانیت کی تڑپ تھی۔ نور حقیقی کے نظارے کی خواہش تھی جو دامن دل کو کسی اور جانب کھینچ رہی تھی۔ دس سال کی عمر میں پہلی مرتبہ آپ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر سنا تھا تب سے آپ بابا صاحب کی ملاقات کے مشتاق تھے۔ آپ ان سے غائبانہ محبت کرنے لگے تھے اور ان کے نام کا وظیفہ حرز جاں تھا۔ اب آپ بیس سال کے ہو چکے تھے اور علمی اعتبار سے کامل تھے۔ دل کے اشتیاق کو مزید روکنا نہیں چاہتے تھے لہذا اجودھن پہنچ گئے اور بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بہت کچھ کہنے اور سننے کے لیے راستے میں الفاظ موزوں کرتے چلے تھے مگر جب پہنچے اور شیخ شیوخ العالم کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑی تو دل کی کیفیت زیر و زبر ہو گئی۔ کچھ کہنے اور سننے کا ہوش نہ رہا۔ خاموشی کے ساتھ چہرے کو تکتے رہ گئے۔ پتہ نہیں یہ اتفاق تھا یا شیخ کی نگاہ ولایت کا اثر کہ جو الفاظ بابا صاحب کی زبان سے محبوب الٰہی نے سب سے پہلے سنے وہ یہ تھے:

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

مرشد کی بارگاہ میں صرف اتنا عرض کر سکے "مجھے قدم بوسی کا اشتیاق تھا"۔ بابا صاحب نے مرعوب دیکھ کر فرمایا لکل داخل دھشت. (ہر آنے والے پر دہشت غالب ہوتی ہے)۔

بابا صاحب عموماً مرید ہونے کے خواہشمندوں سے مجاہدے کراتے تھے۔ فوراً

Marfat.com

کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔مگر جب نظام الدین اولیاء نے پہنچتے ہی مرید ہونے کی خواہش کی تو بغیر پس وپیش کے آپ نے انھیں مرید کرلیا۔اس موقع پر آپ نے اپنے اس لائق وفائق مرید سے کچھ قرآنی آیتیں پڑھنے کو کہا اور سر کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ ڈالی جیسا کہ مشائخ چشتیہ کا دستور تھا۔بعض اوقات مرید ہوتے وقت مشائخ اس کا سر مونڈوا دیا کرتے تھے مگر آپ کی خواہش ایسا کرنے کی نہیں تھی۔البتہ جب آپ نے ایک مرید کو سر منڈاتے دیکھا تو حضرت بدرالدین اسحٰق کی معرفت سر منڈانے کی خواہش کا اظہار کیا۔پھر مرشد کے حکم سے اس وقت سر منڈا دیا گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی خدمت میں ایک عرصہ گزارا۔اس دوران آپ تعلیم وتربیت میں مصروف رہے اور مرشد کی زیر سرپرستی آپ کی روحانی تربیت ہوتی رہی، اوراد ووظائف کرتے رہے اور مجاہدہ وتزکیہ نفس کے اشغال پر عامل رہے۔مرشد کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں طالب علم ہوں، تعلیم حاصل کروں یا چھوڑ کر اوراد ونوافل میں مصروف ہوجاؤں؟ جواب ملا،''میں کسی کو تعلیم سے نہیں روکتا، وہ بھی کرو، یہ بھی کرو یہاں تک کہ ان میں سے ایک غالب ہوجائے۔''

خلافت واجازت:

محبوب الٰہی نے اپنے مرشد کی حیات میں تین مرتبہ اجودھن کا سفر کیا۔عموماً رمضان کا مہینہ حضرت فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں گزارتے تھے اور شوال یا ذیقعدہ میں واپس ہوتے تھے۔اس دوران روحانی تجربے تو ہوتے ہی تھے ساتھ ہی آپ نے کئی کتابوں کا درس بھی مرشد سے لیا ان میں تصوف کی کتابیں بھی شامل تھیں۔تیسرے سفر میں حضرت گنج شکر نے اپنے لائق وفائق مرید کو خلافت عطا فرمائی اور جب آپ دہلی

Marfat.com

واپس آئے تو کچھ دن بعد مرشد کے انتقال کی خبر ملی اور پھر اجودھن تشریف لے گئے۔ بابا صاحب کے داماد اور خلیفہ حضرت بدرالدین اسحٰق نے وصیت کے مطابق ان کے تبرکات مصلیٰ، تسبیح، خرقہ اور نعلین آپ کو عطا فرمائے۔ مگر جب تک مولانا بدرالدین اسحٰق باحیات رہے حضرت نظام الدین اولیاء نے کسی کو بیعت نہیں کیا۔ آپ نے اجودھن کے کل دس سفر کئے، جن میں سات سفر مرشد کے انتقال کے بعد ہوئے۔

دہلی میں قیام:

حضرت نظام الدین اولیاء جب پہلی بار بدایوں سے دہلی تشریف لائے تو بعض روایتوں کے مطابق آپ کی عمر سولہ سال تھی۔ یہاں کرایے کے مختلف مکانوں میں آپ کا قیام رہا۔ پہلے آپ تحصیل علم کرتے رہے پھر عبادت و ریاضت اور مجاہدے میں مصروف ہوئے۔ یہاں دہلی میں جب منکرات کا زور تھا اور لوگ خلاف شرع کام کھلم کھلا کرتے تھے، حلال وحرام کی تمیز مٹ چکی تھی ایسے ماحول سے آپ کا دل بھی اچاٹ ہو چکا تھا اور آپ نے اس شہر کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا مگر کچھ غیبی اشارے پا کر اس ارادے سے باز رہے۔ بعد میں غیبی اشارے ملتے ہی نواح دہلی کے ایک گاؤں غیاث پور میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ یہ گاؤں جمنا کے کنارے واقع تھا اور بہت کم آبادی تھی۔ غیاث پور وہیں واقع تھا جہاں آج کل ہمایوں کا مقبرہ ہے۔ مقبرے کی دیوار سے متصل آج بھی نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کے باقیات ہیں۔ بعد میں سلطان معزالدین کیقباد نے یہاں سے قریب کیلوکھری میں اپنا محل بنوایا اور دیگر امراء بھی ادھر آ بسے۔ اس طرح یہاں چہل پہل ہوگئی اور حضرت محبوب الٰہی کو عبادت و ریاضت میں خلل محسوس ہونے لگا۔ اب آپ کو لوگ جاننے لگے تھے اور آپ کی شہرت سن کر یہاں آنے بھی لگے تھے، مگر غیبی اشارے نے آپ کو یہاں سے باہر جانے سے روک دیا۔

Marfat.com

خانقاہِ نظام الدین اولیاء کی اہمیت، تاریخ کے آئینے میں

مقبرہ ہمایوں کی دیوار سے متصل، گردوارہ بنگلہ صاحب کے قریب ایک چھوٹی سی پرانی عمارت ہے۔ جو باہر سے آج بھی پرانی طرز کی نظر آتی ہے، مگر اب اندر سے سفید سنگِ مرمر لگا دیا گیا ہے۔ آس پاس کچھ نئی اور پرانی قبریں ہیں، وضو خانہ ہے اور ایک بورڈ لگا ہوا ہے، جس پر تحریر ہے:

''خانقاہ حضرت نظام الدین اولیاء، یہاں حضرت نظام الدین اولیاء نے ۶۵ سال تک قیام فرمایا۔''

جی ہاں! یہ چشتی سلسلے کے معروف صوفی شیخ المشائخ، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ ہے۔ راجدھانی دلّی کے قلب میں واقع ہے مگر باوجود اس کے اب یہ بالکل گمنام ہے۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر محبوبِ الٰہی کی مبارک قبر ہے جہاں عوام وخواص کا زبردست ازدہام لگا رہتا ہے۔ روزانہ ہزاروں زائرین کی ادھر آمد ہوتی ہے مگر ان میں سے شاید ہی کسی کو پتہ ہو کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی تاریخ ساز خانقاہ بھی یہیں قریب ہی واقع ہے۔ خانقاہ اگرچہ مزار سے زیادہ دور نہیں ہے مگر مزار کے برعکس یہاں عموماً پرسکون ماحول رہتا ہے کیونکہ زائرین ادھر کا بالکل رخ نہیں کرتے۔ یہاں نہ تو ٹرافک کی بھیڑ بھاڑ ہے اور نہ گاڑیوں کی آوازیں۔ یہاں نہ تو چادر، پھول اور شیرینی فروشوں کی چیخ پکار ہے اور نہ ہی خادموں کی خدمات کی تکلفات۔ آس پاس پیڑ پودے اور پھول لگے ہوئے ہیں۔ چڑیوں کی چہکار سے ماحول خوشگوار رہتا ہے۔ ابھی چند سال قبل اخباروں میں خبر آئی تھی کہ خانقاہ سے متصل مقبرہ ہمایوں کی دیوار کے نیچے ایک سُرنگ دریافت ہوئی ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سرنگ سے حضرت نظام الدین اولیاء، آیا جایا کرتے تھے۔ یہ پتہ نہیں چل پایا ہے کہ اس زیر زمین سرنگ کی تاریخی حقیقت کیا ہے، مگر یہ باہر سے بالکل نظر نہیں آتی۔ ویسے بھی حضرت نظام الدین اولیاء کے حوالے سے اس کا کتابوں میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

Marfat.com

خانقاہِ شیخ المشائخ، کل اور آج:

خانقاہِ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ میں آکر انتہائی قلبی سکون کا احساس ہوتا ہے۔ یہاں ایک روحانی کیفیت طاری رہتی ہے اور آج بھی یہاں آنے والوں کو روحانی آسودگی محسوس ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس مقام کی طرف اب بھی محبوب الٰہی کی روحانی توجہات ہیں۔ یہاں جمعہ کی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے، جس کے لئے امام مقرر ہے۔ جمعہ کی نماز میں بھی چند مقامی افراد نظر آتے ہیں۔ مولانا حافظ محمد الیاس دیوریاوی (مہرولی، دہلی) نے بتایا کہ وہ ایک مدت تک یہاں جمعہ کی نماز پڑھاتے رہے ہیں۔ فی الحال (۲۰۱۳ء میں) خانقاہ کے نظم ونسق کے ذمہ دار جناب کاشف نظامی ہیں۔

آج جہاں بیشتر لوگوں کو اس خانقاہ کی کوئی جانکاری نہیں وہیں دوسری طرف اچھے خاصے جانکار بھی کئی غلط فہمیوں کے شکار ہیں۔ ''ہشت بہشت'' کے مرتب اور ملفوظاتِ خواجگان کے مترجم جناب عنصر صابری ملفوظاتِ نظام الدین اولیاء 'افضل الفوائد' کی ابتدائی نوٹ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''(نظام الدین اولیاء) آج اسی جگہ دفن ہیں جہاں آپ نے مجاہدے کئے اور دہلی میں قدم رکھنے کے بعد جلوہ افروز رہے۔''

حالانکہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ جس جگہ حضرت محبوبِ الٰہی کی قبر ہے وہاں آپ کا آنا جانا تھا مگر وہاں کبھی قیام نہیں رہا۔ قیام تو اسی خانقاہ میں رہا اور ایک دو سال نہیں بلکہ پورے ۶۵ سال تک آپ یہیں مقیم رہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی جو خانقاہ آج بالکل گمنامی میں کھوئی ہوئی ہے، کبھی تاریخی اہمیت کی حامل ہوا کرتی تھی۔ اس مقام کا نام غیاث پور تھا اور یہاں سے تھوڑے فاصلے پر جمنا ندی بہا کرتی تھی۔ غیاث پور گاؤں تو تاریخ کی تاریکیوں میں کہیں

Marfat.com

گم ہو گیا اور جمنا ندی بھی رفتہ رفتہ یہاں سے دور ہوتی چلی گئی۔ اب تو ندی برائے نام باقی بچی ہے، جو ایک گندے نالے میں تبدیل ہو چکی ہے اور اس کی زمین پر کثیر منزلہ عمارتیں کھڑی ہو چکی ہیں۔ حضرت نظام الدین ریلوے اسٹیشن کی جگہ پر کبھی جمنا ندی بہا کرتی تھی۔ یہاں ہمایوں کا مقبرہ بھی بہت بعد کے زمانے میں تعمیر ہوا۔ جب حضرت نظام الدین اولیاء نے اس مقام کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا تو یہ ایک دور افتادہ گاؤں تھا۔ بعد میں غیاث الدین بلبن کے پوتے معز الدین کیقباد نے اس کے قریب کیلوکھیری کا شہر آباد کیا اور اپنی راجدھانی یہیں منتقل کر لی تو امراء اور ارکان دولت بھی ادھر ہی چلے آئے اور لوگوں کی آمد و رفت بڑھ گئی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آپ نے نہ جانے کتنے مجاہدے کئے، عبادت و ریاضت کی اور تلاوتِ قرآن کی۔ یہاں سے لوگوں میں اخلاق و مروت اور اخلاص و محبت کا سبق عام کیا۔ یہیں سے راہ سلوک کے مسافروں کی رہنمائی فرمائی اور اسی مقام پر مبلغین دینِ متین کی تربیت ہوئی۔ اپنی خانقاہ میں قیام کے دوران آپ کو مختلف قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے چودہ بادشاہوں کے زمانے دیکھے جن میں سے کچھ کے ساتھ آپ کے تعلقات اچھے رہے تو بعض آپ سے بغض و عناد رکھتے تھے۔

خانقاہ کے حاضرین:

خانقاہِ حضرت نظام الدین اولیاء کی ایک زمانے میں بے حد شہرت اور مقبولیت تھی۔ یہاں عوام و خواص کا اژدہام ہوا کرتا تھا اور اس دور کے لوگ یہاں حاضری دینے ضرور آیا کرتے تھے۔ تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں ایسے لوگوں کے تذکرے ملتے ہیں جو یہاں آیا جایا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں میں صوفیاء کرام، اہلِ طریقت و شریعت کے ساتھ ساتھ عوام، ارکانِ حکومت، شہزادے اور امراء بھی ہوا کرتے تھے۔ حضرت محبوبِ

Marfat.com

الٰہی کی بارگاہ میں تربیت پانے والوں اور مجاہدے سے گزرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ یہ وہ اشخاص تھے، جنھوں نے یہاں آکر زندگی کا مقصد پالیا اور ان کے ذریعے انسانیت کا پیغام ملک کے گوشے گوشے تک پہنچا۔ حضرت نصیرالدین چراغ دہلی رحمہ اللہ علیہ جو دہلی میں قیام پذیر رہ کر اپنے مرشد کے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔ حضرت اخی سراج بنگالی علیہ الرحمہ جو اگرچہ خانقاہ میں ایک عقیدتمند کے طور پر آئے مگر یہاں انھیں علم کے ساتھ ساتھ معرفتِ خداوندی کی دولت بھی ملی اور انھوں نے بنگال جاکر اسلام وسلوک کے پیغام کو عام کیا۔ یہاں آنے والوں میں حضرت مولانا برہان الدین غریب تھے، جنھوں نے دکن میں تصوف کی اشاعت کی اور عوام الناس کو معرفتِ الٰہی کی دعوت دی۔ یہاں آنے والوں میں شیخ سید حسین، شیخ حسام الدین اور شاہ بارک اللہ علیہم الرحمہ تھے جنھوں نے گجرات کے علاقے میں حضرت محبوبِ الٰہی کے پیغام کو عام کیا۔ خانقاہِ نظام الدین اولیاء میں حاضری دینے والوں میں شیخ وجیہہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین اور مولانا مغیث الدین جیسے بزرگ تھے جنھوں نے مالوہ اور مدھیہ پردیش کے علاقے میں اتحاد و یگانگت کے پیغام پہنچائے۔ چراغ سے چراغ جلے اور دھیرے دھیرے شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کا پیغام عام ہوا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں برصغیر کے سب سے بڑے شاعر حضرت امیر خسرو بصد عقیدت حاضر ہوا کرتے تھے، جو اپنی شاعری کو اپنے مرشد کا فیضان تصور کرتے تھے اور جن کی شاعری کی چاشنی صدیاں گزرنے کے بعد بھی برقرار ہے۔ وہ یہیں حاضر ہو کر مرید ہوئے، بار بار یہاں آتے رہے اور مرشد کے انتقال کے بعد وہ بھی ہمیشہ کے لئے ان کی قبر کے پاس ہی سو رہے ہے۔

گوری سوئے سیج پر سو مکھ پر ڈارو کیس
چل خسرو گھر آپنے سو سانجھ بھئی چودیس

Marfat.com

حضرت امیر خسرو نے اپنی کتاب افضل الفوائد میں شیخ المشائخ کی جناب میں حاضری اور پھر بیعت کی تفصیلات لکھی ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"۲۴، ماہ ذوالحجہ ۷۱۳ ہجری کو بندہ ضعیف ونحیف خسرو ولد حسین جناب کے بندگانِ درگاہ سے ہے اور جو ان معانی کا جمع کرنے والا ہے، قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی، تو اسی وقت چہار ترکی کلاہ میرے سر پر رکھ کر شرف بیعت سے مشرف فرمایا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

جس روز میں حاضرِ خدمت ہوا، میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ پہلے میں جا کر آپ کے آستان پر بیٹھ جاؤں گا۔ اگر خواجہ صاحب نے مجھے خود بلالیا تو پھر میں بیعت کرونگا۔ الغرض جب میں آستان پر جا کر بیٹھا تو آپ کے خدمت گار مبشر نام نے باہر آ کر سلام کہا اور کہا کہ جناب فرماتے ہیں کہ باہر ایک ترک بیٹھا ہے اسے اندر بلالو۔ میں فوراً اٹھ کر اس کے ہمراہ اندر گیا اور سر زمین پر رکھ دیا۔ فرمایا سر اٹھاؤ! میں نے اٹھایا تو زبانِ مبارک سے فرمایا کہ تو نے اچھا کیا ہے، مناسب موقع پر آیا ہے۔ خوش آیا ہے، اور پھر عنایت وشفقت میرے حال پر فرمائی اور شرف بیعت سے مشرف فرمایا۔ خاص بارانی اور چہار ترکی کلاہ عنایت کی۔" (افضل الفوائد، اول، فصل ۱)

یہ ایک واقعہ ہے جو بیان کیا گیا، اگر تفصیل میں جائیں تو اس طرح کے بے شمار واقعات ملتے ہیں، جو اسی خانقاہ میں دیکھنے کو ملے۔ یہاں جو باتیں پیش آئیں ان کی تفصیلات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ امیر خسرو کی کتاب افضل الفواد اور امیر حسن کی کتاب فوائد الفواد میں جو ملفوظات تحریر ہیں وہ اسی خانقاہ میں شیخ المشائخ کی زبانِ فیض ترجمان پر جاری ہوئے۔ (تفصیل سیر الاولیاء، افضل الفواد، فوائد الفواد، تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی اور بزرگانِ چشت کے تذکروں میں دیکھیں۔)

Marfat.com

خانقاہ سے متعلق سیاسی واقعات:

خانقاہِ شیخ المشائخ کی یہ خصوصیت تھی کہ یہاں ہر طبقے کے افراد حاضری دینے آیا کرتے تھے۔ یہاں آنے والوں میں جس قدر درویش ہوتے تھے اسی قدر امیر اور رئیس بھی ہوا کرتے تھے۔ البتہ کوئی بادشاہ دورانِ بادشاہت یہاں نہیں آیا۔ اگر کوئی بادشاہ یہاں آنا چاہتا تو آپ منع فرمادیا کرتے تھےاور خود بھی کسی بادشاہ کے دربار میں حاضری دینے سے گریز کیا کرتے تھے۔ یہاں آنے والے شاہی خاندان کے افراد میں ایک شہزادہ خضر خاں بھی تھا۔ سلطان علاء الدین خلجی کے شہزادے خضر خاں کی حضرت نظام الدین اولیاء سے عقیدت کے تذکرے اکثر کتابوں میں ملتے ہیں۔ وہ آپ کا مرید تھااور اس نے اظہارِ عقیدت کے طور پر ایک عمارت کی تعمیر بھی کرائی تھی، جو آج بھی موجود ہے۔ سرخ پتھروں سے تعمیر شدہ اس عمارت کو حضرت نظام الدین اولیاء کے مقبرے کے مقصد سے تعمیر کیا گیا تھا مگر آپ نے اس میں دفن ہونا پسند نہیں کیا اور بعد میں اس کا استعمال ایک مسجد کے طور پر ہونے لگا۔ یہ عمارت آپ کی قبر کی مغربی سمت میں موجود ہے۔

تاریخی روایات کے مطابق بادشاہ علاء الدین خلجی بھی آپ کی خانقاہ میں حاضر ہونا چاہتا تھا مگر آپ نے اس کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی آپ اس سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ علاء الدین خلجی سے آپ کے تعلقات ایک دلچسپ موضوع ہے۔ اس تعلق سے بہت کچھ کتابوں میں ملتا ہے۔ 'تاریخِ فیروز شاہی' کے حاشیے میں 'سیر الاولیاء' کے حوالے سے درج ہے:

> ''سلطان کے امراء ومتوسلین میں سے ایک بڑی تعداد شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھی۔ خود اس کا محبوب بیٹا، خضر خاں ان کا مرید تھا۔ سیر الاولیاء کے مصنف نے ایک واقعہ بیان کیا ہے، جو اس موضوع پر

Marfat.com

روشنی ڈالتا ہے۔ شیخ سے کچھ لوگ حسد رکھتے تھے، انھوں نے سلطان علاء الدین کو بہکایا کہ شیخ کا اثر بڑھتا جارہا ہے اور خطرناک حد تک زیادہ ہوگیا ہے۔ آپ کی حکومت کو ان کی طرف سے خطرہ ہے۔ علاء الدین کو ان کی باتوں سے کچھ شک پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اس نے شیخ کے خیالات معلوم کرنے کی ایک تدبیر سوچی۔ اس نے ان کو خط لکھا کہ دینی معاملات میں آپ کی رائے نہایت وقیع اور معتبر ہے، بہ حیثیت حکمراں میں چاہتا ہوں کہ چند مسائل جن کا تعلق حکومت سے ہے، آپ کی رائے معلوم کروں تاکہ اس پر عمل کرسکوں۔ یہ خط خضر خاں لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے خط لے لیا، لیکن اس کو کھولا تک نہیں، فاتحہ پڑھی اور کہا کہ میں درویش ہوں، مجھے حکومت کے معاملات سے کیا غرض؟ میں سلطان اور جملہ مسلمانوں کے لئے دعاء کرتا رہتا ہوں۔ اگر بادشاہ کو میرا یہاں رہنا ناگوار ہے تو میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔ علاء الدین اس جواب سے صرف مطمئن ہی نہیں ہوا بلکہ اس کی عقیدت شیخ کے ساتھ اور زیادہ ہوگئی۔ وہ چاہتا تھا کہ شیخ سے ملاقات کرے اور اس کے لئے اس نے درخواست بھی کی، لیکن شیخ علیہ الرحمہ اس سے ملنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور صاف انکار کردیا۔" (حاشیہ تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۴۸۴)

سلطان علاء الدین خلجی عجیب وغریب مزاج رکھتا تھا، اس سے کوئی بھی عمل ناگزیر نہیں تھا۔ خاص طور پر حکومت کے معاملات میں وہ کسی قسم کی بدانتظامی اور لاپرواہی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی سطوت اس کے عہد حکومت میں عروج پر تھی، اگر وہ آپ کو حکومت کے لئے کوئی خطرہ سمجھتا تو آپ کے خلاف کارروائی سے بھی دریغ نہ کرتا۔ تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں جو واقعات ملتے ہیں ان سے ایسا

Marfat.com

لگتا ہے کہ وہ ابتدا میں آپ کے تعلق سے کچھ شک وشبہے رکھتا تھا مگر پھر اس کے دل میں عقیدت پیدا ہوگئی تھی۔ضیاء الدین برنی کے بیان کے مطابق، سلطان نے ایک بار آپ کے پاس اپنے نمائندے بھیج کر لشکرِ شاہی کا حال بھی جاننا چاہا تھا، کیونکہ تقریباً چالیس دن سے اسے کوئی خبر نہیں مل پائی تھی۔واقعہ یوں ہے:

''اس موقع پر جب ملک نائب، ارنگل کے حصار گلین کے محاصرے میں مشغول تھا، تلنگ کے راستے میں کچھ خلل واقع ہوگیا اور بعض تھانے ختم ہوگئے، اور چالیس دن سے زیادہ گزر گئے کہ سلطان علاء الدین تک لشکر کی کوئی خبر نہیں پہنچی۔سلطان کا دل فکر مند ہوگیا، اور شہر کے امراء، معارف اور بزرگوں کو خیال ہونے لگا کہ شاید لشکر کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے، اور کوئی فتنہ کھڑا ہوگیا ہے کہ خبر پہنچنے کا راستہ منقطع ہوگیا۔ایک روز جس زمانے میں اس کو یہ فکر لاحق تھی، سلطان نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین بیانہ کو شیخ نظام الدین کے پاس بھیجا کہ ان سے جا کر عرض کریں کہ لشکرِ اسلام کی خبر نہ آنے کے باعث میرا دل فکر مند ہے، آپ کو اسلام کا غم مجھ سے زیادہ ہے، اگر نورِ باطن کے ذریعے لشکرِ اسلام کا کچھ حال آپ پر ظاہر ہوا ہو تو کوئی اچھی خبر میرے پاس بھی بھیجیں۔یہ پیغام لے جانے والوں سے سلطان نے کہا کہ یہ پیغام ان کو سنانے کے بعد جو حکایت یا واقعہ شیخ کی زبان سے سنو وہ اسی طرح میرے سامنے آکر بیان کرو، اس میں قطعاً کمی بیشی نہ کرنا۔یہ دونوں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان کا پیغام ان کو پہنچایا۔شیخ نے سلطان کا پیغام سن کر بادشاہی کی فتح ونصرت کا ذکر کیا اور اسی وقت پیغام لے جانے والوں سے کہا کہ یہ فتح کیا، ہم کو اور بھی فتوحات کی امید ہے۔ملک قرابیگ اور قاضی مغیث بیانہ نہایت خوش اور شیخ کا شکریہ ادا کر کے ان کے پاس سے واپس آئے

Marfat.com

اورسلطان کی خدمت میں حاضر ہوکر، جو کچھ انھوں نے شیخ کی زبان سے سنا تھا، اس کے سامنے عرض کردیا۔ شیخ کے فرمائے ہوئے الفاظ سن کر سلطان علاء الدین بے حد خوش ہوا اور اس کو یقین ہوگیا کہ ارنگل یقیناً فتح ہوگیا ہے، اور میرا مقصد حاصل ہوگیا ہے۔ اس نے اپنا رومال ہاتھ میں لے کر اس کے ایک کنارے پر گرہ لگائی اور کہا کہ شیخ کے الفاظ کو میں فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ شیخ کی زبان سے بیکار باتیں نہیں نکلتی ہیں۔ ارنگل فتح ہوگیا ہے اور مجھ کو دوسری فتوحات کی بھی امید رکھنی چاہیے۔ خدا کے حکم سے اسی روز نمازِ عصر کے وقت ملک نائب کی ڈاک لے کر لوگ آئے اور اس میں ارنگل کا فتح نامہ بھی تھا۔ جمعہ کے روز منبروں سے یہ فتح نامہ پڑھ کر سنایا گیا اور شہر میں لوگوں نے خوشیاں منائیں اور شادمانی کے طبل بجائے گئے۔ اس کے بعد سلطان علاء الدین خلجی کا اعتقاد شیخ کی کرامت اور بزرگی میں اور پختہ ہوگیا۔''

(اردو ترجمہ تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۴۸۶)

جس واقعے کا اوپر ذکر کیا گیا وہ حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ کا واقعہ ہے۔ اسی قسم کے بہت سے تاریخ ساز واقعات اس خانقاہ میں پیش آئے۔

بادشاہِ دکن کی حاضری:

حضرت نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں جن تاریخ ساز شخصیات کی آمد ہوئی ان میں ایک بادشاہِ دکن سلطان علاء الدین حسن گانگو بہمنی بھی شامل ہے، مگر وہ تب بادشاہ نہیں ایک مفلوک الحال مسافر تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ شیخ المشائخ نے اپنے خادم سے کہا کہ ''ایک شخص شریفِ باطن اور شکل وصورت سے بھی شرافت ونیکی کی

Marfat.com

تصویر ہے، باہر کھڑا ہے، اسے بلا کر لاؤ۔'' خادم باہر گیا مگر جلد ہی واپس آکر بولا کہ ایسا کوئی شخص باہر نہیں ہے۔ ہاں البتہ ایک فقیر باہر کھڑا ہے۔ شیخ نے ارشاد فرمایا ''ہاں! وہی شخص ہے، جو بظاہر فقیر معلوم ہو رہا ہے مگر حقیقت میں دکن کا تاجدار ہے۔'' بہر حال وہ شخص اندر آیا تب تک لنگر کا کھانا ختم ہو چکا تھا لہٰذا آپ کے افطار کے لئے جو سوکھی روٹی رکھی ہوئی تھی، اسی میں سے ایک ٹکڑا آپ نے اسے بطور تبرک عطا فرمایا اور نصیحت کے بعد رخصت فرمایا۔ علاء الدین حسن گانگو بہمنی دہلی سے رخصت ہو کر دولت آباد آیا جہاں پہلے وہ جاگیردار بنا، پھر ۷۴۸ھ بروز جمعہ اس کے سر پر دکن کی بادشاہت کا تاج رکھا گیا۔

جب ان کے گدا بھر دیتے ہیں شاہانِ زمانہ کی جھولی
محتاج کا جب یہ عالم ہے مختار کا عالم کیا ہوگا

علاء الدین حسن نے بادشاہ بننے کے بعد پہلا حکم یہ جاری کیا کہ حضرت محبوبِ الٰہی کے ایصالِ ثواب کے لئے پانچ من سونا اور دس من چاندی غریبوں میں تقسیم کی جائے۔ حکم کے مطابق یہ سب چیزیں خلیفۂ شیخ المشائخ مولانا برہان الدین غریب کے ہاتھوں تقسیم کی گئیں۔ اس خاندان کی حکومت لگ بھگ دو صدیوں تک قائم رہی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں، تاریخِ فرشتہ، مرتب، محمد قاسم فرشتہ)

خانقاہ کی خدمات:

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش بھارت کی پہلی خاتون حکمراں رضیہ سلطانہ بنتِ شمس الدین التمش کے عہد میں بدایوں میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اگرچہ بدایوں میں ہوئی مگر بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ دہلی چلے آئے، جہاں وقت کے بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ جب آپ نے راہِ سلوک اختیار کی اور

Marfat.com

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوکر دہلی میں مستقل طور پر قیام فرمایا تو یہاں کے حالات دگر گوں تھے۔ مورخین کے مطابق یہاں بے راہ روی عام تھی۔ شراب، جوا، زنا، لواطت کی کثرت تھی۔ ناچ ورنگ کا دور دورہ تھا۔ اس دوران کچھ ایسے بادشاہ بھی ہوئے جن کے دورِ اقتدار میں ان برائیوں کو بڑھاوا ملا۔ ان میں ایک تو سلطان غیاث الدین بلبن کا پوتا سلطان معزالدین کیقباد تھا۔ جسے کم عمری اور ناتجربہ کاری میں قسمت سے اقتدار ہاتھ لگ گیا تھا۔ کیقباد کی پرورش اس کے دادا کی نگرانی میں ہوئی تھی، جو انتہائی سخت گیر تھا۔ اس نے کیقباد کو ان تمام اخلاقی برائیوں سے دور رکھا تھا جو کہ بادشاہوں میں عموماً پائی جاتی تھیں۔ وہ نظریں نیچی رکھتا تھا اور شاہد وشراب کو کن انکھیوں سے دیکھتا تھا مگر جب اچانک اس کے ہاتھ میں اقتدار آیا، اور ہر طرح کی پابندیوں سے آزادی ملی، تو اس نے ان کا ذائقہ چکھا اور پھر سب کچھ چھوڑ وہ عیش وعشرت میں ڈوب گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے ارکانِ سلطنت بھی اسی کے راستے پر چل پڑے۔ عہدِ بلبن میں سلطان کی سخت گیری کے سبب جو امراء عیاشیاں نہیں کر سکتے تھے، اب انھیں اس کی کھلی چھوٹ ملی تو انھوں نے بھی کھل کر اپنی دولت لٹانی شروع کردی۔ عوام تو اپنے حکمرانوں کی طرز پر ہمیشہ چلتے رہے ہیں، جب انھوں نے اہلِ اقتدار اور رئیس طبقے کو عیش وعشرت میں مبتلا دیکھا تو وہ خود بھی اسی راستے پر چلنے لگے۔ نتیجہ کے طور پر اخلاقی برائیاں عام ہوگئیں۔ شراب وشباب اور شاہد وکباب کی ارزانی ہوگئی۔ اربابِ نشاط کے قافلے دور دور سے دہلی کا رخ کرنے لگے۔ معروف مورخ ضیاء الدین برنی جو اُس دور میں خود موجود تھا، اس وقت کے حالات یوں قلمبند کرتا ہے:

> ''بے کار لوگوں کی بن آئی۔ خوشیاں اڑانے والے، مجلسوں میں رونق پیدا کرنے والے، عیش وعشرت کے دلدادہ، لطیفہ گو اور ہنسی مذاق کرنے والے جو خاموش تھے اور گوشۂ خواری میں بے کار اور بے

Marfat.com

خریدار پڑے ہوئے تھے، سب کام سے لگ گئے۔ ہر دیوار کے سائے میں پری رو دکھائی دینے لگے۔ ہر بالا خانے پر حسین جلوہ نمائی کرنے لگے۔ ہر کوچے میں گانے والیاں اور غزل خواں پیدا ہو گئے اور ہر محلے میں گانے بجانے کا شغل شروع ہو گیا۔ عیاش اور اوباشوں کے دن پھر گئے۔ ساتھیوں اور مصاحبوں کا نصیب کھل گیا۔ ہنسی اور دل لگی کرنے والوں کی قسمت جاگ اٹھی۔ مطربوں اور حسینوں کا ستارہ چمک گیا۔ مہ جبینوں اور ماہ رووں کا چاند طلوع ہوا۔ خود سلطان معزالدین اور اس کے ارکانِ ملک و دولت اور اس کے عہد کے خانزادے و ملک زادے، تفریح اور عیش کرنے والے، مالدار، نفس پرست اور مزے اڑانے والے سب کے سب عیش و طرب اور راحت و آرام میں پڑ گئے۔ مملکت کے عوام و خواص کا دل شراب و شاہد و مطرب اور مسخروں کی طرف راغب ہو گیا اور الناس علیٰ دین ملوکھم کا اثر سلطنت کے ہر بڑے، چھوٹے، جوان و بوڑھے، عالم و جاہل، عقلمند و بیوقوف اور ہندو مسلم پر ظاہر ہونے لگا۔"

(اردو ترجمہ تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۲۱۷-۲۱۸)

اسی پر بس نہیں، انتہا یہ کہ سلطان معزالدین کیقباد نے کیلوکھری کا شہر آباد کیا اور اس کے امراء نے بھی اسی شہر میں اپنے لئے محلات تعمیر کرائے۔ یہ شہر موجودہ مہارانی باغ اور فرینڈس کالونی کے علاقے سے پرانے قلعے تک پھیلا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ سماجی برائیوں کا سلسلہ حضرت نظام الدین اولیاء کی جائے قیام غیاث پور کے آس پاس بھی تھا، کیونکہ یہ گاؤں بھی کیلوکھری کے علاقے میں ہی آتا تھا۔ کیلوکھیری کے بارے میں ضیاء الدین برنی لکھتا ہے:

"ہر علاقے سے مطرب، خوش الحان اور حسین لوگ، ہنسی کرنے والے

Marfat.com

مسخرے اور بھانڈ دربار میں آ گئے۔ چاروں طرف خوب آبادی نظر آنے لگی۔ فسق و فجور کا رواج عام ہو گیا۔ مسجدیں نمازیوں سے خالی ہو گئیں اور شراب خانے آباد ہو گئے۔ خانقاہوں میں کوئی باقی نہ رہا اور مصطبی یعنی نشست گاہیں بھرنے لگیں۔ شراب کا نرخ دس گنا بڑھ گیا اور لوگ عیش عشرت میں ڈوب گئے۔ رنج والم اور غم و فکر، خوف و ہراس اور محرومی کسی کے سینے میں باقی نہیں رہی۔ ظریف، خوش طبع، لطیفہ گو اور ہنسی دل لگی کرنے والے ایک ایک کر کے سب (اسی شہر میں) آ کر بس گئے۔ گویوں اور حسینوں کے سر میں نازنخروں کا سودا سما گیا۔ شراب اور عرق بیچنے والوں کی ہمیانیاں سونے اور چاندی کے تنکوں سے بھر گئیں۔ حسین، بدکار اور مشہور فاحشہ عورتیں سونے میں اور زیورات میں غرق ہو گئیں۔ اکابر اور مشاہیر کے لئے اب شراب پینے مجلسیں منعقد کرنے، دوستوں کو جمع کرنے، گانا سننے، جوا کھیلنے، بخششیں دینے، مزے اڑانے، عمر کے ایک حصے کو بے وفا زمانے میں اچھی طرح گزارنے اور رات دن عیش و آرام میں بسر کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔" (ترجمہ تاریخ فیروز شاہی، صفحہ ۲۱۹۔۲۲۰)

امراء کا عجیب شوق:

حضرت نظام الدین اولیاء کے زمانے میں جہاں دیگر برائیاں عام تھیں وہیں ایک خاص قسم کی برائی بھی پائی جاتی تھی، وہ تھی ہم جنس پرستی۔ اسے اس دور میں بچہ بازی کہتے تھے اور یہ افغانستان میں آج بھی اسی نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ اس دور کے بادشاہوں، امیروں اور رئیسوں کا شوق تھی۔ اپنی اوقات کے مطابق ہر امیر و رئیس تربیت یافتہ خوبصورت، کم سن غلاموں یا لڑکوں کو اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے

Marfat.com

رکھتا تھا۔ ان سے ساقی یا مطرب کا بھی کام لیا جاتا تھا۔ ان لڑکوں کو خاص اسی مقصد کے تحت تربیت دی جاتی تھی اور دلربائی کے تمام ہنر سکھائے جاتے تھے۔ یہ لعنت بے حد عام تھی اور ہر خاص وعام کم وبیش اس کی گرفت میں تھا۔ اس کے سبب کئی سیاسی انقلابات بھی آئے مگر یہ برائی جوں کی توں رہی۔ سلطان معزالدین کیقباد نے جب عیش وعشرت سے توبہ کیا اور شراب وشباب سے دور رہنے کا عہد کیا تو اس کی توبہ توڑوانے کے لئے کچھ لوگوں نے یہ طریقہ اپنا تھا کہ ایک تربیت یافتہ خوبرو، جوان کو اچھے لباس میں اس کے راستے میں بھیج دیا۔ بس اس کی اداؤں کو دیکھ کر اس نے توبہ توڑ دی۔ سلطان علاء الدین خلجی کی حکومت ہم جنسی کی نذر ہوگئی اور اسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے اور جانشیں قطب الدین مبارک شاہ کی جان بھی اسی 'عاشقی' میں گئی۔ 'معشوق' خسروخاں نے اپنے عاشق مبارک شاہ کی حکومت کو ختم کردیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے خاندان کے بچے بچے کو بے رحمی سے مارڈالا اور اس خاندان کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ تاریخ میں اس سبب بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں، یہاں تک کہ کئی جنگیں بھی اسی سبب ہوئیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جب بیعتِ عام کا سلسلہ شروع کیا تو آپ اس بُرے کام سے بھی توبہ کراتے تھے، اور دوبارہ نہ کرنے کا عہد لیتے تھے۔

منکرات کی کثرت:

سلطان معزالدین کیقباد محض ۱۸ سال کی عمر میں تخت نشیں ہوا۔ جیسا کہ بیان کیا گیا اس نے اپنا مختصر سا دورِ حکومت عیش وعشرت میں گزارا اور اسی کے نقش قدم پر اس کے امراء اور روساء بھی چلے۔ ہر طرف عیش ونشاط کا دور دورہ تھا۔ گانے بجانے والوں کی کثرت تھی، شراب کی مانگ بڑھی ہوئی تھی جس سے اس کی قیمت دس گنا بڑھ

Marfat.com

گئی تھی۔ حسینوں اور خوش الحانوں کی مانگ زوروں پر تھی جو محفلوں کی جان ہوا کرتے تھے۔ مطرب، سازندے، رقاص اور مسخرے شہر میں آبسے تھے۔ مسجدیں نمازیوں سے خالی تھیں، خانقاہیں ویران تھیں اور شراب خانے آباد تھے۔ اس صورت حال نے حضرت محبوبِ الٰہی کو پریشان کر رکھا تھا۔

اصلاح کی کوشش:

نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے جب دلی اور اس کے نواح میں فسق و فجور کا بازار گرم دیکھا تو آپ نے بھی اصلاح کی بڑے پیمانے پر کوشش شروع کر دی۔ آپ نے عام لوگوں کو بیعت کرنا شروع کیا اور انھیں گناہوں سے توبہ کرانے لگے۔ آپ سے قبل صوفیہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ ہر کسی کو مرید نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے مجاہدہ اور ریاضت کراتے اس کے بعد جسے لائق پاتے اسے مرید کرتے۔ مگر آپ نے محسوس کیا کہ اگر عام لوگوں کو بیعت کی جائے تو انھیں گناہوں کے ارتکاب میں جھجک محسوس ہوگی۔ اس طرح ان کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ یہ طریقہ کارگر ہوا اور بڑے پیمانے پر عوام الناس کے ساتھ ساتھ اہل امارت اور روساء و شہزادوں کی اصلاح ہوئی۔ آپ کے مریدین میں حکومت کے اہل کاروں، رئیسوں، شہزادوں کے علاوہ بڑی تعداد عام لوگوں کی بھی تھی۔ اس عہد کے مشہور مورخ مولانا ضیاء الدین برنی نے ''تاریخ فیروز شاہی'' میں لکھا ہے:

> ''گنہگار لوگ ان کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے اور ان سے توبہ کرتے اور وہ ان کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیتے۔ خواص و عوام، مالدار و مفلس، امیر و فقیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل شہری و دہقانی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام، ان سب سے توبہ کراتے اور ان کو طاقیہ اور مسواک صفائی کے لیے دیتے۔ ان لوگوں میں سے

Marfat.com

کثیر تعداد جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی ان کاموں سے پرہیز کرنے لگتی تھی، جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ اگر شیخ کی خانقاہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کسی سے کوئی لغزش ہوتی تو اس کو تجدید بیعت کرنا پڑتی اور شیخ از سرِ نو اس سے اقبال گناہ اور توبہ کراتے۔ شیخ سے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو گناہوں سے ظاہر اور مخفی طور پر باز رکھتی تھی۔ چنانچہ عام لوگ یا دوسرے کی تقلید میں، یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر، عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہو گئے تھے اور مرد و عورت، بوڑھے جوان، سوداگر و عوام، غلام و نوکر اور کم عمر بچے سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ ان کے ارادتمندوں کی اکثریت نماز چاشت و اشراق کی پابند ہو گئی تھی۔ مخیرّ اور مہربانیاں کرنے والے لوگوں نے شہر سے غیاث پور تک متعدد مقامات پر لکڑیوں کے چبوترے بنوا دیئے تھے یا چھپر ڈال دیئے تھے اور کنویں کھدوا دیئے تھے۔ پانی کے گھڑے اور مٹی کے لوٹے تیار رہتے تھے اور چھپروں میں بوریئے بچھے رہتے تھے۔ ان چبوتروں اور چھپروں میں حافظ و خادم مقرر کر دیئے جاتے تھے تاکہ شیخ کے مریدوں اور تائبوں کو اور دوسرے نیک لوگوں کو ان کے آستانے پر آتے اور جاتے وقت وضو کرنے اور وقت پر نماز ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ان چبوتروں اور چھپروں میں نماز پڑھنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔''

اس پر بس نہیں بلکہ ضیاء الدین برنی کے مطابق کسی کی زبان پر شراب و شاہد، فسق و فجور، قمار بازی، فحش حرکات، لواطت یا بچہ بازی کا ذکر تک نہیں آتا تھا۔ بڑے جرائم اور کبیرہ گناہ لوگوں کے نزدیک بمنزلہ کفر ہو گئے۔ تصوف اور روحانیت کا اس قدر رواج بڑھ گیا تھا کہ تصوف کی کتابیں خوب خوب فروخت ہو رہی تھیں اور صوفیوں کے استعمال کی چرمی کشتیاں اور لوٹے کی قیمت بڑھ گئی تھی۔

Marfat.com

فقر و فاقہ:

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی راتیں عبادت اور دن روزے میں گزرتے۔ کئی بار افطار کے لیے کوئی چیز میسر نہیں ہوتی اور پھر دوسرے دن کا روزہ رکھ لیتے۔ اکثر فقر و فاقہ میں گزر ہوتی۔ مگر آپ اسی حال میں خوش تھے اور سال کے بیشتر دن روزے میں گزارتے مگر عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے تین دن جن میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں، بغیر روزے کے گزارتے۔ آپ کی والدہ اور بہن آپ کی کفالت میں تھیں۔ انھیں بھی اکثر فقر و فاقہ کا سامنا کرنا پڑتا مگر وہ بھی رضائے مولیٰ میں راضی تھیں۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ محبوب الٰہی نے بیان فرمایا:

> ''میری والدہ کی عادت تھی کہ جس دن ہمارے گھر میں غلہ نہ ہوتا تھا تو وہ مجھ سے فرماتیں کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے ان کی اس بات میں بڑا لطف آتا تھا'' (ص ۲۲۴)

کبھی کبھی تو میرے گھر میں کچھ نہیں ہوتا
مگر جو ہوتا ہے رزقِ حلال ہوتا ہے

ایک طرف فقر و فاقہ اور تنگ دستی تھی۔ آپ ہی نہیں آپ کے ساتھ رہنے والے درویشوں کو بھی تنگ دستی میں گزارا کرنا پڑتا۔ دوسری طرف بادشاہِ وقت جلال الدین خلجی نے آپ کو گاؤں قبول کرنے کی پیش کش کی۔ بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ آپ قبول کرلیں، اس کی آمدنی سے آپ ہی نہیں آپ کے ساتھیوں کی بھی تنگ دستی دور ہو جائے گی، مگر آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ فقر و فاقہ صوفیہ کی نظر میں محبوب رہا ہے۔ الفقر فخری کا مقولہ اس حلقے میں زبان زد عام ہوتا تھا، جس پر آپ نے بھی عمل کیا۔

Marfat.com

فتوحات غیب:

ایک عرصہ محبوب الٰہی نے عسرت اور تنگ دستی میں گزارا مگر اس کے بعد اللہ نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور بڑی مقدار میں آپ کے پاس تحفے، تحائف اور نذرانے آنے لگے۔ آپ کے پاس جو کچھ بھی آتا اسے غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ کوئی بھی چیز بچا کر نہیں رکھی جاتی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر کے عرس کے موقع پر تو کئی لاکھ روپے خرچ ہو جاتے۔ خانقاہ میں آنے والا کوئی بھی شخص خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ عام لنگر میں بے شمار افراد ہر روز کھانا کھاتے۔ جن غریبوں کے گھر سے لوگ نہیں آتے وہاں خانقاہ کے خدام لے جا کر پہنچا آتے۔ رمضان کے مہینے میں افطار کا سامان دوپہر سے ہی تقسیم ہونے لگتا۔ غریبوں کے علاوہ امیروں کے گھر بھی پہنچتا اور وہ اسے تبرک جان کر افطار کرتے۔ بعض گھروں میں ہفتوں اور مہینوں کے لیے غلہ پہنچا دیا جاتا اور پورے پورے خاندان کی کفالت خانقاہِ محبوب الٰہی کی جانب سے کی جاتی۔ کپڑے اور دیگر ضروریات زندگی کی تقسیم بھی ہوتی۔ حافظوں، عالموں اور طالب علموں کی کفالت بھی محبوب الٰہی کرتے اور انھیں مقررہ وظیفہ پہنچا دیا جاتا۔ بیٹیوں کے جہیز کے لیے لوگ آتے تو آستانے کی جانب سے جہیز کا انتظام کر دیا جاتا۔ وظیفہ اور امداد پانے والوں میں صرف دلی کے لوگ نہیں تھے بلکہ راجستھان، گجرات اور دکن کے ضرورتمند بھی یہاں سے فیض پاتے تھے اور ان کے لیے سال بھر کی امداد ایک ساتھ دے دی جاتی تھی۔ خانقاہ جمنا ندی کے قریب تھی اور کئی بار پانی بھرنے والوں کے گھڑے ٹوٹ جاتے تھے۔ ایسوں کو خانقاہ کی طرف سے نئے گھڑے دے دیئے جاتے تھے۔ محبوب الٰہی

Marfat.com

سے ملاقات کرنے آنے والوں کو بھی نذرانے دیئے جاتے تھے اور کوئی بھی شخص خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ خانقاہ میں جو کچھ بھی نذرانے آتے شام تک تقسیم کر دیئے جاتے۔ ایک جیتل بھی نہیں بچتا۔ جمعہ کو نماز سے قبل جھاڑو پھیر دی جاتی اور کوئی بھی چیز باقی نہیں رہتی۔ اس کے بعد ہی حضرت نظام الدین اولیاء نماز ادا کرنے مسجد تشریف لے جاتے۔

بادشاہوں سے تعلقات:

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت رضیہ سلطان کے عہد میں ہوئی اور جب آپ کا انتقال ہوا تو سلطان محمد شاہ تغلق دلی کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے چودہ بادشاہوں کے زمانے دیکھے۔ بعض بادشاہوں کے امراء، رؤساء، ارکان سلطنت اور شہزادے آپ کے مرید بھی تھے مگر کبھی آپ بادشاہوں کے دربار میں نہیں گئے۔ کئی بادشاہوں نے خانقاہ میں حاضری دینا چاہا اور کئی چاہتے تھے کہ آپ دربار شاہی میں تشریف لائیں مگر آپ اس کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ بعض سلطان آپ سے عقیدت رکھتے تھے اور بعض بغض وحسد رکھتے تھے۔ مگر ان باتوں کی پروا کیے بغیر آپ خدمت خلق میں مصروف رہے۔

خلفاء ومریدین:

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء اور مریدین کی تعداد بے حد وحساب ہے۔ جن کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے، اگر انھیں کی فہرست تیار کی جائے تو طوالت سے دشواری ہو۔ آپ کے خلفاء اور مریدین

Marfat.com

میں بیشتر نام بے حد نمایاں ہیں۔ جیسے اخی سراج رحمتہ اللہ علیہ جنہوں نے بنگال میں آپ کے مشن کو آگے بڑھایا، نصیرالدین چراغ دہلی رحمتہ اللہ علیہ جنہوں نے دلی میں آپ کی نیابت کی۔ حضرت سید یوسف حسینی جو حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے والد ہیں اور جنوبی ہند میں ان کی خدمات نمایاں ہیں۔ حضرت امیر خسرو جو شاعر اور موسیقار کے طور پر ساری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں، حضرت امیر حسن جنہوں نے محبوب الٰہی کے ملفوظات جمع کیے۔ امیر خرد کرمانی جو سیر الاولیاء کے مصنف ہیں۔ مولانا ضیاء الدین برنی جن کی شہرت تاریخ فیروز شاہی کے سبب ہے۔ حضرت حمید قلندر خیر المجالس کے جامع ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا برہان الدین غریب، شیخ بہاء الدین اودھی، سراج الدین ناگوری، مولانا شمس الدین یحییٰ، خواجہ کریم الدین وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔

علالت ووصال:

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سخت مجاہدات کرتے تھے اور عبادت وریاضت میں اپنا وقت گزارتے تھے۔ یہ سب کچھ جسمانی علالت کے باوجود کرتے تھے۔ ناتوانی اور کمزوری پر روحانی طاقت غالب رہتی تھی۔ عمر کے آخری پڑاؤ پر علالت بڑھ گئی تھی اور انتقال کے چالیس دن قبل سے معمولات میں فرق آنے لگے تھے۔ نماز میں سجدے زیادہ کرتے اور خوب خوب گریہ وزاری کرتے تھے۔ کھانا پینا ترک کر دیا تھا۔ اسی حالت میں ۱۸/ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بمطابق ۲/اپریل ۱۳۲۵ء بروز بدھ صبح طلوعِ آفتاب کے بعد انتقال فرمایا۔ اسی دن دوپہر کے وقت تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ حضرت رکن

Marfat.com

الدین ملتانی علیہ الرحمہ نے پڑھائی اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلی علیہ الرحمہ کیساتھ مل کر لحد میں اتارا۔ بابا صاحب کے تبرکات یعنی خرقہ، عصا، مصلیٰ اور تسبیح کو بھی قبر میں دفن کر دیا گیا۔

سر و سیمینا بصحرا می روی
لیک بدعہدی کہ بے ما می روی

☆☆☆

Marfat.com

عکس خیال

حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی نگاہیں اصلاحی پہلو پر زیادہ ہوتی تھیں اور آپ کی کوشش تھی کہ جو لوگ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں ان کی اصلاح ہو جائے اور جو چند لمحے آپ کی خدمت میں گزریں ان میں علم کی کچھ باتیں اپنے ساتھ لے جائیں۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ فوائد الفواد کے نام سے دستیاب ہے جو آپ کے مرید امیر حسن سنجری نے جمع کیا تھا۔ امیر حسن سنجری جب اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ کے فرمودات کو غور سے سنتے اور پھر تحریر کر لیتے۔ اگلی ملاقات میں تحریر کردہ ملفوظات کو سنا کر اصلاح لے لیتے۔ یہ کتاب محبوب الٰہی کے عہد میں ہی مقبول ہو چکی تھی اور آج تک تصوف کے حلقوں میں اس کی مقبولیت برقرار ہے۔ فوائد الفواد کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ محبوب الٰہی اپنے آستانے پر آنے والے ہر شخص کی اصلاح کی کوشش کرتے تھے اور اسے روحانی طور پر بلند کرنا چاہتے تھے۔ عموماً نماز، روزے کی تاکید فرماتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کا ذوق پیدا کرتے اور صدقہ و خیرات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے۔ بندگان خدا کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید بھی آپ کی تعلیمات میں نظر آتی ہے۔ اس کے لیے عام طور پر قرآن و حدیث سے دلائل پیش کرتے ہیں اور ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے بزرگوں کے واقعات اور حالاتِ زندگی بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

نماز کی تاکید:

نماز ہر مومن، عاقل و بالغ پر فرض ہے۔ اس کی فضیلت اور تاکید میں قرآنی احکام اور احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اس پر بہت زور دیتے تھے اور اپنے مریدین کو اس کی خاص تاکید کیا کرتے تھے۔ حضرت امیر حسن سنجری اپنی ایک ملاقات کا ذکر فوائد الفواد میں کرتے ہیں، جس میں نماز کے تعلق سے گفتگو ہوئی:

> ''دریافت فرمایا کہ مغربؔ و عشاء کے درمیان جو چھ رکعت اوابین بتائی ہے، پڑھتے ہو؟ عرض کی، جی ہاں! اس کے بعد ایام بیض کے روزوں کے بارے میں پوچھا کہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی، رکھتا ہوں۔ اس کے بعد چار رکعت صلوٰۃ السعادت کا حکم فرمایا۔''

(جلد ا، مجلس ۴)

ایک موقع پر نماز میں قرآن کی تلاوت کا ذکر ہوا تو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ کا واقعہ بیان فرمایا:

> ''شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رات کو حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے جو آج رات کو دو رکعت نماز پڑھے اور ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرے؟ حاضرین میں سے کوئی اس بات کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ شیخ بہاء الدین آگے بڑھے اور ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرلیا اور چار سیپارے مزید پڑھے اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھ کر نماز پوری کی۔''

(جلد ا، مجلس ۵)

Marfat.com

اس کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا کا یہ قول ہے:

"مجھے جو کچھ ملا نماز سے ملا۔" (ایضاً)

حضرت امیر حسن اپنی ایک اور ملاقات کا ذکر کرتے ہیں جب نماز کی فضیلت کا ذکر نکلا تو ان سے حضرت محبوبِ الٰہی نے دریافت فرمایا کہ:

"پابندی سے باجماعت نماز پڑھتے ہو؟ بندے نے عرض کی کہ میرے گھر کے قریب مسجد موجود ہے۔ لیکن جس جگہ ہم لوگ رہتے ہیں اگر وہاں سے غیر حاضر ہو جائیں تو کوئی نہیں ہوتا جو وہاں کے رکھے ہوئے کاغذ، کتاب کی نگرانی کرے۔ گھر ہی میں جماعت سے ادا کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ جماعت سے ادا کرنا تو ٹھیک ہے لیکن افضل یہی ہے کہ مسجد میں پڑھیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس سے پہلے سابق انبیاء کے زمانے میں مسجد کے سوا اور کہیں نماز جائز نہیں تھی۔ ہمارے رسول علیہ السلام کے عہد میں یہ میسر آیا کہ ہر جگہ ادا کر سکتے ہیں۔" (جلد۳، مجلس۹)

فوائد الفواد میں ایک اور مجلس کا ذکر ملتا ہے جس میں آپ نے نماز باجماعت کی تاکید کرتے ہوئے اس کی فضیلت بیان فرمائی۔

"اگر دو آدمی ہوں تو ان کو بھی جماعت کرنی چاہئے۔ اگر دو آدمیوں سے جماعت نہیں بنتی لیکن ثواب جماعت کا مل جاتا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو چاہئے کہ برابر کھڑے ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ رسول علیہ السلام چاہتے تھے کہ نماز ادا فرمائیں اور عبداللہ بن عباس کے علاوہ اور کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ انہیں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ جب رسول علیہ السلام نے نیت باندھی تو عبداللہ اپنی جگہ سے کسی قدر پیچھے ہٹ گئے۔ مصطفےٰ

Marfat.com

علیہ السلام نے نماز توڑی اور ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنے برابر کھڑا کرلیا اور نماز شروع فرمائی۔ عبداللہ پھر اپنی جگہ سے تھوڑے سے پیچھے ہٹ گئے۔ چنانچہ انھوں نے ایک دوبار ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد حضرت رسالت نے فرمایا کہ پیچھے کیوں چلے جاتے ہو؟ عبداللہ بن عباس بولے، میری کیا مجال ہے کہ رسولِ رب العٰلمین کے برابر کھڑا ہوں۔ رسول علیہ السلام کو ان کا یہ حسن ادب پسند آیا۔ ان کے بارے میں دعا کی اور کہا اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔'' (جلد۳، مجلس۱۰)

محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے ملفوظات کے مجموعے فوائد الفواد میں اس کے علاوہ بھی متعدد جگہوں پر نماز کی تاکید بیان کی گئی ہے۔ فرض و واجب ہی نہیں بلکہ نوافل کی کثرت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ کچھ مخصوص تاریخوں میں بھی خصوصی عبادت کی تاکید ہے۔

توکل:

تصوف میں توکل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ارباب سلوک کی تربیت توکل کے نہج پر خصوصی ہوتی ہے کیونکہ جس بندے میں توکل کی خاصیت نہیں ہوگی وہ سلوک کے راستے پر کبھی چل ہی نہیں سکتا۔ صوفیہ اپنے مریدین کو توکل کی خصوصی تربیت دیتے ہیں۔ محبوبِ الٰہی کی تعلیمات میں توکل کی تاکید ملتی ہے۔ ان کی اپنی زندگی بھی توکل پر منحصر تھی۔ ہر حال میں خالق و مالک پر اعتماد رکھتے اور کبھی دوسروں کے سامنے دست طلب نہیں پھیلاتے۔ ایک بار آپ کی مجلس میں توکل کا ذکر نکلا تو فرمایا:

''حق تعالیٰ پر اعتماد رکھنا چاہیے اور کسی اور کی طرف نظر نہیں لگانی چاہیے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ کسی کا ایمان

Marfat.com

اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ ساری مخلوق کو اونٹ کی مینگنی جیسا (ہیچ) نہ سمجھے۔ اس کے بعد اسی ضمن میں حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک دفعہ ابراہیم خواص رحمتہ اللہ علیہ کعبے کے سفر کو نکلے تو ایک لڑکا بھی ساتھ لگ گیا۔ ابراہیم نے اس سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ بولا کعبے کی زیارت کے لئے۔ ابراہیم نے کہا توشہ اور سواری کہاں ہے؟ بولا خدا عزوجل بندے کو بے اسباب قائم رکھتا ہے تو زادِ سفر اور سواری کے بغیر مجھے کعبے تک پہنچا بھی سکتا ہے۔ قصہ مختصر جب ابراہیم خواص کعبے پہنچے تو اس لڑکے کو دیکھا کہ ان سے پہلے پہنچا ہوا ہے اور کعبے کا طواف کر رہا ہے۔ جب اس کی نظر ابراہیم پر پڑی تو کہنے لگا، اے کمزور یقین رکھنے والے تو نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا اس سے توبہ کیا؟''
(جلد۳، مجلس ۸)

محبوب الٰہی کی نظر میں توکل کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ اس واقعے کے بیان سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو لوگ صحیح معنوں میں توکل کرنے والے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ زادِ سفر اور سواری کے بجائے اللہ کی ذات پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر اس کی مرضی ہو تو دور دراز کا سفر بغیر توشہ اور سواری کے پورا ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کی مرضی نہ ہو تو توشہ اور سواری کے باوجود انسان منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی مجلس میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے رزق کے معاملے میں اللہ پر بھروسہ کی تاکید فرمائی اور رزق کی اقسام بیان کیں:

''مشائخ نے رزق کی چار قسمیں بیان کی ہیں، رزقِ مضمون، رزق مقسوم، رزق مملوک اور رزق موعود۔ رزق مضمون تو وہ ہے جو آدمی کو کھانے اور پینے کی چیزوں کی صورت میں جو اس کے

Marfat.com

لیے کافی ہو، ملتا ہے۔ رزق مضمون یعنی جس کا خدا ضامن ہے۔ (قرآن میں ہے) اور زمین میں کوئی رینگنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ (ترجمہ آیت)۔ رزق مقسوم وہ ہے جو ازل میں مقدر کر دیا گیا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا۔ رزقِ مملوک وہ ہے جس کا ذخیرہ ہوتا ہے روپے، کپڑے اور دیگر سامان کی صورت میں۔ رزقِ موعود وہ ہے جس کا وعدہ حق تعالیٰ نے عبادت گزاروں اور اپنے صالح بندوں سے کر رکھا ہے۔ (قرآن میں ہے) اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے ذریعے بناتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں کا اس کو خیال بھی نہیں ہوتا۔" (ایضاً)

اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ:

"توکل رزقِ مضمون میں ہوتا ہے۔ دوسری قسم کے رزق میں نہیں ہوتا کیونکہ جو کچھ مقسوم ہے اس میں توکل کیا کرے گا اور جو مملوک ہے اس میں بھی توکل کا دخل نہیں۔ اور جس کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں بھی توکل نہیں ہے کیونکہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ تو پہنچے گا ہی۔ توکل رزقِ مضمون میں ہے۔ یعنی یہ یقین رکھے کہ جو کچھ میرے لیے کافی ہو پہنچ کر رہے گا۔ توکل کرے۔"

(ایضاً)

کئی بار یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ ہاتھ کا لقمہ منہ تک نہیں پہنچ پاتا اور کئی بار وہاں سے رزق حاصل ہو جاتا ہے جس کی امید و وہم وگمان میں نہیں ہوتی۔ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رزق اللہ کی ذمہ داری ہے اور اس معاملے میں اسی پر توکل کرنا چاہئے۔ جب اللہ نے رزق کی ضمانت دے رکھی ہے تو اس پر بھروسہ نہ کرنا بے اعتمادی کی بات ہوگی۔

Marfat.com

ترک دنیا:

صوفیہ ترک دنیا پر تو زور دیتے ہیں۔ترک دنیا کا کیا مطلب ہے؟ دنیا سے بغض و عداوت رکھنا؟ اسے برا بھلا کہنا؟ یا کچھ اور؟ حضرت محبوبِ الٰہی نے اس موضوع پر فرمایا:

"تین قسم کے لوگ ہیں۔ایک قسم وہ ہے جو دنیا کو دوست رکھتی ہے اور ہر روز اس کے خیال اور طلب میں رہتی ہے اور ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔دوسری قسم وہ ہے جو دنیا کو دشمن رکھتی ہے اور اس کا ذکر برائی کے ساتھ کرتی ہے اور پوری طرح اس سے عداوت کرنے میں لگی رہتی ہے۔تیسری قسم وہ ہے کہ دنیا کو نہ دوست رکھتی ہے نہ دشمن اور اس کا ذکر محبت اور عداوت کے ساتھ نہیں کرتی اور یہ قسم دونوں قسموں سے بہتر ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص رابعہ رحمہا اللہ کے پاس آ کر بیٹھا اور دنیا کو بہت برا کہنے لگا۔رابعہ نے کہا کہ تم دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔تم دنیا کے دوست معلوم ہوتے ہو جب ہی تو اس کا ذکر اتنا زیادہ کرتے ہو۔" (جلد۴، مجلس ۴۶)

دنیا کا ذکر بھلائی یا برائی کے ساتھ زیادہ کرنے والا محبّ دنیا ہوتا ہے۔اگر انسان کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو تو وہ اس کا ذکر ہی کیوں کرے؟ حضرت محبوب الٰہی کی نظر میں اصل تارک دنیا وہ ہے جو دنیا کا ذکر نہیں کرتا۔نہ اچھائی کے ساتھ اور نہ برائی سے۔دراصل دنیا امتحان گاہ ہے۔یہاں کیے جانے والے ہر عمل کی جزا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملنے والی ہے۔لہٰذا دنیا میں اس طرح زندہ رہا جائے کہ یہاں رہتے ہوئے بھی یہاں کی کسی چیز سے محبت نہ ہو۔صدقہ و خیرات کی کثرت ترک دنیا کا تقاضہ ہے۔

Marfat.com

صدقہ، خیرات:

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ داد و دہش کے لیے مشہور تھے۔ اگر حاتم بھی آپ کے عہد میں ہوتا تو آپ کی سخاوت پر شرمندہ ہوتا۔ آپ کے پاس جو کچھ بھی ہوتا شام تک بانٹ دیتے اور ہر جمعہ کو نماز جمعہ سے قبل جھاڑو پھیرا جاتا کہ اگر کوئی چیز مل جائے تو اسے بھی صدقہ کر دیا جائے۔ ہر روز لاکھوں روپے تقسیم ہوتے تھے۔ ترک دنیا بھی یہی ہے کہ دنیا کے اسباب سے محبت نہ پیدا ہو۔ محبوب الٰہی اپنے مریدین میں بھی یہی صفت دیکھنا چاہتے تھے اور انھیں صدقہ و خیرات پر ابھارتے تھے۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا:

> "اگر صدقے میں پانچ شرطیں موجود ہیں تو بلاشبہ وہ صدقہ قبول ہو جائے گا اور ان پانچ شرطوں میں سے دو دینے سے پہلے ہیں اور دو دیتے وقت ہیں اور ایک دینے کے بعد ہے۔ جو دو شرطیں دینے سے پہلے کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو کچھ دیا جانے والا ہے وہ حلال کمائی سے ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ نیت کر کے نیک آدمی کو دے۔ ایسے آدمی کو کہ وہ اسے فساد میں خرچ نہ کرے۔ یعنی اچھے لوگوں کو دے اور جو دو شرطیں دیتے وقت کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تواضع اور بشاشت کے ساتھ دے اور کھلے دل سے دے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ خفیہ دے۔ اور وہ ایک شرط جو دینے کے بعد کی ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ دیا ہے اس کا ذکر کسی کے سامنے زبان پر نہ لائے اور اس کو بیان نہ کرتا پھرے۔ ان شرائط کے ساتھ جو صدقہ ہوگا، مقبول ہوگا۔" (جلد۱، مجلس۳۲)

Marfat.com

ہر عمل میں خلوص نیت شرط ہے۔ اگر کوئی اچھا عمل بغیر اخلاص کے ہو تو وہ جزا سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح صدقہ خیرات میں ریاکاری، شہرت یا کسی دوسری قسم کا جذبہ شامل ہو جائے تو وہ مقبول نہیں ہوتا۔ حضرت محبوب الٰہی نے اس مجلس میں صدقہ کے لیے جو شرطیں بیان کی ہیں وہ اسی قسم سے ہیں۔ اسی مجلس میں آپ نے کئی واقعات صدقہ وخیرات کے بیان کیے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بھی شامل تھا جب آپ اپنے گھر سے تمام ساز وسامان اٹھا لائے اور بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا۔ جب رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو جواب تھا، ان کے لیے اللہ اور رسول کافی ہیں۔ محبوب الٰہی نے کسی بزرگ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے:

''ایک درم کا کھانا تیار کرا کے رفیقوں کے سامنے رکھنا اس سے بہتر ہے کہ بیس درم صدقہ کیے جائیں۔'' (ایضاً)

ذکر اللہ والوں کا:

ارباب تصوف کی محفلوں میں صوفیہ اور درویشوں کے تذکرے اکثر ہوتے رہتے تھے۔ یہ اہل دل اپنے بعد والوں کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں اور ان کی سیرت وزندگی دوسروں کے لیے نمونہ عمل۔ صوفیہ کے اقوال اور احوال کو اگر زندگی میں اپنا لیا جائے تو اس حسن عمل کی برکت سے یہ دنیا نمونہ جنت بن جائے۔ انسان، انسان سے محبت کرنے لگے۔ بھیڑ اور بھیڑیا ایک گھاٹ پر پانی پینے لگیں۔ بغض وحسد کی جگہ محبت والفت لے لے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی محفلوں میں بھی اکثر ارباب سلوک اور اولیاء اللہ کے تذکرے ہوتے تھے۔ آپ اپنی گفتگو میں ان کے واقعات کو مثال کے طور پر پیش کرتے تھے تاکہ حاضرین کو اولیاء اللہ کے نقوشِ قدم کی پیروی پر اکسایا

Marfat.com

جائے۔آپ کی شاید ہی کوئی مجلس ہو جس میں اہل دل کا ذکر نہ آیا ہو۔فوائد الفواد میں حضرت ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمہ کا ذکر ملتا ہے جو اللہ کے برگزیدہ بندوں میں تھے۔ عبادت وریاضت، ذکر وفکر، توکل ومجاہدے میں لاثانی تھے۔حضرت محبوب الٰہی نے آپ کے متعلق فرمایا:

> ''وہ نو سال تک ایک غار میں مقیم رہے۔اس غار میں ایک چشمہ جاری تھا۔ادہم اسی چشمے پر مقیم تھے اور خدائے عزوجل کی عبادت کیا کرتے تھے۔ایک رات کو سخت سردی تھی۔انھیں ٹھنڈ لگ گئی۔یہاں تک کہ مرنے کا ڈر ہو گیا۔اسی اندھیرے میں ان کا ہاتھ ایک پوستین پر پڑا۔انھوں نے اپنے اوپر کھینچ لیا اور گرم ہو گئے۔جب دن چڑھا تو پوستین کو اتارا۔کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک اژدہا ہے۔آنکھیں کھول کر اور پھن اٹھا کر وہ حرکت کرنے لگا۔ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ حیرت زدہ ہی تھے کہ ایک آواز انھوں نے سنی۔ہم نے تجھے ایک ہلاک کرنے والے سے ایک ہلاک کرنے والے کے ذریعے بچایا۔یعنی ہم نے ایک مہلک چیز سے جو سردی تھی، تجھے بچایا اژدہے کے ذریعے جو خود مہلک تھا۔'' (جلد ا، مجلس ۳۴)

اہل سلوک صبر ورضا کے ساتھ اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں۔اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ بھی ان کی حفاظت اس ذریعے سے کرتا ہے جس کے تعلق سے فائدہ کی امید ہی نہیں کی جاسکتی۔حضرت محبوب الٰہی اس طرح کے سبق آموز واقعات بار بار بیان فرماتے ہیں۔فوائد الفواد میں ہے:

> ''کوئی درویش کنویں میں گر پڑا۔رسّی تھی نہیں کہ باہر نکلتا۔مرنے کے قریب ہو گیا۔یکایک اس نے ایک رسّی کی شکل کی چیز دیکھی جو کنویں کے اوپر سے لٹک رہی تھی۔اس نے خیال کیا کہ بچاؤ کی

Marfat.com

صورت نکل آئی۔ اسے پکڑ کر کنویں سے باہر آ گیا۔ اب جو دیکھا تو
معلوم ہوا کہ ایک شیر دم لٹکائے بیٹھا ہے۔" (ایضاً)

بلا شک وشبہ حامی و ناصر اللہ ہی کی ذات ہے۔ وہ شر میں خیر کا پہلو نکال سکتا ہے اور جس کی چاہے اس کے دشمن سے مدد کرا سکتا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی کی زبان سے بیان ہونے والے واقعات یہی سبق دیتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو اسی کی ذات پر بھروسہ کرنے کی طرف راغب کرتے ہیں۔ صوفیہ کی تعلیمات میں اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ انسان ہر طرف سے اپنی توجہ کو پھیرے اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ انسان کے ساتھ جو کچھ بھی اچھے برے حالات پیش آتے ہیں وہ رب العلمین کی طرف سے ہوتے ہیں۔

نصیحت کا طریقہ:

اچھی گفتگو وہی ہے کہ دل سے نکل کر سیدھے دل میں اتر جائے اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء اس میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ جو گفتگو فرماتے اس کا اثر سیدھا سننے والے کے دل پر ہوتا۔ اس کی مثال فوائد الفواد میں بار بار نظر آتی ہے۔ تیسری جلد کی چودھویں مجلس میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ ملتا ہے۔ کتاب کے مرتب حضرت امیر حسن سنجری بیان کرتے ہیں کہ بشیر نامی ایک غلام کو لے کر حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ غلام مرید ہونا چاہتا تھا اور اس کے بار بار اصرار پر آپ اسے مرشد کی خدمت میں لائے تھے۔ حضرت نے اسے مرید کر لیا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ غلام بشیر نماز ادا کرنے گیا تو آپ ایک واقعہ بیان کرنے لگے۔ واقعہ یوں ہے کہ بہار سے ایک درویش شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں آیا۔ وہ ہر جگہ مانگتا پھرتا تھا۔ شیخ علی سنجری نے اسے بھیک مانگنے سے منع فرمایا اور اسے

Marfat.com

روپے دے کر تجارت کرنے کا حکم دیا۔ وہ تجارت کرنے لگا اور جب کچھ روپے جمع ہو گئے تو غلاموں کی تجارت شروع کر دی۔ ایک قابل اعتماد غلام تھا جسے اس نے اپنا مرید بنالیا اور درویش نے اس کے سر پر ایک ٹوپی رکھتے ہوئے کہا کہ یہ سیدی احمد کی ہے۔ شاید درویش کا تعلق سیدی احمد کے خاندان سے تھا۔ ایک بار غزنی میں وہ درویش غلاموں کو فروخت کر رہا تھا تو اس مرید غلام کے خریدار بھی جمع ہو گئے۔ یہ بیچنا نہیں چاہتا تھا مگر جب قیمت زیادہ لگی تو بیچنے پر راضی ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر غلام آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور بولا:

''خواجہ، جس دن میں آپ کا مرید ہوا تھا تو آپ نے ایک کلاہ میرے سر پر رکھی تھی اور کہا تھا کہ کلاہ سیدی احمد کی ہے۔ اب اگر آپ مجھ کو بیچتے ہیں تو کل قیامت کے دن سیدی احمد کے سامنے میرا آپ سے جھگڑا ہوگا۔ جب غلام نے یہ بات کہی تو آقا کا دل پسیج گیا۔ حاضرین سے بولے کہ آپ لوگ گواہ رہیے میں نے اس غلام کو آزاد کیا۔''

حضرت محبوب الٰہی کی زبان فیض ترجمان سے یہ واقعہ سن کر امیر حسن سنجری پر اس کا زبردست اثر ہوا اور مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے بھی اس غلام کو آزاد کیا۔ یہ سن کر حضرت نظام الدین اولیاء بے حد خوش ہوئے۔ ان کے اس عمل کی تعریف کی، اس کے بعد شفقت ومحبت کے ساتھ اپنے سر سے ٹوپی اتار کر حضرت امیر حسن کے سر پر رکھ دی۔

اہل تصوف کا یہی وہ طریق کار تھا جس کے سبب اپنے اور بیگانے سب ان کے قائل تھے، ہر طبقہ ان کا احترام کرتا تھا اور ہر حلقے میں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ زبان سے اصل مدعا نہ کہہ کر بھی سب کچھ بیان کر دینا گفتگو کا وہ فن ہے جو کسی کسی کو ملتا ہے۔ محبوبِ الٰہی چاہتے تھے کہ امیر حسن سنجری غلام کو آزاد کر دیں کیونکہ وہ اب آپ کی غلامی میں آچکا تھا۔ اگر زبان سے صاف صاف کہتے اور امیر حسن انکار

Marfat.com

کر دیتے تو یہ ٹھیک نہیں ہوتا لہٰذا آپ نے ایک واقعے کے پردے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا اور بادشاہوں کے مزاج کو پہچاننے والے امیر حسن نے شہنشاہ روحانیت کے مزاج کو پڑھ لیا اور مرشد کی خواہش کے احترام میں غلام کو آزاد کر ڈالا۔

محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء کے افکار و خیالات آج بھی 'فوائد الفواد' کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کتاب میں علم و ہنر کے وہ جواہر پارے ہیں جو انسانی زندگی کو مالا مال کر سکتے ہیں اور دنیا و آخرت کو کامیاب۔

تو آں شاہی کہ برایوان قصرت
کبوتر گر نشیند باز گردد

○○○

Marfat.com

حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"دنیا سمندر ہے جس کا ساحل آخرت ہے اس میں کشتی تقویٰ ہے اور مخلوق مسافر۔"

(رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۸۲)

Marfat.com

مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا علم ظاہر و باطن میں اعلیٰ مقام ہے۔ آپ علوم شریعت و طریقت کے بحر بیکراں اور رشد و ہدایت کے سرچشمہ تھے۔ آپ سے ایک دنیا فیضیاب ہوئی اور آپ کے مکتوبات و ملفوظات اور تصنیفات و تالیفات سے آج بھی فیضان کا سلسلہ جاری ہے۔ دلی تو صوفیہ و علماء کا مرکز تھی مگر آپ نے جس علاقے کو رشد و ہدایت اور اصلاح کے لیے منتخب کیا وہ ایک دور افتادہ علاقہ تھا۔ یہاں اصلاح و تربیت کی زیادہ ضرورت تھی۔ ایک مشکل کام کا آپ نے بیڑا اٹھایا اور اسے انجام تک پہنچایا۔

Marfat.com

خاندانی پس منظر:

مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری علیہ الرحمہ کے اجداد بیت المقدس سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ یہ خاندان بیت المقدس کے محلّہ قدس خلیل کا رہنے والا تھا۔ خاندان کے سربراہ امام محمد تاج فقیہ علیہ الرحمہ ریاست بہار کے منیر نامی قصبہ میں آئے جو پٹنہ سے قریب واقع ہے۔ اسی قصبے کی مناسبت سے شیخ شرف الدین یحیٰ کو منیری کہا جاتا ہے۔ آپ کے خاندان کا یہاں کے راجہ سے معرکہ ہوا اور جیت کے بعد یہ خاندان یہیں مقیم ہو گیا۔ یہ ۵۷۶ھ کی بات ہے۔ امام محمد تاج فقیہ کے تین صاحبزادے تھے جن کے نام شیخ اسرائیل، شیخ اسمٰعیل اور شیخ عبدالعزیز تھے۔ خاندان کے سربراہ تو واپس بیت المقدس چلے گئے مگر ان کے لڑکے یہیں رہے۔ شیخ اسرائیل کی شادی شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جنگجوت کی صاحبزادی بی بی رضیہ سے ہوئی تھی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی بلند پایہ صوفی تھے اور انھوں نے کاشغر کی حکومت ترک کر کے راہ سلوک اختیار کیا تھا۔ شیخ اسرائیل ہی مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے والد محترم ہیں۔

ولادت:

مخدوم کی ولادت ۲۶ یا ۲۹ شعبان المعظم ۶۶۱ھ کو ہوئی۔ آپ نے نواحِ پٹنہ کے قصبہ منیر کو اپنے قدموں سے شرف آگیں فرمایا۔ تب دلی میں سلطان ناصر الدین محمود تخت نشیں تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء اپنے مرشد بابا فرید الدین گنج شکر سے روحانی تربیت لے رہے تھے۔

Marfat.com

تعلیم وتربیت:

حضرت مخدوم نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ انتہائی پاکیزہ تھا۔ ہر طرف دینداری اور روحانیت کی فضا تھی۔ آپ کی والدہ خود ولیہ تھیں اور بعض روایتوں کے مطابق اس قدر متقی تھیں کہ بغیر وضو اپنے ہونہار بچے کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ آپ کے والد، دادا اور نانا بھی انتہائی پاکیزہ خصلت بزرگ تھے۔ اسی روحانیت کے ماحول میں آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہونے لگی۔ اس دوران قصبہ منیر میں ایک ایسے عالم و ماہر فن کی آمد ہوئی جن کے علم کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ تھے علامہ اشرف الدین ابوتوامہ جو بخارا کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے دلی تشریف لائے اور جب ان کا علمی شہرہ ہر طرف ہونے لگا، دور دراز سے تشنگانِ علم جمع ہونے لگے تو سلطان غیاث الدین بلبن نے انھیں دلی چھوڑ کر سنار گاؤں (بنگال) چلے جانے کا حکم دے دیا۔ سنار گاؤں جاتے ہوئے ابوتوامہ منیر میں ٹھہرے اور یہیں مخدوم بہار کی ملاقات ہوئی۔ آپ کے خاندان نے علامہ کی خوب خاطر تواضع کی اور استاد و شاگرد ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ یہ اگرچہ آپ کے بچپن کا زمانہ تھا مگر علمی تشنگی سے مجبور ہو کر والدین کی اجازت سے استاد کے ساتھ چل پڑے۔ علامہ ابوتوامہ نے سنار گاؤں پہنچ کر ایک مدرسے اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور آخری عمر تک یہیں درس و تدریس کے کام انجام دیتے رہے۔ مخدوم صاحب نے اپنے استاذ کے ساتھ بائیس سال گزارے اور خود بھی مختلف علوم وفنون میں استاد کامل بن گئے۔ قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام کے علاوہ عقلی علوم میں منطق و فلسفہ اور ریاضیات کی تکمیل کی۔ اسی کے ساتھ روحانی تربیت بھی ہوتی رہی۔ آپ نے علمی اور روحانی دونوں میدانوں میں بلند مقام پایا۔

Marfat.com

شادی:

مخدوم صاحب نے جب تمام علوم میں ید طولیٰ حاصل کر لیا تو آپ کے استاد علامہ ابوتوامہ نے اپنی لخت جگر کے ساتھ نکاح کر دینا چاہا۔ اپنے استاد کی دلجوئی ملحوظ خاطر تھی لہٰذا آپ نے نکاح کر لیا اور پھر ایک بچے کے باپ بھی بن گئے۔ بچے کا نام مخدوم ذکی تھا۔ کچھ دن بعد جب آپ کو خبر ملی کہ منیر میں آپ کے والد انتقال کر چکے ہیں تو مخدوم ذکی کے ساتھ اپنے وطن آ گئے۔

شیخ کی خدمت میں:

مخدوم صاحب کے دل میں معرفت حق کی آگ سلگ رہی تھی۔ آپ نے تعلیم تو حاصل کر لی تھی مگر روحانیت میں تکمیل باقی تھی۔ تلاش و جستجو آپ کی فطرت میں تھی۔ لہٰذا منزل تک پہنچے بغیر دم لینا مزاج کے خلاف تھا۔ منیر میں زیادہ مدت تک ٹھہر نہیں پائے اور والدہ سے اجازت لے کر روحانیت کی تکمیل کے لیے نکل پڑے۔ تب دلی نہ صرف دارالسلطنت تھی بلکہ روحانی مرکز بھی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا شہرہ بام عروج پر تھا اور بڑے بڑے مشائخ یہیں جلوہ افروز تھے۔ مخدوم علیہ الرحمہ نے دلی میں مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور روحانیت میں گفتگو کی مگر آپ کی جستجو کو قرار تب ملا جب حضرت نجیب الدین فردوسی علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی۔ مرشد کامل بھی گویا آپ ہی کے منتظر تھے۔ ایک طرف مرشد کو دیکھ کر آپ پسینہ پسینہ ہو رہے تھے اور جسم پر لرزہ طاری تھا تو دوسری طرف مرشد کا انتظار گویا ختم ہونے کے قریب تھا۔ طالب صادق کو دیکھتے ہی فرمایا ''آؤ آؤ... درویش! برسوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں تا کہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کروں۔'' اچانک تڑپتے دل کو قرار آ گیا۔ جیسے مسافر کو

Marfat.com

منزل مل گئی ہو، جیسے دریا سمندر سے ہم آغوش ہو گیا ہو، جیسے آنسوؤں کو کوئی دامن مل گیا ہو۔ ایک دوسرے کے تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ روح نے روح کو پہچان لیا تھا۔ بلاتاخیر حضرت نجیب الدین فردوسی نے مخدوم کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر کاملیت کے مقام تک پہنچا دیا اور بیعت وخلافت کے ساتھ ساتھ شجرہ وخرقہ بھی عطا فرما دیا۔ کچھ نصیحتیں لکھ کر دیں اور الوداع کہا۔ مخدوم صاحب نے کچھ دن قیام کی اجازت چاہی مگر نہیں ملی۔ حکم ہوا وقت کم ہے۔ جلد رخصت ہو جاؤ اور ہاں راستے میں کوئی ایسی ویسی بات سننے کو ملے تو دلی واپس نہ آنا۔

مرشد کے حکم سے اب سرتابی کی گنجائش نہیں تھی لہٰذا وطن کی طرف چل پڑے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کے بڑے بھائی بھی تھے۔ سفر کے دوران ہی مرشد کے انتقال کی دلدوز خبر ملی مگر حکم سے مجبور تھے۔ اب دلی واپس نہیں ہو سکتے تھے۔ سفر جاری رکھا۔ راستے میں ایک جنگل ملا جسے بہیا کا جنگل کہا جاتا تھا۔ یہ ضلع شاہ آباد میں تھا۔ یہاں آپ نے مور کی آواز سنی تو بیخودی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حالت جذب میں آ گئے اور مستانہ وار نعرہ بلند کرتے ہوئے جنگل میں غائب ہو گئے۔ آپ کے بھائی نے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ تھک ہار کر گھر واپس آئے اور والدہ محترمہ سے واقعہ بیان کیا۔ والدہ کو صدمہ تو بہت ہوا مگر صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

بہار شریف میں:

بہار شریف ضلع نالندہ میں واقع ہے اور پٹنہ سے قریب ہے اس کی شہرت ساری دنیا میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی نسبت سے ہے۔ سوانح نگاروں کے مطابق مخدوم کے غائب ہونے کے تقریباً چالیس سال بعد آپ کو راجگیر کے

Marfat.com

جنگل میں دیکھا گیا۔ یہ چالیس سال آپ نے کہاں اور کن حالات میں گزارے کوئی نہیں جانتا البتہ مشہور ہے کہ ان چالیس سالوں میں آپ نے دشت و بیابان میں رہ کر بڑے مجاہدے کیے واللہ اعلم بالصواب۔ جب راجگیر کے جنگل میں آپ کے ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو عقیدتمندوں کا ہجوم بڑھنے لگا اور پھر آپ نے یہاں سے قریب بہار شریف کے مقام پر قیام کر کے اصلاح امت، اشاعت دین اور اصلاح نفس کا کام شروع کیا۔

خدمات:

حضرت مخدوم نے تقریباً ایک سوبیس برس کی طویل عمر پائی۔ اس دوران آپ نے بڑے پیمانے پر رشد و ہدایت درس وتدرس اور تبلیغ دین کا کام کیا۔ عمر عزیز کے تقریباً ستر سال حصول علم اور جنگل و بیان میں بیتے۔ مگر باقی پچاس سال بہار شریف میں بندگان خدا کی خدمت میں گذرے۔ ان پچاس سالوں میں بڑے پیمانے پر آپ نے رشد وہدایت کا کام کیا۔ چونکہ آپ بنیادی طور پر ایک متبحر عالم تھے اور مختلف علوم و فنون میں دسترس رکھتے تھے لہٰذا آپ کا علمی کارنامہ بھی نمایاں ہے۔ بہت سے تشنگانِ علوم نے آپ سے فیض پایا۔ دور دراز علاقوں سے طلباء حصول علم کے لیے آتے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر جاتے۔ علم تفسیر میں آپ کو کامل مہارت تھی اور قرآن کے مشکل مقامات کو بھی آپ آسانی سے سمجھا سکتے تھے۔ سخت سوالوں کے جواب سہل انداز میں دے سکتے تھے۔ آپ کی گفتگو آسان اور عام فہم زبان میں ہوتی تھی جسے کم علم شخص بھی سمجھ سکتا تھا۔ تفسیر زاہدی آپ کی نظر میں ایک معتبر تفسیر تھی۔ علاوہ ازیں تفسیر کبیر کی بھی تعریف کرتے تھے۔

حضرت مخدوم کو علم حدیث میں دستگاہ حاصل تھی اور بڑے بڑے ماہرین آپ

Marfat.com

کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا باعث فخر سمجھتے تھے۔آپ نے علم حدیث کی اشاعت کا بڑا کارنامہ انجام دیا۔ اللہ نے آپ کو فقہ میں بھی مہارت عطا فرمائی تھی اور قرآن و احادیث سے مسائل کے استنباط میں اجتہاد کے درجے پر فائز تھے۔مگر دیگر فقہاء کی طرح سخت گیر نہیں تھے اور فطرت انسانی کے تقاضے کو سمجھتے تھے۔

دینی علوم کے علاوہ فلسفہ وحکمت میں بھی آپ کو دخل تھا اور بعض اوقات اپنی تحریروں میں بلند پایہ فلسفی نظر آتے ہیں۔کئی بار منطق کا سہارا لے کر بھی گفتگو کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔اسی کے ساتھ علم کلام کی گتھیاں سلجھاتے ہیں اور حسب ضرورت ریاضی وہندسہ کے مسائل بھی حل کرتے ہیں۔الغرض آپ کی شخصیت مختلف علوم وفنون کی جامع تھی مگر سب سے نمایاں پہلو تصوف اور روحانیت کا تھا۔

تصنیفات:

حضرت مخدوم علیہ الرحمہ صاحب دل، صاحب زبان اور صاحب قلم تھے۔آپ کی تصنیفات آج بھی بندگانِ خدا کی رہنمائی کررہی ہیں۔ان تصنیفات میں جہاں ایک طرف طریقت کے اسرار ورموز اور نکات کا بیان ہوتا ہے وہیں دوسری طرف شریعت کے احکام کا اظہار بھی ہوتا ہے۔کہیں فلسفہ ومنطق کی گتھیاں سلجھائی جاتی ہیں تو کہیں روحانیت کے درجات بتائے جاتے ہیں۔آپ کی تصنیفات میں ایک کتاب شرح آداب المریدین ہے۔ آداب المریدین، حضرت ابوالنجیب سہروردی علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے جس کی شرح آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ یہ کتاب علم تصوف میں ہے۔ تصوف کے موضوع پر ایک رسالہ 'ارشاد الطالبین' کے نام سے آپ نے لکھا تھا۔مسئلہ توحید پر ایک اہم کتاب ''ارشاد السالکین'' آپ نے تصنیف فرمائی۔اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نورحق کی جلوہ گری کائنات کے ذرے ذرے میں پائی جاتی ہے اور حقیقت واحدہ

Marfat.com

مختلف صورتوں میں ہر جگہ جلوہ گر ہوتی ہے۔ ''رسالہ مکیہ وذکر فردوسیہ'' میں ذکر وفکر کی ہدایتیں ہیں اور طریقے بتائے گئے ہیں۔ ''فوائد المریدین'' میں احکام شریعت کا بیان ہے اور ان کے فضائل بتائے گئے ہیں۔ ''رسالہ اشارات'' میں تصوف کے مسائل کو فلسفیانہ نقطہ نظر سے سمجھایا گیا ہے۔ ''رسالہ اجوبہ'' میں لوگوں کے مختلف سوالوں کے جواب ہیں۔ ''فوائد رکنی'' میں مختلف قسم کی ہدایتیں ہیں۔ ''معدن المعانی'' آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے آپ کے مرید مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ ''لطائف المعانی'' ہے۔ آپ کے دیگر رسائل عقائد شرفی، اورادِ کلاں، اورادِ اوسط، اور اورادِ خرد ہیں۔ ان رسالوں میں وظائف بتائے گئے ہیں۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کے کئی مجموعے ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔ خوانِ پر نعمت، راحت القلوب، مخ المعانی، مونس المریدین، گنج لایفنی، فوائد الغیبی، مغز المعانی اور تحفہ غیبی۔ فی الوقت آپ کی ۳۵ تصانیف موجود ہیں مگر ایک روایت کے مطابق تصانیف کی تعداد سترہ سو تک پہنچتی ہے۔

مکاتیب کے مجموعے:

حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے جہاں اپنے آستانے پر آنے والے بندگان خدا کی رہنمائی وعظ ونصیحت سے فرمائی وہیں جو لوگ نہیں آسکتے تھے ان کی ہدایت کے لیے خطوط تحریر فرمائے۔ آپ نے جو خطوط لوگوں کی اصلاح وہدایت کے لیے بھیجے ان کی تعداد نہیں معلوم۔ جو دستیاب ہوسکے انھیں کتابی شکل مل گئی ہے اور یہ برسوں سے عوام الناس کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ ان خطوط میں شریعت وطریقت کے مختلف مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ان مکتوبات سے جہاں آپ کے علمی مقام کا پتہ چلتا ہے وہیں نثر نگاری میں آپ کے منصب ومرتبے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ انتہائی سادہ، سلیس اور

Marfat.com

شگفتہ اندازِ تحریر ہے۔ مکتوب الیہ کی فہم وفراست کے مطابق دلائل وامثال پیش کرتے ہیں۔ بلند، محققانہ مسئلہ بھی آسان زبان میں سمجھاتے ہیں۔ یہ خطوط پراثر ہیں اور صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کی اثر انگیزی میں کمی نہیں آئی ہے۔ جس دور میں یہ خطوط لکھے گئے اہل علم کی زبان فارسی تھی۔ لہٰذا خطوط بھی اسی زبان میں ہیں۔ عہد حاضر میں ان کے اردو تراجم دستیاب ہیں۔

اس وقت خطوط کے تین مجموعے دستیاب ہیں جن میں ''مکتوبات صدی'' سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ مکتوبات مرید خاص قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام لکھے گئے۔ قاضی صاحب بے حد مصروف آدمی تھے اور فرائض منصبی کے سبب بہار شریف نہیں آسکتے تھے۔ لہٰذا ان کی تعلیم اور رہنمائی کے لیے یہ خطوط لکھے گئے۔ ان خطوط میں تصوف کے اہم مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ دوسرا مجموعہ مکتوبات دوصدی ہے۔ اس میں مختلف لوگوں کے نام ارسال کئے گئے خطوط ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مضامین کا تکرار بھی کئی جگہوں پر دکھائی دیتا ہے۔ ان دونوں مجموعوں کے مرتب مولانا زین بدر عربی ہیں جو مخدوم کے خاص مرید تھے اور مکتوبات کو بھیجنے سے قبل ان کی نقل اپنے پاس محفوظ کرلیا کرتے تھے۔ تیسرا مجموعہ خطوط ''مکتوبات بست وہشت'' ہے۔ اس میں اٹھائیس مکتوبات ہیں جو حضرت مظفر بلخی کے نام تحریر کئے گئے ہیں۔ مخدوم علیہ الرحمہ نے اپنے اس چہیتے مرید کو تقریباً دوسو خطوط تحریر کئے تھے مگر ان کی وصیت کے مطابق یہ خطوط ان کے ساتھ قبر میں دفن کردیئے گئے۔ صرف اٹھائیس خطوط کسی طرح باقی رہ گئے تھے جو اس مجموعے میں شامل ہیں۔

''بزم صوفیہ'' کے مصنف صباح الدین عبدالرحمٰن کے مطابق انھوں نے ایک غیر مطبوعہ مجموعے کو انڈیا آفس میں دیکھا تھا جس میں مخدوم کے ایک سو پچیس خطوط ہیں۔ یہ خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام لکھے گئے ہیں جو آپ کے مرید تھے۔

مخدوم کے مکتوبات کے مجموعے شروع سے ہی مقبول ہو گئے تھے۔ اہل تصوف

Marfat.com

نے جس طرح حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کو حرز جاں بنایا اسی طرح مخدوم کے مکتوبات کو بھی سر آنکھوں پر رکھا۔ ان کی ہر دور میں پذیرائی ہوئی اور صوفیہ نے مشعل ہدایت کے طور پر انھیں راہ سلوک طے کرنے میں استعمال کیا۔ ان مکاتیب کے مداحوں میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت جلال الدین بخاری، شاہ عبداللہ شطاری، شاہ محمد غوث گوالیاری، حضرت احمد لنگر دریا ہیں۔ شاہ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مریدین کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر مرشد قریب نہ ہو تو رہنمائی کے لیے شیخ شرف الدین کے مکاتیب پڑھیں۔ اکبر کا درباری عالم ابوالفضل بھی ان مکاتیب کی تعریف کرتا ہے۔ مخدوم کی تصانیف اور ملفوظات کے مجموعوں سے زیادہ آپ کے مکاتیب مقبول ہیں۔

آخری وقت:

حضرت مخدوم علیہ الرحمہ آخری وقت میں اکثر ہندی کے دو دوہے پڑھا کرتے تھے:

شرفا گور ڈراون، نس اندھیاری رات
وان نہ پوچھے کوئی تم سے، کاہے تمری جات
جی مگن میں ہے کہ آئی ہیں سہانی رتیاں
جن کے کارن تھے بہت دن سے بنائی گتیاں

۷۸۲ھ میں ۶ رشوال، جمعرات کی شب میں بعد نماز عشاء مخدوم نے انتقال فرمایا۔ دوسری صبح کو تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔ بہار شریف میں آپ کی قبر آج بھی خلائق کی زیارت گاہ ہے اور عقیدتمندوں کا ہجوم شب و روز یہاں لگا رہتا ہے۔ ☆☆

Marfat.com

عکس خیال

حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ دینیات کے ایک بڑے عالم اور تصوف کے امام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعلیمات میں جہاں قرآن و حدیث کی روح نظر آتی ہے وہیں تصوف کا جمال بھی دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے شریعت وطریقت کو جداگانہ طور پر نہیں دیکھا بلکہ ایک ہی چراغ کے اجالے کی طرح محسوس کیا۔ دونوں ہی خالق کی معرفت کا پتہ دیتے ہیں اور اس تک رسائی کا راستہ بتاتے ہیں۔ انسان کی حیات کا مقصد معرفت خداوندی کا حصول ہے اور اس کے بغیر زندگی فضول ہے۔ ذیل میں مخدوم علیہ الرحمہ کے افکار ونظریات کی کچھ جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں جو آپ کے مکاتیب کے مجموعے ''مکتوبات صدی'' سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

معرفت حق:

حضرت مخدوم، معرفت حق کو مومن کی زندگی کا بنیادی سبب سمجھتے ہیں۔ وہ اس پر زور دیتے ہیں اور اس کے لیے قرآن وحدیث سے دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''معرفت مومن کی روح کا جوہر ہے، جس شخص کا خدا کی معرفت میں کوئی حصہ نہیں گویا حقیقتاً اس شخص کا وجود ہی نہیں ہے اور پیدا کرنے والے کی معرفت پیدا ہونے والوں کی معرفت سے ظاہر ہوتی ہے اور پیدا کرنے والے کی معرفت سے عارفوں کو بقا اور نجات حاصل ہوتی ہے۔ معرفت کا پہلا جز، یہ ہے کہ دنیا کی تمام مخلوقات کو مجبور، عاجز اور خدا کا قیدی سمجھے اور سب چیزوں سے اپنے لگاؤ اور نسبت کو توڑ دے اور سمجھے کہ بس ایک ہی خدا ہے۔ اس کی ذات ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی اور اس کے صفات بھی ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں۔'' (۴۵واں مکتوب)

عرفاء کے نزدیک اللہ کی معرفت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی ذات میں کامل یقین ہو۔ حضرت مخدوم نے اس کے بعد ایک اور راستہ بتایا ہے معرفت کا۔ یہ ہے مصنوع کے ذریعے صانع کی پہچان کا۔ ہر چیز اپنے بنانے والے کے متعلق بتاتی ہے۔

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدائی ہے

ہماری اپنی ذات بھی ہمارے خالق کے وجود کا پتہ دیتی ہے۔ مخدوم لکھتے ہیں:

''اور دوسرا راستہ صانع اور خالق تک پہنچنے کے لیے اپنے نفس کی پہچان ہے جیسا کہ کہا ہے من عرف نفسه فقد عرف ربه. (جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان

Marfat.com

لیا)۔ خدائے برتر نے پہلے پہل اپنی قدرت آسمانوں کی پنہائی میں پیش کی۔ یعنی پیدا کرنا اور پھر نیست و نابود کرنا اور مخلوقات کی حالتوں کا بدلنا، جیسے رات اور پھر دن کا ہونا اور کسی چیز کی زیادتی اور پھر کمی، کشادگی اور تنگی اور دنیا اور اس کے سوا جو کچھ کہ دنیا کی حالتوں میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے تاکہ خدا کی وحدانیت کے پجاری ان میں غور سے دیکھیں اور خدا کی معرفت حاصل کریں۔'' (ایضاً)

عرفانِ ذات بھی معرفت خداوندی کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر انسان اپنی ذات کو پہچان لے تو یقیناً خالق کی ذات کو سمجھنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔ ہمارے جسم کا نظام آخر کیسے بنا؟ اور پھر کس طرح یہ برسوں سے بغیر کسی رکاوٹ کے کام کر رہا ہے؟ کیا دنیا کی کوئی مشین اس کا متبادل ہو سکتی ہے؟ کیا لاکھ کوششیں کر کے انسان اس کا ثانی پیدا کر سکتا ہے؟ سر سے پیر تک ہمارے جسم میں لاکھوں عجائبات ہیں۔ اگر کسی ایک عجوبے پر بھی غور کیا جائے تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر DNA کو لیا جا سکتا ہے۔ اس دنیا کے کروڑوں افراد کے ڈی این اے میں محض 0.01 فیصد کا فرق ہوتا ہے۔ مگر اسی فرق سے ہر شخص ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ نہ تو دو آدمیوں کی شکلیں ایک جیسی ہوتی ہیں اور نہ عقلیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ہر فرد کی جسمانی بناوٹ ایک دوسرے سے الگ، سب کی آنکھیں ایک دوسرے سے جدا، سب کی ناک ایک دوسرے سے مختلف۔ حد یہ ہے کہ دو افراد کی انگلیوں اور ہتھیلیوں کی لکیریں ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتیں۔ جسم کے خلیات مماثلت نہیں رکھتے۔ اگر دو افراد کا Blood Group ایک ہوتا ہے تو بھی Blood Cells مختلف ہوتے ہیں۔ ایک انسانی جسم خدا کی لاکھوں حکمتوں کا پتہ دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت شیخ شرف

Marfat.com

الدین منیری علیہ الرحمہ عرفانِ نفس کو معرفت خداوندی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"...اور طریقت والے لوگ معرفت کے راستہ میں اپنی ذات میں کھو جاتے ہیں اور اپنے وجود ہی سے تلاش کی ابتدا کرتے ہیں اور اپنی ذات ہی سے کثیف اور لطیف کی کل باتیں ڈھونڈتے ہیں اور خداوند تعالیٰ کی معرفت کی دلیلیں اور نشانیاں پا لیتے ہیں۔ ان فی ذلك لذکریٰ لاولی الالباب. (اس میں خاص لوگوں کے لیے ذکر و فکر کا موقع ہے)۔" (ایضاً)

معرفت حق کے لیے تلاش و جستجو اور غور و فکر لازم ہے بشرطیکہ یہ غور و فکر درست سمت میں کی جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے طبیب، حکیم اور سائنسداں انسانی جسم، مخلوقات کے بدن اور کائنات کے ذرے ذرے میں غور و فکر کرتے ہیں مگر وہ معرفت سے محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ ان کا تدبر درست سمت میں نہیں ہوتا۔ انسانی جسم کو جو لوگ خدا کی کارسازی، ہنرمندی، فنکاری اور حکمت کا نمونہ سمجھنے کے بجائے گوشت پوست کا لوتھڑا سمجھ کر غور و فکر کریں گے وہ کیسے نور معرفت تک پہنچ سکتے ہیں؟

خدا تعالیٰ کی معرفت کے لیے عقل کے ساتھ ساتھ اس کا فضل بھی درکار ہے۔ اس دنیا میں ایک چیز ایسی نہیں جو خدا کی ذات کی معرفت نہ کراتی ہو مگر عجیب بات ہے کہ روزانہ اسے دیکھنے والے، اس میں تدبر کرنے والے معرفت سے محروم ہیں۔ اس لیے معرفت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا فضل بھی انسان پر ہو۔ حضرت مخدوم تحریر فرماتے ہیں:

"...اور پانے کا سبب جستجو اور تلاش نہیں بلکہ اسی کی عطا و بخشش ہے۔ بہتیرے ڈھونڈنے والے ایسے ہیں جنہوں نے آج تک نہیں پایا اور بہت سے پانے والے ایسے ہیں جنہوں نے بغیر تلاش و جستجو کے پا

Marfat.com

لیا۔ جہاں تک تلاش کرنے کا تعلق ہے، سب برابر ہیں مگر پانے میں فرق ہے۔ بتوں کے پجاری اس کو بت کے اندر ڈھونڈ تے ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور یہودی حضرت عزیز علیہ السلام سے اس کو مانگتے ہیں۔''

قصر دل میں جب کسی دن آپ کا آنا ہوا
یہ ہوئی رفعت کہ بامِ عرش تہہ خانہ ہوا

آتش عشق:

دردِ دل کتنا پسند آیا اسے
میں نے جب کی آہ، اس نے واہ کی

سوزِ دل، محبت سے حاصل ہوتا ہے اور اس کی تصوف میں خاص اہمیت ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جس سے قدسیانِ معصوم بھی محروم ہیں۔ اس کی لذت سے صرف انسانی قلب ہی محظوظ ہوسکتا ہے۔ صوفیہ نے اس پر بہت کچھ کہا ہے اور بہت کچھ لکھا ہے۔ حضرت مخدوم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''...دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے کیونکہ ان کی ہمتیں بلند نہیں ہیں۔ فرشتوں کا کام جو سیدھے طریقہ پر چل رہا ہے وہ اس لیے ہے کہ ان تک محبت کا گذر نہیں ہوا ہے اور یہ اونچ نیچ جو انسان کے ساتھ پیش آیا کرتی ہے اس لیے ہے کہ اس کو محبت سے سروکار ہے۔ یحبھم و یحبونہ۔ (وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ ان سے محبت کرتا ہے) تو جس کے دماغ میں ذرا بھی اس کی محبت کی بو پہنچتی ہے اس سے کہہ دو کہ سلامتی سے

Marfat.com

اپنا دل اٹھالے اور اپنی ہستی کو خیر باد کہہ دے۔ المحبة لا تبقی ولا تــــذر. (محبت کچھ باقی نہیں رکھتی اور کچھ بھی نہیں چھوڑتی)۔" (۴۶واں مکتوب)

یعنی۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

تصوف کا بنیادی مقصد محبت الٰہی ہے۔ یہاں عبادت وریاضت، مجاہدہ وتزکیہ نفس سب کا بس ایک مقصد ہے، محبت۔ شمع پر نثار ہونے والے پروانے کو دیکھ کر دنیا اس کی بے عقلی پر افسوس کرتی ہے مگر سوز جگر کے لطف کو تو بس پروانہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ مخدوم رقم طراز ہیں:

"ایک فقیر اس کے راستے میں چلتے چلتے مجبور ہو گیا تھا۔ ایک زمانہ تک اس کی جستجو اور رنج ومصیبت میں رہا اور عرصہ تک اپنی جان سے بے زاری کا اظہار کرتا رہا۔ آخر جب مر گیا تو اس کے سینے پر لکھا ہوا دیکھا گیا "یہ اللہ کی محبت کا مارا ہے۔" (ایضاً)

خالق کی تلاش میں سرگرداں لوگ اسے اپنے اپنے انداز میں ڈھونڈتے ہیں۔ کوئی اس کی اطاعت میں اسے تلاش کرتا ہے تو کوئی خود کو رنج والم میں ڈال دیتا ہے۔ کوئی دیوانوں کی طرح صحرانوردی کرتا ہے تو کوئی بیابانوں کی خاک چھانتا ہے۔ اس کی تلاش میں...

"ایک قوم مٹی کے ڈھیلوں کی پجاری بن گئی اور ایک گروہ نے پتھر کی پرستش شروع کی۔ ایک قوم ساری توجہ مشرق کی طرف کر کے سورج کو بھگوان سمجھنے لگی تو ایک گروہ نے مغرب کی طرف منہ پھیرا۔ کوئی ہر وقت اس کے لیے دوڑ لگاتا ہے تو کوئی اس کی تلاش

Marfat.com

وجستجو میں سرگرداں ہے اور خداوند کریم اس سے کہیں برتر و غالب ہے اور راستہ دشوار و لمبا ہے اور اس کی نزدیکی بہت دور ہے اور اس کا وصال ہجر ہے اور مخلوق کے ہاتھ میں صرف قیل و قال ہے۔"

(ایضاً)

محبت میں بس جستجو ہے۔ سب محبوبِ حقیقی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ ذرے ذرے میں اس کے انوار کی کرنیں ہیں مگر وہ کہیں نظر نہیں آتا۔ جب تقاضہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو لن ترانی کہہ کر وصال کی تڑپ کو بڑھا دیا جاتا ہے اور وعدۂ فردا پر ٹال دیا جاتا ہے۔

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

"اصحاب تحقیق نے کہا ہے یہ جہاں اور وہ جہاں دونوں کے دونوں طلب کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ وہ جہانِ طلب کے لیے نہیں بنا ہے تو یہ محال ہے۔ یہ درست ہے کہ نماز اور روزہ باقی نہیں رہے گا مگر یہ بھی تو طلب کا ایک جزو ہے۔ قیامت کے بعد ہر ایک شریعت مٹا دی جائے گی لیکن یہ دو چیزیں ہمیشہ ہمیش قائم رہیں گی۔ الحب للہ والحمد للہ (اللہ کے لیے محبت اور اللہ کی حمد و ثنا)۔ کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے حج، جہاد، روزہ، نماز کے احکام منسوخ کر دیئے جائیں مگر محبت کا پیمان منسوخ نہیں کیا جا سکتا اور بہشت میں روزانہ جس جس کی شکل تیرے سامنے آئے خداوند تعالیٰ کی معرفت کا ایک عالم تجھ کو نظر آئے گا کہ اس سے پہلے تو نے کبھی دیکھا نہ ہوگا۔ یہ ایسا کام ہے جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا اور خدا نہ کرے کہ ختم ہو۔"

(ایضاً)

Marfat.com

قرار جز دلِ عاشق کجا حسیناں را
وہ آخر آئے مرے دل میں جابجا ہو کر

دنیا میں صرف محبت کا دم بھرا جاسکتا ہے۔ وصال کی آرزو کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ خواہش دنیا میں پوری نہیں ہوگی۔ اس کے لیے آخرت کا سفر ضروری ہے۔

اڑ کے جانا بامِ جاناں تک مگر درکار تھا
مرغ دل کو بازوئے مرغِ نظر درکار تھا

''حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس کی بندگی ہی میں اسے آرام حاصل ہو اور اس کو بوجھ نہ سمجھے اور نہ اس کی تھکن محسوس ہو۔ جیسا کہ ان لوگوں میں سے کسی نے کہا ہے، جو کام محبت کے لیے ہو اس میں سستی اور غفلت نہیں ہونی چاہئے۔ یعنی اس کا جسم تو تھک جائے مگر اس کا دل نہ تھکے۔'' (۴۷واں مکتوب)

یہ تو ایک نشانی محبت کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے دعوئ محبت آسان ہے مگر تقاضہ محبت کی تکمیل مشکل ہے۔ محبت قربانی چاہتی ہے، محبت تیاگ چاہتی ہے، محبت سوائے محبوب کے سب سے انقطاع کا تقاضہ کرتی ہے۔ جس دل میں محبوب کا مسکن ہو اس میں کسی اور کو جگہ دینا محبت میں شرک ہے۔ لہٰذا اس گلی میں وہ قدم بھی نہ رکھے جسے جان و دل عزیز ہوں کیونکہ یہ شہادت گہہ الفت میں قدم ہے رکھنا۔ یہاں جان و دل کی خیر نہیں۔

یہ گھر کیبرا پریم کا، خالہ کا گھر ناہیں
جو شیش بھوئیں دھرے، سو پیٹھے گھر ماہیں

Marfat.com

دل والوں کا دل:

انسان کے لیے نہیں دولت سوائے دل
در در پھرو جہان میں ہو کر گدائے دل

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دل کو انسانی جسم کی اصلاح وفساد کا مرکز بتایا گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ گوشت کا یہ لوتھڑا انسان کی پوری زندگی پر حاوی رہتا ہے۔ اسی لیے تصوف میں اس کے اصلاح پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ تمام صوفیہ اپنے مریدین کو دل کے اصلاح کی وصیت کرتے رہے ہیں اور صوفی لٹریچر کا ایک بڑا حصہ اس موضوع پر ملتا ہے۔ حضرت شیخ شرف الدین منیری نے بھی اس پر توجہ کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''دل ایک شاہی خزانے کی حیثیت رکھتا ہے مگر غور سے دیکھو کہ اس خزانے میں تم کیا رکھتے ہو؟ اگر اس میں جواہرات بھرے ہیں تو بے شک یہ خزانہ کہا جا سکتا ہے اور اگر اس میں کوڑا کرکٹ ہے تو یہ گھاس پھوس کا انبار ہے۔ یہیں سے بزرگوں نے کہا ہے کہ ایک خزانہ تو بہشت میں ہے جس کو نعمت کہتے ہیں اور ایک خزانہ عارفوں کے دل میں ہے اس کا نام محبت ہے۔ رب العزت کی قسم کہ ہزاروں ہزار بہشت محبت کے خزانے کے ایک موتی کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے۔ بہشت کے خزانے کا محافظ ایک فرشتہ ہے جس کا نام رضوان ہے اور محبت کے خزانے کا نگہبان خود حضرت خداوند جل وعلا ہے۔''

(۸۰واں مکتوب)

سوگند بے دلوں کی تجھے اے خدائے دل
دینا ہو کچھ مجھے تو نہ دینا سوائے دل

Marfat.com

وہ دل جو خدا اور محبوبِ خدا کی محبت سے آشنا ہو اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ ایسے ہی دل کے متعلق مندرجہ بالا اقتباس میں بتایا گیا کہ محبت کے جواہرات سے پُر دل جنت اور اس کی نعمتوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ کیونکہ جنت کی نگہبانی ایک فرشتہ کرتا ہے اور دل کی نگہبانی خالق جنت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں کسی کو دولت عطا فرماتا ہے تو کسی کو جاہ وحشمت، کسی کو نیک نامی دیتا ہے تو کسی کو شہرت، کسی کو رعب و دبدبہ تو کسی کو سلطنت۔ مگر قابل رشک ہے وہ بندہ جسے وہ اپنی محبت عطا فرمادے۔ دل کی قیمت بھی اسی محبت کے سبب بڑھتی ہے۔ مخدوم علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''اب تم اپنے دل کے خزانے کو دیکھ کر خود سمجھ لو کہ تمہاری کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ لیکن جو دل خدا کے ساتھ اٹکا ہوا ہے اپنی قیمت کے تحت نہیں آتا۔'' (ایضاً)

انسان کی قدر و قیمت اس کے دل سے طے ہوتی ہے۔ اگر اس کے دل میں حرص وہوس، بغض وحسد کی غلاظت ہے تو وہ ایک بے وقعت انسان ہے اور اگر اس کے دل میں محبت الٰہی کے موتی ہیں تو وہ ایک انمول دل کا مالک ہے جس کی قیمت دونوں جہاں کی دولتیں بھی نہیں بن سکتیں۔ آدمی اپنی قیمت کا اندازہ خود اپنے دل میں جھانک کر کرسکتا ہے۔ اسے کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کا دل خود اس کی شخصیت کا آئینہ ہے۔

شریعت وطریقت:

عوام الناس میں شریعت وطریقت کے مفہوم کو لے کر کچھ غلط فہمیاں ہیں۔ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ طریقت، شریعت سے الگ کوئی راستہ ہے اور بعض شریعت وطریقت سے ناواقف عناصر صوفی کا لبادہ پہن کر ان غلط فہمیوں میں اضافہ کرتے پھرتے ہیں۔

Marfat.com

اس طرح کی غلط فہمیاں ماضی میں بھی رہی ہیں اور اہل علم وصوفیہ نے انھیں دور کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مکتوب میں شریعت و طریقت کے لطیف فرق کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ''طریقت کی راہ بھی شریعت ہی سے نکلی ہے۔ شریعت وطریقت میں جو فرق ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں۔ تم اسی سے سمجھتے جاؤ۔ شریعت میں توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، جہاد، زکوٰۃ اور دوسرے احکامِ شرائع و معاملاتِ ضروری کا بیان ہے۔ طریقت کہتی ہے کہ ان معاملات کی حقیقت دریافت کرو، ان مشروعات کی تہہ تک پہنچو، اعمال کو قلبی صفائی سے آراستہ کرو، اخلاق کو نفسانی کدورتوں سے پاک کرو جیسے ریاکاری ہے، ہوائے نفسانی ہے، ظلم و جفا ہے، شرک و کفر ہے، وغیرہ وغیرہ۔'' (۲۵واں مکتوب)

شریعت کے احکام پورا کرنا شریعت پر عمل ہے مگر دل کے اخلاص کے ساتھ شرعی حکم کو بجالانا طریقت ہے۔ قلبی صفائی اور اخلاقی بلندی کے ساتھ احکام شریعت پر عمل آوری ہی طریقت ہے۔ اس مسئلے کو مزید آسان زبان میں سمجھاتے ہیں مخدوم علیہ الرحمہ:

> ''اچھا، اس طرح نہ سمجھے ہو تو یوں سمجھو۔ ظاہری طہارت، ظاہری تہذیب سے جس امر کو تعلق ہے وہ شریعت ہے۔ تزکیہ باطن تصفیہ قلب سے جس کو لگاؤ ہے وہ طریقت ہے۔ کپڑے دھو کر ایسا پاک بنا لینا کہ اس کو پہن کر نماز پڑھ سکیں، یہ فعل شریعت ہے اور دل کو پاک رکھنا کدورت بشری سے یہ فعل طریقت ہے۔ ہر نماز کے لیے وضو کرنے کو شریعت کا ایک کام سمجھو اور ہمیشہ باوضو رہنے کو طریقت کا دستور العمل تصور کرو۔ نماز میں قبلہ رو کھڑا ہونا شریعت ہے اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا طریقت ہے۔ حواسِ ظاہری سے جن

Marfat.com

معاملاتِ دینی کا تعلق ہے اس کی رعایت ملحوظ رکھنا شریعت ہے اور جن معاملاتِ دینی کو قلب و روح سے تعلق ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔'' (ایضاً)

مندرجہ بالا اقتباس سے شریعت و طریقت کا فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے اور ایک معمولی فہم و فراست والے شخص کے لیے بھی اسے سمجھنا آسان ہو جاتا ہے مگر اسے فہم سے قریب تر کرنے کے لیے حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے مزید روشنی ڈالی ہے اور طریقت پر عمل کو انبیاء کی سنت پر عمل قرار دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام کا یہی معمول رہا کہ دین کا جو کام خود کرتے ہیں وہی امت کو بھی حکم دیتے مگر بعض اخلاق و اعمال ایسے مہتم بالشان و کوہِ وقار ہیں کہ اگر امت پر ان کا بوجھ ڈال دیا جائے تو ضعیف الحال امت پس جائے۔ اس لیے آسانی کے خیال سے امت کو ان کی تکلیف نہیں دیتے، اپنا وردِ خاص بنا لیتے ہیں اور معمول کر لیتے ہیں۔ جیسے تہجد کی نماز، صدقہ نہ لینا، سیر ہو کر نہ کھانا، دنیا سے اعراض کرنا، جس سے زندگی باقی رہے اتنے ہی کھانے پر قناعت کرنا، مکان و لباس بھی محض بقدرِ ضرورت رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس امر کے لیے امت کو مکلّف بنایا جائے وہ شریعت ہے اور جو کام ایسا ہے کہ تخفیف امت کے لیے انبیاء علیہم السلام اپنی ذات کو اس کا پابند کریں اور لازمہ احوال بنا لیں وہ طریقت ہے۔'' (ایضاً)

گویا شریعت کی روح تک پہنچنا اور شریعت میں دی گئی رعایت کو بھی ترک کر دینا طریقت ہے۔ وہ عمل جس کی بجا آوری لازمی نہیں، اختیاری ہے اس کو اپنے لیے لازم کر لینا طریقت ہے۔ جو اعمال انبیاء نے اپنے اوپر لازم کر رکھے تھے مگر امت کی آسانی کے لیے اس کا حکم نہ فرمایا انھیں اپنا لینا طریقت ہے۔

Marfat.com

طریقت جہاں ایک طرف انسان کو معرفت حق کو دعوت دیتی ہے وہیں دوسری طرف اسے خلوص وللّٰہیت کا پیکر بننے پر بھی ابھارتی ہے۔ یہاں صرف ظاہری عمل کافی نہیں ہوتا بلکہ باطنی پاکیزگی بھی لازمی ہوتی ہے۔

امراضِ باطن:

انسان جسم وروح سے مرکب ہے۔ لہٰذا اس کے مسائل جس طرح جسم سے متعلق ہیں اسی طرح روح سے بھی متعلق ہیں۔ صوفیہ کا کام جسم کی اصلاح نہیں، روح کی اصلاح ہے۔ وہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ انسان روحانی اعتبار سے صحت مندر ہے کیونکہ روحانی صحت کا اثر نہ صرف اس کی زندگی بلکہ آخرت پر بھی پڑتا ہے۔ حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر انتہائی حسین پیرایے میں گفتگو کی ہے:

> "...انسان دو جوہر مختلف سے پیدا ہوا ہے۔ ایک علوی، دوسرا سفلی۔ جس طرح جوہر سفلی، یعنی یہ جسم جو آب و آتش، خاک و باد سے بنا ہے اس کو مرض قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ اسی طرح جوہر علوی، یعنی ارواح کو بھی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ جس طرح امراض سفلی کے لیے اطباء ہیں کہ ان کے علاج سے مرض دور ہو جاتا ہے صحت حاصل ہوتی ہے اور ہلاکت سے آدمی بچ جاتا ہے، اسی طرح امراض علوی کے لیے بھی اطبا ہیں جن کے علاج سے جملہ امراض باطنی اگرچہ وہ محسوس نہیں ہوتے اور عقل میں نہیں آتے مگر سب کے سب دفع ہو جاتے ہیں اور ہلاکت کے محل سے نجات ہوتی ہے۔ جوہر سفلی کے امراض وعلل کے طبیب تو حکماء ہیں اور جوہر علوی کے امراض و

Marfat.com

علت کے طبیب انبیاء ہیں، ان کے بعد مشائخ ہیں، کیونکہ یہی لوگ انبیاء کے خلیفہ ہیں۔'' (۱۹واں مکتوب)

انبیاء کرام دنیا میں انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے آتے رہے۔ انھوں نے بندگانِ خدا کو خالق و مالک تک پہنچنے کا راستہ بتایا مگر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لیے بند ہو گیا۔ حالانکہ جب دنیا میں انسان ہے تو اس کی اصلاح کی ضرورت بھی پڑے گی، لہٰذا اس کی ذمہ داری خالق کائنات نے اپنے کچھ نیک بندوں کو سونپ رکھی ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ ''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔'' ظاہر ہے علماء صرف علمی وارث نہیں بلکہ عملی وارث بھی ہیں۔ جو عمل اللہ نے انبیاء کے ذمے کر رکھا تھا اب وہ علماء کے سپرد ہے۔ یہی علماء، طریقت کے امام بن کر لوگوں کے باطنی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور اسی لیے اہل تصوف کا قول ہے کہ الشیخ فی قومہ کا النبی فی امتہ. (اپنی قوم میں شیخ کی وہی حیثیت ہے جو نبی کی اپنی امت میں)۔ ظاہر ہے جس طرح انبیاء اپنی امت میں اصلاح کا کام کرتے ہیں، ہدایت ورہنمائی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، اسی طرح شیوخ بھی انسانیت کی فلاح وصلاح کے لیے تن، من، دھن سے کوشش کرتے ہیں اور ان کے طفیل لوگوں کی ظاہری و باطنی اصلاح ہوتی ہے۔

بات ہو رہی تھی کہ طبیب انسان کے جسمانی امراض کا علاج کر کے اسے تندرست کرتا ہے اسی طرح مشائخ اس کی باطنی بیماریوں کی تشخیص کرتے ہیں اور پھر روحانی نسخوں سے اس کا علاج کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم نے اس تعلق سے تحریر فرمایا ہے:

''...جس طرح طبیب نبض دیکھ کر بیمار کے علت و مرض سے واقف ہو کر مختلف ادویہ اور شربت بیمار کی قوت کا اندازہ کر کے بتاتا ہے اور کسی دوا سے دو ماشہ اور کسی سے تین ماشہ اور کسی سے چار ماشہ لے کر معجون تیار کرتا ہے اور بعض چیز کا استعمال جائز اور بعض کا استعمال

Marfat.com

خطرناک کہتا ہے، تاکہ طبیعت مریض کی اعتدال پر آجائے اور مائل
بہ صحت ہو جائے اور ہلاکت سے محفوظ رہے۔ اسی طرح پیغمبر وقت
یا نائب پیغمبر کو جب وقوف ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے اعتقاد میں کیا
کیا مرض لاحق ہے تو احکام شریعت سے ایک ایسا نسخہ تجویز کر دیتا ہے
کہ وہ بیمارِ باطن استعمال کر سکے اور اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ کبھی دو
رکعت، کبھی تین رکعت، کبھی چار رکعت سے ایک معجون مرکب تیار
ہوتی ہے اور کوئی چیز حلال اور کوئی چیز حرام کر دی جاتی ہے تاکہ
عقیدت کی تشویشیں، خواہشات کے اختلافات اور امراض کی رنگا
رنگی، شریعت کے ساتھ اعتدال پذیر ہو اور صحت عاجل ہو، خطرۂ
ہلاکت سے نجات ملے۔'' (ایضاً)

جہاں مرض جسمانی ہوتا ہے وہاں دوائیں بھی مادی ہوتی ہیں اور جہاں مرض روحانی ہوتا ہے وہاں علاج بھی روحانی دواؤں سے ہی ہوتا ہے۔ دنیا میں کسی ماہر ادویہ نے ایسی کوئی دوا تیار نہیں کی جس سے کبر و نخوت، بغض و حسد، بداخلاقی و بے مروتی، نفرت و دشمنی جیسے امراض کا علاج کیا جا سکے۔ ان بیماریوں کا علاج تو صرف روحانی اطباء یعنی انبیاء اور ان کے جانشیں مشائخ ہی کر سکتے ہیں۔ صوفیہ راہ سلوک پر چلنے والوں کو مختلف مجاہدوں سے گذارتے ہیں۔ برسوں عبادت و ریاضت کراتے ہیں۔ اوراد و وظائف میں مشغول رکھتے ہیں۔ اس کا مقصد ان روحانی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ کشمیر کے ایک مشہور صوفی شیخ العالم شیخ حمزہ رینہ کا معمول تھا کہ اگر کوئی آپ کی خدمت میں راہ سلوک پر چلنے کے ارادے سے آتا تو اسے مجاہدے کے دوران نہ صرف عبادت و ریاضت کا حکم دیتے بلکہ اس سے باورچی خانے اور اصطبل کی خدمات بھی لیتے۔ بڑے بڑے علماء اور حکومت کے عہدیداروں سے یہ خدمات لی جاتیں۔ یہاں تک کہ انھیں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانے کو بھی کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ معمولی قسم کے کام اگر لوگوں کے

Marfat.com

سامنے کیئے جائیں گے تو دل کے اندر سے تکبر کا مرض نکل جائے گا اور جو شخص خود کو عالی مرتبت تصور کرتا تھا اس کے اندر انکساری پیدا ہو جائے گی وہ خود کو خدا کا ایک معمولی بندہ سمجھنے لگے گا۔

خاک جب خاکسار ہوتی ہے
کس قدر باوقار ہوتی ہے

مشائخ دراصل روحانی طبیب ہیں۔ یہ انسان کی روحانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ اگر جسمانی مرض لاحق ہو جائے تو یہ کم خطرناک ہوتا ہے جب کہ روحانی مرض نہ صرف سماج، زندگی بلکہ آخرت کو بھی متاثر کرتا ہے۔

معراجِ عشق:

حدیث شریف میں نماز کو مومنین کی معراج قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہ تحفہ ہے جو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب خالق کائنات کی طرف سے عطا فرمایا گیا۔ اس تحفے سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں ہوسکتا جو مقامِ قاب قوسین سے رب کائنات نے اپنے بندوں کے لیے بھیجا ہے۔ عام بندوں کے لیے معراج جسمانی ممکن نہیں تھی نہ انھیں وہ حشمت حاصل ہوسکتی تھی کہ براق برق خرام دروازے پر آئے۔ لہٰذا مومنین کے لیے نماز کو ہی معراج بنا دیا گیا۔ نماز آخر کس طرح مومنین کے لیے معراج ہے؟ اس سوال کو بڑی خوبی سے حل کرنے کی کوشش کی ہے حضرت مخدوم علیہ الرحمہ نے:

> ''دیکھو تمھیں کس طرح معراج نصیب ہوتی ہے۔ پہلے تم نے طہارت کی، پاک وصاف کپڑا پہنا، اس کے بعد خراماں خراماں مسجد آسماں رفعت میں داخل ہوئے۔ وہاں اول اول مومنانِ ملک صفت کے ساتھ بندگانہ وعاجزانہ کھڑے ہوگئے۔ پھر اس وقت تک واپس

Marfat.com

نہ ہوئے جب تک اچھی طرح خلوتِ راز میں نشست نہ ٹھہری۔

سبحان اللہ و بحمدہٖ۔'' (۳۲واں مکتوب)

مندرجہ بالا سطور سے واضح ہو گیا کہ نماز مومنین کی معراج کس طرح سے ہے۔ دراصل نمازی خود آسمان کے پاکیزہ ماحول میں داخل نہیں ہوتا بلکہ مسجدیں اپنی پاکیزگی اور رفعت شان میں آسمان کے مماثل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح فرشتوں کی صفوں میں شامل ہونے وہ آسمان پر نہیں جاتا بلکہ نمازیوں کی صفوں کو ملکوتی صفات کا حامل بنا دیا جاتا ہے۔ یہ صفیں روحانیت اور پاکیزگی کے اعتبار سے فرشتوں کی صفوں کی طرح ہو جاتی ہیں۔ پھر نمازی دورانِ نماز رب العالمین کے ساتھ راز و نیاز میں رہتا ہے۔ جب نماز میں استغراق کی کیفیت پیدا ہو جائے اور نمازی کے سامنے خود معبود کا جلوۂ جہاں آرا ہو تو اس سے بڑھ کر معراج کیا ہے اور اگر نماز کے بعد بھی نمازی کے سامنے یہ جلوہ ہو تو ہر وقت اس کے لیے معراج کا سماں ہے۔ صوفیہ ایسی ہی نماز کی تلقین کرتے ہیں۔ محض ارکان نماز کو ادا کر لینا شریعت کی رو سے نماز ہو سکتی ہے مگر طریقت اسے بے روح کا جسم تصور کرتی ہے۔

حضرت مخدوم تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک عزیز کا قول ہے کہ وجود صخرہ و کعبہ سے پہلے محبانِ ازلی کا قبلہ بارگاہِ حضرت لم یزل تھا اور جو لوگ احاطہ قدس کے رہنے والے تھے اور فضائے انس کے باشندے تھے، ان مشتاقوں کا قبلہ بھی وہی تھا، جو حی و قیوم لایزل ہے۔ اس فنا کی جگہ اور رنج و غم کے محل میں صخرہ و کعبہ کو جو قبلہ بنایا گیا صرف تسکین و تسلی کے لیے تاکہ طالبان و سالکانِ راہ کے دل مطمئن رہیں۔'' (ایضاً)

قدس و کعبہ کو قبلہ علامتی طور پر بنایا گیا۔ جس عابد کا دل خالق قدس و کعبہ میں لگا ہوا ہو وہ کعبہ و صخرہ کی طرف کب متوجہ ہوتا ہے اور یہی نماز عشق ہے۔ یہی معراج

Marfat.com

مومنین ہے۔ نماز میں استغراق ہوگا تب ہی وہ معراج کے مقام تک پہنچ سکتی ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نماز میں تھے، آپ کے جسم سے تیر کھینچ لیا گیا مگر احساس نہیں ہوا۔ اس کا سبب یہی تھا کہ آپ مشاہدۂ محبوب میں مشغول تھے اور جس کے سامنے خالق کا جلوہ ہو وہ خلقت میں کب محو ہو سکتا ہے۔ یہی کیفیت وقت شہادت شہید کے ساتھ بھی ہوتی ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے جلوہ محبوب ہوتا ہے۔ لہٰذا جسم کے کٹنے کا اسے احساس نہیں ہوتا۔

کچھ خبر کوچہٗ جاناں کی بھی ہے اے واعظ
عشق بازوں کی ہے جنت تری جنت کے سوا

○○○

Marfat.com

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

''معرفت کا درخت فکر کے پانی سے سیراب ہوتا ہے
اور غفلت کا درخت جہالت کے پانی سے سینچا جاتا ہے
اور توبہ کا درخت ندامت کے پانی سے سینچا جاتا ہے اور
محبت کا درخت اتفاق و موافقت کا پاس رکھنے سے
سیراب ہوتا ہے۔'' (رسالہ قشیریہ، صفحہ ۱۷۰)

Marfat.com

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

آپ مجدد الف ثانی اور امامِ ربانی کے لقب سے مشہور ہوئے مگر نام احمد تھا اور کنیت ابوالبرکات تھی۔ ولادت باسعادت پنجاب کے سرہند علاقے میں ہوئی اور انتقال بھی اسی مقام پر ہوا۔ تاریخِ پیدائش ۱۴، شوال ۹۷۱ھ (مطابق ۵، جون ۱۵۶۴ء) ہے۔ جبکہ تاریخِ وفات ۲۸، صفر ۱۰۳۴ھ (مطابق ۱۰، دسمبر ۱۶۲۴ء) ہے۔ شمسی سال کے لحاظ سے آپ نے ساٹھ برس چھ مہینے کی عمر پائی۔ آپ کی قبر مبارک سرہند میں ہے، جہاں بڑی تعداد میں عقیدت مند پہنچتے ہیں اور سالانہ لاکھوں زائرین یہاں اکتسابِ فیض کے لئے آتے ہیں۔

Marfat.com

خاندانی پسِ منظر:

حضرت مجدد الف ثانی کے والد محترم کا نام عبدالاحد تھا، جو کہ خود بھی ایک بڑے عالمِ دین اور ولی کامل تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ درمیان میں اکتیس واسطے ہیں۔ آپ کے چھٹے دادا امام رفیع الدین ہیں۔ ان کا مزار پرانوار سرہند کے مضافات میں ہے۔ اُن کے نویں دادا شہاب الدین علی معروف بہ فرخ شاہ کابلی تھے، جن کا مزار کابل سے لگ بھگ ساٹھ میل کے فاصلے پر درہ کوہ میں واقع ہے۔ انھیں کی نسبت سے آپ کے نام کے ساتھ بعض لوگوں نے کابلی بھی لکھا ہے۔ حضرت فریدالدین گنج شکر بھی انھیں کی اولاد میں ہیں۔ حضرت عبدالاحد رحمۃ اللہ کے سات بچے تھے جن میں مجدد الف ثانی درمیان والے تھے۔

بچپن اور تعلیم و تربیت:

حضرت مجدد الف ثانی بچپن سے ہی بے حد ذہین اور اچھی عادات و کردار والے تھے۔ آپ کی پیشانی پر انوار و تجلیات چمکتے تھے اور ہوشمندی و سربلندی کے آثار نمایاں تھے۔ آپ دوسرے بچوں سے بہت الگ تھے اور آپ کے معمولات ان سے جدا تھے۔ زبدۃ المقامات میں خواجہ محمد ہاشم نے اس تعلق سے ایک واقعہ درج کیا ہے کہ ایک مرتبہ بچپن میں آپ بیمار ہوئے تو آپ کی والدہ حضرت شاہ کمال کیتھلی کی خدمت میں لے گئیں اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ شاہ کمال کیتھلی نے دعاء فرمائی اور کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بچہ عمر پائے گا اور اللہ کی مخلوق اس سے فیض پائے گی، اور ٹھیک ایسا ہی ہوا کہ ایک دنیا آپ سے فیض یاب ہوئی اور آپ نے عرفان کے چشمے جاری فرمائے۔

Marfat.com

حضرت شیخ احمد سرہندی کے تحصیل علم کی ابتدا تو اپنے گھر سے ہی ہوگئی تھی۔ آپ کے اولین استاذ آپ کے والد محترم تھے۔ ان سے بہت سی کتابیں پڑھیں، جو مختلف علوم وفنون کی تھیں، جن میں تصوف کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ انھیں سے آپ نے حفظ بھی کیا۔ البتہ تکمیل آپ نے مختلف اساتذہ کے پاس کی۔ آپ کے اساتذہ میں اس دور کے بڑے بڑے علماء شامل تھے۔ جن میں کمال الدین کشمیری، قاضی بہلول بدخشی اور شیخ یعقوب صرفی جیسی یگانہ روزگار شخصیتیں شامل تھیں۔ زبدۃ المقامات کے مطابق علم کی تکمیل کے وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔

بیعتیں اور روحانی ریاضتیں:

ابتدا میں آپ نے اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی مگر اسی کے ساتھ آپ کے اندر خدا طلبی کا جذبہ بھی شروع سے ہی تھا، لہٰذا طالبعلمی کے دوران ہی آپ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں روحانی علوم حاصل کرنے کے ارادے سے پہنچ گئے۔ شیخ نے بھی آپ کے جذبے کو دیکھتے ہوئے بیعت کرلیا اور آپ کو آگے بھی پڑھائی جاری رکھنے کی تاکید فرمائی۔ ان کا کہنا تھا کہ پہلے ظاہری علوم حاصل کرلو پھر باطنی علوم حاصل کرنا۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ اگر واپس گئے تو پھر شاید شیخ سے ملاقات نہ ہونے پائے کیونکہ ان کی عمر زیادہ ہو چکی تھی۔ شیخ نے فرمایا اگر مجھ سے ملاقات نہ ہو تو میرے بیٹے شیخ رکن الدین سے استفادہ کرنا۔ الغرض ایسا ہی ہوا کہ آپ نے ظاہری علوم میں کمال حاصل کرنے کے بعد شیخ رکن الدین سے باطنی علوم حاصل کئے اور انھوں نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا۔

حضرت مجدد کو اگرچہ خلافت واجازت مل چکی تھی مگر آپ کے اندر وارفتگی تھی اور آپ مزید اس راستے پر آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ خدا طلبی کے اسی جذبے کے تحت

Marfat.com

آپ نے ملک کے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ آپ کو جہاں کہیں سے کچھ حاصل ہونے کی امید بندھی آپ سفر پر چل پڑے۔ لاہور گئے، بنگال گئے، رہتاس اور جونپور کے سفر کیے اور مختلف اہلِ علم ومشائخ سے فائدے اٹھائے۔ اس دور میں آگرہ حکومت کی راجدھانی تھی اور یہاں بڑے بڑے اہل علم تھے، ان سے استفادے کے ارادے سے آپ آگرہ تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کی ملاقات بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے درباری ابوالفضل سے بھی ہوئی۔ آگرہ میں جب آپ کا قیام لمبا ہوگیا تو آپ کے والد شیخ عبدالاحد شفقتِ پدری سے مغلوب ہوکر آگرہ آگئے اور آپ کو اپنے ساتھ سرہند لائے۔ یہاں آپ کی شادی ہوئی اور جب تک وہ باحیات رہے آپ نے کسی دور دراز علاقے کا سفر نہیں کیا یہاں تک کہ حج بیت اللہ کے لئے بھی نہیں گئے۔

خواجہ باقی باللہ سے ملاقاتیں:

والد محترم کے انتقال کے بعد مجدد صاحب دلّی تشریف لائے، جہاں حضرت مولانا حسن کشمیری سے آپ کی ملاقات ہوئی، جو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ آپ دونوں ایک دوسرے کو پہلے ہی سے جانتے تھے اور اکثر ان کی زبان سے خواجہ باقی باللہ کا ذکر سنا تھا۔ انھوں نے جب بتایا کہ خواجہ صاحب دلّی میں موجود ہیں تو آپ کا جذبۂ شوق بڑھ گیا اور ان کے ساتھ ملاقات کو تشریف لے گئے۔ خواجہ صاحب نے دو ہفتے ٹھہرنے کو کہا مگر ابھی صرف دو دن ہی ان کے ساتھ بیتے تھے کہ آپ کے دل کی کیفیت بدلنے لگی اور آپ کی درخواست پر خواجہ باقی باللہ نے آپ کو بیعت کرلیا۔ گویا آپ اپنی مرادوں کو پہنچے اور آپ کو جس باطنی کمال تک پہنچنے کی چاہت تھی وہاں تک رسائی ہوگئی۔ حضرت مجدد کو مختلف سلسلوں سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا تھا۔ دل کا آئینہ بالکل صاف

Marfat.com

ستھرا ہو چکا تھا لہٰذا اس میں باطنی فضل وکمال کے بھرنے میں کچھ تاخیر نہیں ہوئی۔ تقریباً ڈھائی مہینے تک خواجہ باقی باللہ کے ساتھ رہے اور جس روحانی عروج کو حاصل کرنا چاہتے تھے، حاصل کیا۔ خواجہ صاحب اگر روحانی علوم میں کمال رکھتے تھے تو مجدد صاحب کو ظاہری علوم میں بلند مقام حاصل تھا۔ اس ملاقات نے دونوں کو ایک دوسرے سے استفادے کا موقع دیا۔ خواجہ صاحب نے اپنے رقعات میں مجدد صاحب کے تعلق سے اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے اور انھوں نے اپنے اس لائق مرید سے بہت سی امیدیں باندھ لی تھیں۔ انھوں نے اپنے ایک رقعے میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''سرہند میں بہت علم اور قوی عمل والے ایک شخص رہتے ہیں، ان کا نام شیخ احمد ہے۔ کچھ دن فقیر ان کے ساتھ رہا، ان کے اوضاع واطوار سے بہت کچھ عجائبات ظاہر ہو رہے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایسا روشن چراغ ہونگے، جس سے دنیا روشن ہو جائے گی۔ ان کے کمالات کو دیکھ کر اللہ کے فضل سے مجھ کو اس کا یقین ہے۔ آپ کے برادران اور اقربا بھی نیک اور علماء کی جماعت میں سے ہیں۔ ان میں سے بعض افراد سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ میری نظر میں وہ سب جواہر عالیہ ہیں، عمدہ صلاحیت کے مالک ہیں۔ شیخ مذکور کی اولاد جو ابھی کم عمر بچے ہیں اسرارِ الٰہی ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ وہ مثلِ شجرِ طیبہ کے ہیں، اللہ ان کی اچھی پرورش فرمائے۔''

(رقعاتِ خواجہ باقی باللہ، رقعہ ۶۵)

حضرت خواجہ باقی باللہ سنٹرل ایشیا کے ماوراء النہر علاقے سے بھارت آئے تھے، حالانکہ آپ کی پیدائش افغانستان کے کابل میں ہوئی تھی۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے پیر ومرشد مخدوم مولانا خواجگی امکنگی کے حکم سے یہاں

Marfat.com

سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت کے لئے تشریف لائے تھے۔ جب مرشد نے آپ کو بھارت جانے کا حکم دیا تو پہلے آپ نے استخارہ کیا اور غیبی اشارہ پاکر یہاں آئے۔خواجہ باقی باللہ نے دلّی میں قلعہ فیروز شاہی میں قیام فرمایا تھا اور آپ سے مجدد صاحب کی تین ملاقاتیں رہیں۔آپ نے پہلی ملاقات میں مجدد صاحب کو کمال وتکمیل کی بشارت دی، دوسری ملاقات میں اپنے مریدوں کو ان کے حوالے کیا اور تیسری ملاقات میں عنایات کی حد کردی۔ جب آمد کا علم ہوا تو ان کے استقبال کے لئے قلعے کے گیٹ تک تشریف لے گئے۔ جب مجدد صاحب کی محفل سے اٹھتے تو ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے اور اپنے مریدوں کو منع کردیا تھا کہ ان کے سامنے آپ کی تعظیم کی جائے۔خواجہ صاحب نے تیسری اور آخری ملاقات کے دوران اپنے شیر خوار بچوں کو بھی اپنے اس لائق وفائق خلیفہ کے حوالے کیا اور اپنی بیویوں پر غائبانہ توجہ رکھنے کو کہا۔شاید خواجہ باقی باللہ کو پیشگی احساس ہو چکا تھا کہ ان کے پاس وقت بہت کم بچا ہے۔اس تیسری ملاقات کے بعد آپ سے پھر کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور عین عالمِ جوانی میں جب کہ عمر چالیس سال تھی، خواجہ صاحب نے انتقال فرمایا، لیکن آپ کے بعد آپ کے ادھورے کام کو پورا کیا حضرت مجدد صاحب نے۔آپ سے خلقِ خدا فیضیاب ہوئی اور اصلاح قوم کی جو خدمات آپ کے ذریعے ہوئیں وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔سلسلۂ نقشبندیہ بھارت میں مجدد صاحب کے ذریعے ہی پھیلا، حالانکہ آپ کے علاوہ ان کے کچھ دوسرے خلفاء بھی یہاں موجود تھے۔ اس سلسلے کی ابتدا خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق سے مانی جاتی ہے، جنھوں نے بلاواسطہ خود رسول اکرم ﷺ سے اسے حاصل کیا۔ یہ پہلے سنٹرل ایشیا کے بخارا، بدخشاں اور افغانستان کے علاقے میں رائج تھا مگر خواجہ باقی باللہ کے واسطے سے مجدد صاحب تک پہنچا اور ان کے ذریعے پورے برصغیر میں پھیلا۔

Marfat.com

خدمات اور گرفتاری:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی مخلوقات کی خدمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ خاص طور پر آپ نے اتباعِ سنت کی تعلیم دی اور لوگوں کو ان بدعات وخرافات سے دور رکھنے کی کوشش کی جو عجم میں آ کر مسلمانوں کے کردار وعمل کا حصہ بن چکی تھیں۔ اس تحریک میں آپ کو حکومت کی طرف سے بھی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ آپ کی جائداد کو نقصان پہنچایا گیا اور اور آپ کو حکومت نے قید میں ڈال دیا۔ حاسدوں نے کوشش کی کہ آپ کو مغل بادشاہ جہانگیر قتل کرادے مگر بادشاہ نے صرف آپ کو قید کرنے پر اکتفا کیا۔ آپ برسوں گوالیار کے قلعے میں قید رہے یا سرکاری فوج کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتے رہے مگر پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق اس حالت میں بھی آپ نے تبلیغ واصلاح کا کام جاری رکھا اور بے شمار قیدیوں نے آپ کے ذریعے راہ ہدایت پائی۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق بادشاہ پر بھی آپ کی تعلیمات کے اثرات پڑے اور آخری ایام میں وہ بھی زیر اثر آنے لگا تھا۔

تصنیفات:

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے خطوط کو سلسلہ نقشبندیہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان میں علم وعرفان کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ یہ سینکڑوں مکتوبات آپ کے افکار ونظریات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان خطوط کے مجموعے آپ کی حیات میں ہی شائع ہو چکے تھے اور انھیں آپ کی زندگی میں ہی مقبولیت مل چکی تھی نیز یہ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ بن چکے تھے۔ مکتوبات مجدد الف ثانی جس

Marfat.com

طرح پہلے مقبول تھے اسی طرح آج بھی مقبول ہیں۔ ان کے اردو تراجم اور تلخیصیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ان خطوط کے علاوہ بھی آپ نے کچھ کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے، جن کے نام ہیں رسالہ تہلیلیہ، اسے رسالہ تحقیق در کلمہ طیبہ بھی کہتے ہیں۔ رسالہ اثباتِ نبوت، اسے رسالہ تحقیقِ نبوت بھی کہتے ہیں۔ رسالۂ ردّ شیعہ، اس کو رسالہ ردّ روافض بھی کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ رسالۂ معارفِ لدنیہ، رسالہ شرح الشرح، رسالۂ مبداء و معاد، رسالہ مکاشفاتِ غیبیہ ہیں۔ ان سات رسالوں میں سے بعض عربی میں ہیں اور کچھ فارسی میں۔ لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے ان کے علاوہ بھی کچھ رسائل کا ذکر کیا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

عکسِ خیال

قرآن کریم کو طہارت کے ساتھ چھونے کا حکم ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ کلام الٰہی کی حرمت اور ادب کے خلاف ہے کہ اسے بغیر پاکیزگی کے ہاتھ لگایا جائے۔ علماء اس کے لئے جسمانی پاکیزگی کو لازم قرار دیتے ہیں مگر صوفیہ اس کے لئے جسمانی کے ساتھ ساتھ روحانی پاکیزگی کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ اصل میں قرآن کو چھونے کے لئے تو جسمانی پاکیزگی ضروری ہے مگر قرآن کا روحانی فیضان تبھی مکمل طور پر حاصل ہوتا ہے جب اسے چھوتے اور پڑھتے وقت آدمی اپنے دل کے آئینے کو بھی پاکیزہ کر لے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"انہٗ لقراٰن کریم فی کتاب مکنون لا یمسہٗ الا المطہرون (یقیناً وہ بزرگ قرآن ہے۔ پوشیدہ کتاب میں نہیں ہاتھ لگاتے مگر پاک لوگ۔) آیت کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور وہ رمز جو اس مقام پر ذہنِ نارسا میں آتی ہے، یہ ہے کہ قرآن کے پوشیدہ اسرار کا مساس وہی لوگ کر سکتے ہیں، جو تعلقاتِ بشریہ کی آلودگی سے پاک ہو چکے ہوں۔ اور جب اسرارِ قرآنی کا مساس پاک لوگوں کا حصہ ہے تو پھر دوسروں کو کیا مل سکتا ہے؟

اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ نہ پڑھیں قرآن مجید کو یعنی نہیں چاہئے کہ پڑھیں قرآن مجید کو مگر وہ لوگ کہ ان کے نفوس ہوا و ہوس سے پاک ہو چکے ہوں اور شرکِ جلی و خفی اور آفاقی و انفسی خداؤں سے پاک ہو چکے ہوں۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، حصہ ۸، دفتر ۳، مکتوب ۴)

قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اس کا نزول بنی نوعِ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہوا ہے۔ اللہ کا بھیجا ہوا یہ سرچشمۂ ہدایت سب کے لئے ہے، مگر اس کے معانی کے سمندر کی گہرائی تک پہنچنے اور اسے دل سے قبول کرنے کا موقع صرف انھیں لوگوں کو ملتا ہے جو جسمانی و روحانی پاکیزگی کے ساتھ اسے چھوتے ہیں۔ عوام کے لئے تو یہی کافی ہے کہ وہ قرآن کو جسمانی پاکیزگی کے ساتھ چھوئیں مگر خواص کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ عقائد کو بھی پاکیزہ کرلیں اور ساری دنیا سے بے رغبت ہو کر پوری طرح اللہ کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ ایسے ہی لوگ قرآن کے پوشیدہ اسرار تک پہنچ سکتے ہیں۔ قرآن فہمی کے لئے صرف تلاوت کافی نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم میں غور و فکر بھی ضروری ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی مذکورہ بالا خط میں تحریر میں فرماتے ہیں:

Marfat.com

''ابرار کے اعمال، عبادات میں سے ہیں، اور مقربین کے اعمال، تفکرات میں سے۔ ایک گھڑی تفکر کرنا ایک سال عبادت سے بہتر ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ اور تفکرات کا طلب یہ ہے کہ باطل سے نکل کر حق میں مستغرق ہو جائے۔ جتنا فرق ابرار اور مقربین میں ہے اتنا ہی فرق ان کی عبادت اور تفکر میں ہے۔'' (ایضا)

ابرار یعنی نیک لوگوں کے اعمال یہ ہیں کہ وہ عبادت کریں، مگر مقربینِ بارگاہ خداوندی کے اعمال یہ ہیں کہ وہ اس کی ذات میں غور وفکر کریں۔ مشہور حدیث ہے کہ ایک گھڑی غور وفکر کرنا ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔ غور وفکر ہی انسان کو خداشناسی تک پہنچاتا ہے۔

عوام کی تکلیف برداشت کرنا:

پڑوسی، رشتہ دار، عوام کی طرف سے آنے والی تکلیف کو برداشت کرنا اللہ والوں کا وطیرہ ہے۔ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا، حضرت یحیٰ، حضرت یعقوب علیہم السلام نے جو تکلیفیں اپنی قوموں کے ہاتھ سے برداشت کیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ خود رسول اکرم ﷺ نے قریش مکہ کے ہاتھوں جو تکلیفیں برداشت کیں ان کا ذکر احادیث میں بہت واضح طور پر ملتا ہے۔ اس دنیا میں جب انسان ہے تو دنیا والوں سے اسے تکلیف پہنچ سکتی ہے اور اگر وہ کسی مشن کو لے کر آگے بڑھتا ہے تو اسے زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔ خود حضرت مجدد الف ثانی بھی اس کا شکار ہوئے۔ مگر باوجود اس کے آپ کی تعلیم یہی تھی کہ دوسروں کے ذریعے ملنے والی پریشانیاں برداشت کرلو مگر تم کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ وہ میر محبّ اللہ مانک پوری کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''خلقت کی تکلیف برداشت کرنے سے چارہ نہیں ہے اور نہ اقارب کی جفا پر صبر کرنے سے گزر۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ

Marfat.com

والسلام کومخاطب کر کے فرمایا۔ فالصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تستعجل لھم (آپ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کریں اور ان کے لئے جلدی نہ کریں۔) اس مقام کی سکونت میں اگر کوئی نمکینی ہے تو یہی ایذا و جفا ہے اور تم اس نمک سے بھاگ رہے ہو۔ ہاں جو شکر کھا کر پلا بڑھا ہو وہ نمک کی تاب نہیں رکھتا۔ کیا کیا جائے

ہر چہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم است
نازکی کے راست آید بار می آید کشید

لکھا ہوا تھا کہ ”اگر اجازت ہو تو الہ باش میں سکونت اختیار کرلوں‘ کوئی مقام متعین کرلو تا کہ لوگوں کی بے حد جفا سے وہاں جا کر کچھ آرام کرسکو اور یہ رخصت کا طریق ہے اور عزیمت کا طریقہ صبر اور ایذا برداشت کرنا ہے۔“

(مکتوبات مجدد الف ثانی، حصہ ۸، دفتر ۳، مکتوب ۷)

تو آگ کا دریا ہے تو ہم موم کی کشتی
اس موم کی کشتی سے ندی پار کریں گے

تکلیف میں خوش رہو:

مسرت وشادمانی میں سب خوش رہتے ہیں مگر انسان تو وہ ہے جو دکھوں اور غموں سے بھی لطف اندوز ہونا سیکھ لے۔

”دنیا کی لذت اور رنج وغم دو قسم کے ہیں، جسمانی اور روحانی۔ جس چیز میں جسم کے لئے لذت ہے، روح کے لئے اس میں درد و رنج

Marfat.com

ہے، اور جس چیز سے جسم کو رنج پہنچتا ہے روح کو اس میں لذت حاصل ہوتی ہے، تو روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس جہاں میں چونکہ روح، جسم کے مقام میں اتری ہوئی ہے اور جسم وجسمانی کی گرفتار ہوگئی ہے، اس لئے روح بھی جسم کے حکم میں ہوگئی ہے۔ اس کی لذت سے لذت یاب اور اس کے رنج والم سے دردمند ہوگئی ہے، یہ عوام کاالانعام کا مرتبہ ہے۔ ثم رددنہ اسفل سفلین (پھر ہم اس کو سب سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے۔) انہی کے حال پر صادق آتی ہے۔ اگر روح اس گرفتاری سے رہائی حاصل نہ کرے اور اپنے اصلی وطن کی طرف رجوع نہ کرے تو ہزار ہزار افسوس۔

پایہ آخر آدم است وآدمی
گشت محروم از مقامِ محرمی
گر نہ گردد باز مسکیں زیں سفر
نیست از وے ہیچ کس محروم تر

یہ روح کی بیماری ہی کی وجہ سے ہے کہ (انسان) اپنے دردورنج کو لذت اور لذت کو دردورنج سمجھتا ہے، جیسا کہ صفراوی مزاج والا شخص صفرا کی بیماری کے باعث شیرینی کو کڑوی محسوس کرتا ہے۔ تو عقلمندوں پر اس مرض کے دور کرنے کی فکر کرنا لازم ہے، تاکہ جسمانی رنج ومصائب میں خوش وخرم زندگی بسر کریں۔

از پئے ایں عیش وعشرت ساختن

Marfat.com

صد ہزاراں جاں بباید باختن

اور جب اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں درد و رنج اور مصیبت نہ ہوتی تو پھر دنیا کی قدر و قیمت جو کے ایک دانہ برابر نہ ہوتی۔ اس کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو (یہاں کے) مصائب و حادثات زائل کرتے ہیں۔ حوادثات کی تلخی کڑوی دوا کی طرح نفع دینے والی ہے، جو کہ مرض کو دور کرتی ہے۔''

(مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۶۴)

احادیث کے مطابق اگر آدمی کو دنیا میں کسی قسم کا رنج پہنچتا ہے تو اللہ اسے اس کا بدلہ آخرت میں دے گا۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو راستہ چلتے ٹھیس لگی یا کسی نے کوئی چیز اپنی ایک جیب میں رکھی اور اسے دوسری جیب میں ڈھونڈتا رہا تو اِس کے سبب اسے جو جو تکلیف پہنچی اس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ کی طرف سے ضرور دیا جائے گا۔ اسی لئے صوفیہ دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو اللہ کی نعمت تصور کرتے ہیں۔ پھر یہ سب تو اللہ کی طرف سے وارد ہوتے ہیں، اگر بندہ اس کی مرضی میں راضی رہتا ہے تو اسے اِس کا استقبال خندہ پیشانی سے کرنا چاہئے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ محبوب کی مار بھی کشمش جیسی لذیذ لگتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کے لئے اُس کی طرف سے ملنے والی خوشی جتنی محبوب ہے اُس کی طرف سے ملنے والا غم بھی اسی قدر مرغوب ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت رابعہ بصریہ کو اگر کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تو کہتیں کہ کیا بات ہے کہ آج میرے مالک نے مجھے یاد نہ کیا۔

تمہارا درد مری زندگی کا حاصل ہے
لبوں پہ اس کو سجا رکھا ہے نوا کی طرح

صوفیہ کی نظر میں بظاہر کڑوے مصائب بھی لذت آگیں ہیں، کیونکہ وہ محبوبِ حقیقی کی طرف سے ہیں:

Marfat.com

''اگر چہ آلام ومصائب بظاہر کڑوے اور تلخ ہیں لیکن باطن میں شیریں اور روح کو لذت بخشنے والے ہیں، کیونکہ جسم وروح دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ ایک کی تکلیف دوسرے کے لئے لذت کا باعث ہے۔''

(مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۵۹)

یعنی جسم کی تکلیف، روح کی لذت کا باعث ہے۔ ایسے میں یہ اس کڑوی دوا کی طرح ہے جس سے مریض شفایاب ہوتا ہے۔ یعنی بظاہر تلخ اور بدمزہ دوا، جب ایسے دوررس اثرات رکھتی ہے تو اُس تکلیف کے لطف کا کیا عالم ہوگا جو رب کائنات کی طرف سے انسان کو عطا ہو۔

اللہ کی مرضی میں راضی:

ایک سچے خدا پرست انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اللہ کی مرضی میں خود کو راضی رکھنا سیکھ لے۔ بعض اوقات آدمی کسی کام کے لئے کوششیں کرتا ہے مگر ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آتا۔ ایسے حالات اسے بددل کر دیتے ہیں، وہ ذہنی مریض ہونے لگتا ہے اور ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے مریض بعض اوقات خودکشی بھی کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہے مگر جو اللہ پر پختہ اور کامل یقین رکھے گا وہ کبھی ڈپریشن کا شکار نہیں ہوگا۔ خدا پرستی انسان کو اللہ کی مرضی میں راضی رہنا سکھا دیتی ہے۔ جو کوئی اُس کی مرضی کے سامنے اپنا سر جھکا دے وہ ناکامیوں اور رنج وغم سے بھی لطف اندوز ہونا سیکھ لے گا۔ ذرا مجدد الف ثانی کے ایک خط کی یہ عبارت پڑھئے:

''میرے بھائی سید میر محمد نعمان کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیر اندیش دوست جتنے بھی اسباب کے ذریعہ میری خلاصی کی کوشش

Marfat.com

کرتے ہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بھلائی اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔ بہ تقاضائے بشریت کچھ اس سے غم پیدا ہوا تھا اور سینہ میں تنگی ظاہر ہوئی تھی۔ کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ تمام غم اور سینہ کی تنگی خوشی اور شرح صدر سے بدل گئی اور خاص یقین سے یہ معلوم ہوا کہ اگر اس جماعت کی مراد جو تکلیف دینے کے درپے ہے، خداوند تعالیٰ کی مراد کے موافق ہے تو رنج اور سینہ کی تنگی بے معنیٰ ہے اور دعوائے محبت کے منافی ہے۔ کیونکہ محبوب کی تکلیف بھی اس کے انعام کی طرح محب کو محبوب ومرغوب ہے۔ محبّ جس طرح محبوب کے انعام سے لذت پاتا ہے، اس کی تکلیف سے بھی لذت حاصل کرتا ہے، بلکہ اس کی تکلیف سے زیادہ لذت پاتا ہے کہ نفس کی لذت کی آمیزش اور اس کی مراد سے پاک ومبرّا ہے۔ اور جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے جو کہ جمیل مطلق ہے اس آدمی کی تکلیف چاہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی اس آدمی کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جمیل ہے، بلکہ لذت کا سبب ہے اور اگر اس جماعت کی مراد اللہ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد کے ظہور کا دریچہ ہے تو لازمی طور پر ان کی مراد بھی نظر میں مستحسن اور موجبِ لذت ہے۔ اس آدمی کا فعل جو محبوب کے فعل کا مظہر ہو تو اس شخص کا فعل بھی محبوب کے فعل کی طرح محبوب ہے، اور وہ فعل کرنے والا شخص اس نظریہ کے تعلق سے بھی محبّ کی نظر میں محبوب ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ جتنی اس شخص سے جفا زیادہ متصور ہوتی ہے، اتنا ہی وہ محبّ کی نظر میں زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ محبوب کے غضب کی نمائندگی اچھی طرح کرتا ہے۔ اس راہ کے دیوانوں کا کام الٹا ہے۔ تو آدمی کی برائی چاہنا اور اس کے ساتھ برا سلوک کرنا محبوب کی محبت کے منافی ہے، کیونکہ وہ شخص فعل محبوب کے

Marfat.com

آئینہ کی حیثیت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے، جو لوگ درپے آزار ہیں بہ نسبت دوسری مخلوق کے نظر میں اچھے لگتے ہیں۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، حصہ ۸، دفتر ۳، مکتوب ۱۵)

"تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں" محبوب کی طرف سے آنے والے تیر کی لذت کا احساس سچا عاشق ہی کرسکتا ہے۔ اگر انسان اللہ کی مرضی میں راضی رہنا سیکھ لے تو اسے دنیاوی تکلیفوں میں بھی خوشی کا احساس ہونے لگے۔ ہم اپنا فائدہ چاہتے ہیں مگر ہم سے زیادہ ہمارا فائدہ ہمارا بنانے والا چاہتا ہے۔ ہمارا خالق و مالک چاہتا ہے۔ ہمارا رب اور ہمارا پالنہار چاہتا ہے۔ اگر اُس کی طرف سے ہمیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آدمی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ کو ہمارا فائدہ اسی میں محسوس ہو رہا ہے۔ وہ ہمارا نقصان کیوں چاہے گا؟ کیا اسے ہم سے کوئی دشمنی ہے؟ وہ تو ہم سے ہمارے ماں باپ سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ ہمارے والدین ہمارا جتنا بھلا چاہتے ہیں اس سے زیادہ ہمارا بھلا ہمارا خالق و مالک چاہتا ہے پھر اگر اس کی طرف سے کوئی رنج و غم پہنچتا ہے تو کڑوی دوا کا گھونٹ سمجھ کر پی لینا چاہئے۔ جس طرح تلخ دوا کا فائدہ بعد میں صحت کی صورت میں ملتا ہے اسی طرح اللہ کی طرف سے آنے والے رنج و غم کا فائدہ بھی ایک دن ہمارے سامنے آئے گا۔

آدمی رنج و غم پر صبر کا مظاہرہ کرے یا بے صبری کا، جو ہونا ہے بہر حال ہوگا۔ اس کی بے صبری سے دکھ اور تکلیف کا خاتمہ نہیں ہوسکتا لہٰذا عقلمندی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اُس پر صبر کیا جائے اور اللہ کی بارگاہ سے اس پر اجر کی امید رکھی جائے۔ ویسے بھی جب آرام اور تکلیف انسان کے ہاتھ میں نہیں تو پھر بے صبری سے فائدہ؟ دکھوں اور تکلیفوں سے رنجیدہ ہونا ایک فطری بات ہے، لیکن اس سلسلے میں اگر اللہ پر بھروسہ رکھا جائے تو دل کو سکون ملتا ہے اور اللہ کی طرف سے اجر۔ اِس سلسلے میں ایک اور بات کہی جاسکتی ہے کہ ہم ایک ایسے مقام پر ہیں جہاں سے ہم صرف ظاہر کو دیکھ سکتے ہیں لیکن

Marfat.com

ہمارا رب ظاہر و باطن کا دیکھنے والا ہے۔ جس طرح سے پہاڑ کے نیچے کھڑا انسان پہاڑ کی ایک سمت ہی دیکھ سکتا ہے مگر اوپر کھڑا آدمی ہر سمت دیکھ سکتا ہے بالکل اسی طرح ہمارا رب جو پوشیدہ سے پوشیدہ باتوں کا علم رکھنے والا ہے، جو علیم و خبیر ہے، وہ تو ہمارے ماضی، حال اور مستقبل پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اگر وہ ہمارے بارے میں کوئی فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً وہ ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔ بلکہ اس سے بہتر کوئی دوسرا فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اُس نے ہمارے لئے اگر کسی بات کا فیصلہ کرلیا ہے تو یقیناً اس میں ہمارا فائدہ ہوگا۔ وہ ہمیں تکلیف پہنچا کر کوئی لطف اندوز تو نہیں ہوتا؟

ایک عالم ہے کہ مقتل میں ہے قاتل کی طرف
دھار خنجر کی فقط عاشقِ بے دل کی طرف

صوفیہ کی نظر میں انسان کو تکلیف پہنچانے والا بھی محبوبِ حقیقی کا نمائندہ ہے۔ محبوب کی طرف سے آنے والے رنج و غم جس طرح محبوب ہوتے ہیں اسی طرح اس کے اس تحفے کا لانے والا بھی محبوب ہونا چاہئے۔ صوفیہ جو اللہ کی مرضی میں راضی رہتے ہیں اور اسی کی دنیا کو تعلیم دیتے ہیں، ان کی نظر میں دشمن بھی قابلِ نفرت نہیں ہوتا۔

انسان کا دل عرش سے عظیم:

عرش اُس تخت کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہے۔ یہ بلند ترین مقام ہے اور بزرگ ترین بھی۔ عرشِ الٰہی کی فضیلت اِس لئے ہے کہ وہ خالقِ کائنات کا مقام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری فضیلت کی وجہ نہیں۔ صوفیہ کرام انسان کے دل کو عرش کی طرح افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ دل بھی مقامِ الٰہی ہے۔ نحن اقرب الیه من حبل ورید (قرآن) یعنی اللہ تعالیٰ انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ جس طرح عرشِ الٰہی اللہ کی تجلیات کا مرکز بنتا ہے، اُسی طرح

Marfat.com

قلبِ انسانی بھی اُس کے انوار کا مرکز ہے۔عرش کے علاوہ اگر کوئی مقام اس کے انوار وتجلی کا مقام بن سکتا ہے تو وہ انسان کا دل ہے۔جس تجلی کی تاب طور پہاڑ نہیں لاسکتا اس تجلی کو انسان کا قلب اپنے اندر سموتا ہے:

''جاننا چاہئے کہ عالمِ کبیر میں سے بزرگ ترین جز عرش مجید ہے اور اسکی مخصوص تجلی دیگر اجزا کی تجلیات سے بہت بلند ہے کیونکہ وہ تجلی جامع ہے اور ظہور اسماء وصفات وجوبی جل شانہٗ کا مستجمع ہے اور پھر وہ تجلی دائمی ہے۔اس میں پوشیدگی کی گنجائش نہیں ہے اور انسانِ کامل کا دل جو کہ عرش سے مناسبت رکھتا ہے اور اسے عرش اللہ کہتے ہیں، اس تجلی عرشی سے وافر حصہ اور کامل حظ رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ تجلی کلی ہے اور یہ تجلی اس کی نسبت سے جزئی ہے لیکن قلب کو ایک اور فضیلت حاصل ہے جو عرش کو نہیں ہے اور وہ تجلی کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کا شعور ہے اور پھر دل ایک ایسا مظہر ہے، جو اپنے ظاہر میں گرفتاری رکھتا ہے، برخلاف عرش کے کہ وہ اس گرفتاری سے خالی ہے تو لازماً دل کے لئے اس شعور وگرفتاریٔ مقصود کی وجہ سے ترقی ممکن ہے بلکہ واقع ہے۔المرء من احبّ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس کو محبت ہے) دل اس کے ساتھ ہے جس کی وہ گرفتاری رکھتا ہے اور اس کی محبت میں مفتون ہے۔اگر وہ اسماء وصفات کا محبّ ہے تو اسماء وصفات کے ساتھ ہے اور اگر محبّ ذات جل شانہٗ ہے تو اس کے ساتھ۔''

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، حصہ ۸، دفتر ۳، مکتوب ۱۱)

انسانی قلب اور عرش میں فضیلت انسانی قلب کو ہے، کیونکہ انسان کا دل محبت اور اطاعت کا احساس بھی رکھتا ہے، برخلاف عرش کے۔دل کو شعور ہے مگر عرش کو اللہ نے محبت کا

Marfat.com

شعور نہیں دیا،لیکن یہ بات ہر دل کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی۔یہ تو صرف ان لوگوں کی بات ہے،جنھوں نے اپنے دل کوانوارِالٰہی کا مرکز بنالیا۔جوتجلیاتِ الٰہی کے انوار میں جیتے ہیں۔

خانۂ دل میں کسی دن آپ کا آنا ہوا
یہ ہوئی عظمت کہ بامِ عرش تہہ خانا ہوا

وقت کی قدر:

وقت وہ قیمتی سرمایہ ہے جوایک بار خرچ ہونے کے بعد دوبارہ نہیں ملتا۔دنیا کی ساری دولت دے کربھی اسے دوبارہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔حالانکہ بیشتر لوگ اِس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔اُن کی نظر میں وقت سے زیادہ بے کار کوئی دوسری شے نہیں۔دنیا کے ترقی پذیر ملکوں کے عوام میں بے کاری عام بات ہے۔یہی سبب ہے کہ ان ملکوں میں کرکٹ جیسے کھیل مقبول ہیں۔لوگوں کے پاس وقت ہی وقت ہے۔وہ کئی کئی دن تک بیٹھ کر ٹی وی پر ٹیسٹ میچ دیکھ سکتے ہیں۔اس سے کچھ وقت بچتا ہے تو کرکٹ پر بحثیں کرتے ہیں۔ حضرت مجددالف ثانی نے اپنے خط میں وقت کی اہمیت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔یہ خط انھوں نے ایک خاتون کے نام تحریر کیا ہے لہٰذا ان خرابیوں سے بچنے کی نصیحت بھی کی ہے جوخواتین میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔امین کی والدہ کے نام خط میں لکھتے ہیں:

> ”اور اپنے اوقات کولہولعب میں صرف نہ کرنا چاہئے اور بے کار کاموں میں اپنی قیمتی عمر کوتلف نہ کرنا چاہئے پھر اگر وہ امورِ منہیہ اور شرعی ممنوعات میں صرف ہوتواس کا کیا حال ہے۔اور سرود ونغمہ کی رغبت نہ کریں اور ان کی لذت پر فریفتہ نہ ہوں،کہ وہ شہد ملا زہر ہے اور شکر آلودہ سم ہے اور آدمیوں کی غیبت اور سخن چینی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں کہ ان دو بداخلاقیوں کے ارتکاب میں شرعی وعید وارد ہوئی ہیں۔اور جھوٹ کہنے

Marfat.com

اور بہتان لگانے سے بھی پرہیز ضروری ہے کہ یہ دو اخلاقِ رذیلہ تمام دینوں میں حرام ہیں اور ان کے مرتکب کو وعید کا وعدہ سنایا گیا ہے۔ اور خلقت کے عیوب و گناہوں اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا اور ان کو معاف کر دینا ہمت کے کاموں میں سے ہے اور غلاموں و نوکروں پر مشفق و مہربان رہنا چاہئے اور ان کی کوتاہیوں پر مواخذہ نہ کرنا چاہئے اور سبب و بے سبب ان بدنصیبوں کو مارنا اور گالی دینا نامناسب و ناملائم ہے۔ اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنا چاہئے جو کہ جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ کی نسبت ہر وقت ہم سے سرزد ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور روزی نہیں روک رکھتا۔"

(مکتوبات مجدد الف ثانی، حصہ ۸، دفتر ۳، مکتوب ۴۴)

گھریلو عورتوں کو اکثر خالی اوقات میں بیٹھ کر دوسروں کی غیبت کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ یہ بات ان مردوں میں بھی دیکھی جاتی ہے جن کے پاس کوئی کام نہ ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس اخلاقی خرابی سے بچنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ساتھ آپ نے جھوٹ اور بہتان تراشی سے بھی بچنے کی تلقین کی ہے۔ اصل میں غیبت کے ساتھ جھوٹ اور الزام تراشی کا گہرا تعلق ہے۔ غیبت تو کہتے ہیں پیٹھ پیچھے کسی کی ایسی خرابی بیان کرنا جو اس کے اندر موجود ہو لیکن غیبت کرنے والے اسی پر بس نہیں کرتے جب وہ کسی کی غیبت بیان کرتے ہیں تو زیبِ داستان کے لئے اس میں کچھ جھوٹ کی ملاوٹ بھی کر دیتے ہیں جو یقیناً الزام تراشی کی شکل میں بھی ہوتا ہے۔ ایک تو غیبت ہی کیا کم برا تھا؟ اس پر جھوٹ اور الزام تراشی اس سے بڑھ کر ہو گیا۔ یونہی جن خاتون کو خط لکھا ہے ان کا تعلق امیروں کے طبقے سے ہے لہذا اس سماج کی بعض خرابیوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک خرابی تو موسیقی کی ہے۔ بعض صوفیہ موسیقی کو کچھ شرائط کے ساتھ جائز سمجھتے ہیں اِسی لئے ان کی خانقاہوں میں سماع کا رواج

Marfat.com

تھا، مگر عوام میں اس کا استعمال محض تفریح کے طور پر ہوتا ہے جسے علماء نے ناجائز قرار دیا ہے۔ آج کل جدید ذرائعِ ابلاغ نے اسے گھر گھر پہنچادیا ہے مگر پرانے زمانے میں اس تک عوام کی پہنچ نہیں تھی۔ راگ ورنگ کے شوقین گانے والیوں کے کوٹھے پر جاتے تھے یا انھیں اپنے یہاں ملازم رکھا کرتے تھے۔ اس طرح یہ امیروں کا شوق بن کر رہ گیا تھا۔ مجدد الف ثانی نے اس خط میں اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے نوکروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی ہے۔ ظاہر ہے کہ امیروں کے یہاں بہت سے لوگ ملازم ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ لوگ اپنی انانیت اور غرور میں ان کے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ بھی کرتے ہیں۔ صوفیہ کی نظر میں تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور اس حیثیت سے وہ برابر ہیں۔ ساتھ ہی وہ جانوروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا حکم دیتے ہیں۔ جب جانور حسنِ سلوک کا مستحق ہے تو انسان بدرجہ اتم اس کا مستحق ہے۔

کل کرے سو آج کر:

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے وقت کی قدر پر بہت زور ڈالا ہے۔ آپ نے اپنے کئی خطوط میں مکتوب الیہ کو اس کی تلقین کی ہے۔ خاص طور پر مکتوب الیہ اگر جوان ہے تو اسے وقت کی قدر کی جانب زیادہ راغب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طبقے میں وقت کی ناقدری اور فضول کاموں میں وقت کو صرف کرنے کی عادت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''اے فرزند! آج جب کہ فرصت کا وقت ہے اور (دل کی) جمعیت کے اسباب سب میسر ہیں، تسویف (آج کا کام کل پر ڈالنے) اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے، سب سے بہترین اوقات کو جو کہ نوجوانی کا

Marfat.com

زمانہ ہے، بہترین اعمال میں یعنی مولیٰ تعالیٰ وتقدس کی اطاعت اور عبادت میں مشغول رکھنا چاہئے۔''

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۹۶)

نوجوانی کی عبادت اللہ کی بارگاہ میں بھی زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ کیونکہ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب آدمی گناہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے باوجود اس کے جب وہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اچھے کاموں میں اپنے وقت کو صرف کرتا ہے تو یہ اچھی بات ہے۔ بڑھاپے میں تو انسان اس لائق ہی نہیں رہتا کہ وہ گناہ کر سکے۔ جسم کی توانائی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔اس کے اعضا اس لائق نہیں رہتے کہ وہ گناہ کر سکے۔ جب وہ گناہ کے لائق ہی نہیں بچا تو توبہ کے سوا راستہ کیا ہے؟ جوانی میں آدمی کا رجحان برے کاموں کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ وہ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے مضبوط ہوتا ہے اور برے کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ایسے میں گناہوں سے دور رہ کر اللہ کی عبادت اور ریاضت میں مصروف رہنا بڑی بات ہے۔ بندے کی یہ ادا اللہ کو بھی محبوب ہے۔ اسی لئے جوانی کی عبادت اسے پسند ہے۔

انسان کی جوانی میں یہ سوچ ہوتی ہے کہ ابھی اس کے پاس بہت وقت ہے۔ کچھ دنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہو لے اس کے بعد توبہ کر لے گا مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کی شام کب ہو جائے گی؟ اسی لئے حیلے بہانے کے بجائے اپنے وقت کا درست استعمال کرنا چاہئے۔ حضرت مجدد اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''فرصت کو غنیمت جانیں اور وقت عزیز کی قدر کریں، رسوم وعادات سے کوئی کام نہیں بنتا، حیلے بہانے تلاش کرنے سے سوائے خسارہ ومایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا: ھلك المسفون سوف افعل (یعنی عنقریب کام کرونگا کہنے والے ہلاک ہو گئے) موجودہ عمر

Marfat.com

کو موہوم کام میں صرف کرنا اور موہوم کو موجود کے لئے حفاظت کرنا بہت برا ہے۔ چاہئے کہ نقد وقت کو اہم کاموں میں صرف کریں اور ادھار کو دنیاوی کاموں اور بے فائدہ آرائشوں کے لئے موخر کردیں۔" (مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۳۳)

'آج کا کام کل پر نہ ٹال' ایک پرانی کہاوت ہے۔ ظاہر ہے یہ کہاوت بہت بامعنیٰ ہے۔ جو کچھ اس مقولے میں ہے اس کی تائید اوپر درج حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ زندگی اور موت کا کوئی ٹھکانہ نہیں لہذا وقت کو بے کار کاموں میں خرچ کرنا اور اصل کاموں کو مستقبل کی امید پر روکے رکھنا حماقت کے سوا کچھ اور نہیں۔ اسے مجدد صاحب نے ایک اور مکتوب میں بیان کیا ہے:

اے محبت کے نشان والے! الوقت سیف قاطع (وقت زندگی کو کاٹنے والی تلوار ہے) معلوم نہیں کہ کل تک مہلت دیں یا نہ دیں۔ اہم اور ضروری کام کو آج ہی کر لینا چاہئے اور غیر ضروری کاموں کو کل پر موخر کردینا چاہئے۔ عقل کا تقاضا یہی ہے۔"

(مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۳۴)

"فقرا سے محبت رکھنے والے مولانا شمس کو (اللہ تعالیٰ) توفیق بخشے کہ جوانی کے موسم کو غنیمت جانیں اور کھیل کود میں صرف نہ کریں اور جوز و مویز (معمولی چیزوں) کے عوض وقت نہ گزاریں کیونکہ آخر کار ندامت و پشیمانی سے کچھ نفع نہ ہوگا۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۴۳)

وقت ایک قیمتی دولت ہے۔ اسے فضول کاموں میں بتانا ایسا ہی ہے جیسے ہیرے دے کر اینٹ پتھر حاصل کرنا۔ ایسا کرنے والا وقت کے گزر جانے کے بعد شرمندہ ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وقت جیسی دولت کو یونہی ضائع نہ کرے۔

Marfat.com

دل کوٹھیس نہ پہنچاؤ:

شیشہ ٹوٹے غل مچ جائے

دل ٹوٹے آواز نہ آئے

دل اللہ کا عرش ہے۔اللہ انسان کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔اس لحاظ سے وہ دل کا پڑوسی ٹھہرتا ہے۔دوسرے لفظوں میں اسے قلبِ انسانی سے قربت ہے۔ ظاہر ہے قریبی کا حق بھی زیادہ ہوتا ہے۔اس کی تکلیف ہمسایہ کو تکلیف دیتی ہے اور اس کی خوشی میں ہمسایہ بھی خوش ہوتا ہے۔اگر بندہ کسی انسان کے دل کو تکلیف پہنچائے تو اس سے اللہ کو تکلیف پہنچتی ہے۔

''جان لو کہ دل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہمسایہ ہے،اور دل جتنا قریب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔سوتم اس کی ایذا سے بچو۔خواہ وہ دلِ مومن ہو یا گنہگار۔ ہمسایہ اگر چہ گنہگار ہو اس کی حمایت کی جاتی ہے،اس لئے تم اس سے بچ کر رہو کیونکہ کفر کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی ایذا کا سبب ہے کوئی گناہ دل کے ایذا دینے جیسا نہیں ہے،کیونکہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے والی چیزوں میں سے کوئی بھی دل سے زیادہ قریب نہیں ہے اور جان لیں کہ تمام خلق اللہ تعالیٰ کی غلام ہے اور معلوم ہے کہ غلام کو مارنا یا اس کی اہانت کرنا اس کے مالک کی ایذا کا سبب ہے۔۔۔۔۔(چند سطور بعد)اور جان لو کہ دل تمام مخلوقات سے افضل اور اشرف ہے،جیسا کہ انسان اپنے اجمال اور جمعیت کی وجہ سے عالم کبیر کی تمام چیزوں سے افضل اور اشرف ہے۔اسی طرح دل انسان کے اندر کی تمام چیزوں سے اپنے کمالِ بسیط ہونے اور اجمالیت وشمولیت کی وجہ سے افضل ہے اور جب کوئی

Marfat.com

چیز اجمال میں زیادہ اور جمعیت میں اکثر ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اقرب ہوگی۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، حصہ ۸۔ دفتر ۳، مکتوب ۴۵)

صوفیہ کرام اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا ایک ذریعہ اس کے بندوں کی خدمت اور ان کی خوشی کو سمجھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ خدمت خلق کو اپنے لئے لازم قرار دیتے ہیں۔ بندوں کی خدمت سے بندوں کو خوشی ملتی ہے اور یہ اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے۔ اگر بندوں کا دل خوش ہوتا ہے تو اس خوشی سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے بندوں کے دل کو ٹھیس پہنچانے کی ممانعت ہے۔ اہلِ تصوف کی نظر میں کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ اللہ کے بندوں کے دل کو تکلیف پہنچانا ہے۔ یہ حقوق العباد کی خلاف ورزی بھی ہے۔ ظاہر ہے بندوں کے حقوق کی خلاف ورزی اللہ بھی اس وقت تک نہیں معاف کرتا جب تک کہ بندے خود معاف نہ کردیں۔ کوئی شخص نیکوکار ہو یا بدکار۔ مومن ہو یا غیر مومن صوفیہ کسی کے بھی دل کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں سمجھتے۔ ویسے بھی دل کو جسم کا اصل مانا گیا ہے۔ حدیث شریف میں اسے ایک ایسا عضو قرار دیا گیا ہے، جس کے اچھا ہونے سے جسم کا نظام سدھر جاتا ہے اور جس کے بگڑنے سے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے۔

دل کے معاملے میں مومن اور غیر مومن کا فرق نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ کوئی بھید بھاؤ نہیں کرتا۔ وہ جس طرح اپنے شکر گزاروں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اسی طرح ناشکروں کو بھی عطا فرماتا ہے۔ شیخ سعدی کی زبان میں کہیں تو:

ولیکن خداوندِ بالا وپست

درِ رزق بعصیاں برکس نہ بست

تو جب کائنات کا مالک اپنے بندوں کی بداعمالیوں کے باوجود اپنی رحمتوں سے

Marfat.com

محروم نہیں کرتا تو ہم کون ہوتے ہیں اس کے بندوں کے ساتھ ان کے عقائد اور اعمال کی بنیاد پر بھید بھاؤ کرنے والے؟ اللہ تو ان دہریوں کو بھی رزق عطا فرماتا ہے جو اس کے وجود کے ہی منکر ہیں، یہ اس کی رحمت ہے پھر انسان کون ہے اس کے بندوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنے والا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اس سلسلے میں ایک اور بات کہی ہے کہ تمام انسان اللہ کے غلام ہیں اور جب کسی کے غلام کو کوئی تکلیف پہنچائے تو آقا کے دل کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ہم کسی انسان کے دل کو تکلیف پہنچاتے ہیں تو یہ اللہ کو تکلیف پہنچانے والا کام ہوتا ہے۔ غلام اگر اپنے مالک کی نافرمانی کرے تو اس سے جواب طلب کرنے کا حق صرف اس کے مالک کو ہے، کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، تو اس سے باز پرس اور سزا کا حق بھی اللہ ہی کو حاصل ہے۔ دنیاوی قانون صرف اس وقت اس سے جواب طلب کرسکتا ہے جب وہ دوسروں کے حقوق کے لئے خطرہ بن جائے۔ جیسے کسی کا قتل کردے، کسی کی چوری کرے یا انسانی سماج کے لئے خطرہ بن جائے۔

دل کی بیماریاں:

تصوف کا پوری طرح سے تعلق انسان کے دل سے ہے لہذا یہاں دل کی اصلاح پر زور دیا جاتا ہے۔ یہاں یہ مانا جاتا ہے کہ جسم کے اصلاح کا تعلق دل کے اصلاح سے ہے اگر دل سدھر جائے تو پورا نظامِ جسم ہی نہیں، نظامِ زندگی سدھر جاتا ہے۔

"چونکہ اطباء کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ مریض جب تک بیماری سے صحت یاب نہ ہو جائے کوئی غذا فائدہ نہیں دیتی، اگرچہ مرغِ مسمّن

Marfat.com

ہی کیوں نہ ہو، بلکہ غذا مرض کو بڑھا دیتی ہے، مصرعہ

ہر چہ گیرد علتے علت شود

لہذا پہلے مرض کو دور کرنے کی فکر کرتے ہیں، اس کے بعد آہستہ آہستہ مناسب غذاؤں سے اصلی قوت وطاقت کی طرف لاتے ہیں۔ تو آدمی جب تک قلبی امراض میں مبتلا ہے فی قلوبھم مرض (ان کے دلوں میں مرض ہے) کوئی عبادت وطاعت اس کو فائدہ نہیں دیتی بلکہ مضر ثابت ہوتی ہے۔۔۔۔قلبی امراض کے اطباء (مشائخ کرام) بھی پہلے مرض دور کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس مرض سے مراد ماسوائے حق کی گرفتاری بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس میں پھنسا رہنا ہے، کیونکہ ہر شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنے لئے چاہتا ہے۔ اگر بیٹے کو دوست رکھتا ہے تو بھی اپنے فائدے کے لئے اور اسی طرح مال ودولت اور ریاست وسرداری چاہتا ہے تو بھی اپنے لئے۔ تو درحقیقت اس کا معبود اسکی نفسانی خواہشات ہے، جبتک نفس کی اس قید سے خلاصی نہ ہوجائے نجات کی امید بہت مشکل ہے۔ تو عقلمند علماء اور صاحبِ بصیرت حکماء پر لازم ہے کہ اس مرض کے ازالہ کی کوشش کریں۔'' (مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۰۵)

جب تک انسانی قلب حرص وہوس کے امراض سے پاک ہوکر اخلاص کی دولت سے مالا مال نہیں ہوجاتا تب تک بندے کے اعمال اس کے لئے فائدہ بخش نہیں ہوسکتے۔ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے کہ اعمال کا انحصار نیت پر ہے۔ بندہ کوئی عمل اگر اخلاص نیت کے ساتھ نہیں کرتا تو وہ اس کی جزا کا حقدار نہیں ہوتا۔ نماز پڑھنے والا اگر دکھاوے کے طور پر نماز ادا کرے تو ظاہر ہے کہ اس کام سے وہ ثواب کے بجائے عذاب کا حقدار ہوگا۔ یعنی ایک اچھا کام کرکے بھی وہ گنہگار ہوگا۔ ظاہر ہے کہ

Marfat.com

اعمال کی درستگی کے لئے نیت کی درستگی ضروری ہے۔ نیت کا تعلق دل سے ہے لہٰذا دل کو درست کرنا لازم ہے۔ صوفیہ کے یہاں مجاہدے اور اور ریاضتوں کا مقصد دل کی اصلاح ہے۔ یہاں شیوخ اور اہل اللہ کو ٹیچر کی حیثیت حاصل ہے جو اپنے شاگردوں (مریدوں) کو مجاہدے اور ریاضت کے ذریعے دل کے معاملات کی اصلاح کراتا ہے۔ شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں:

''اہل اللہ امراض قلبیہ کے اطباء ہیں، اور امراضِ باطنیہ کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے۔'' (مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۰۹)

تصوف وسلوک میں شیخ کی ضرورت دل کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے۔ دل اگر ٹھیک ہو گیا تو زندگی کے معاملات کو ٹھیک ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ صوفیہ کا طریقہ رہا ہے کہ جب کوئی ان کی خدمت میں جا کر سلوک کے راستے پر چلنے کی خواہش ظاہر کرتا تو وہ اس سے بہت معمولی معمولی قسم کے کام کراتے۔ جیسے خانقاہ میں جھاڑو لگانا، کمروں کی صفائی کرنا، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا، لنگر کے کھانے پکانا اور مہمانوں کی خدمت کرنا وغیرہ۔ اسی کے ساتھ عبادت وریاضت کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ معمولی کام کرانے کا مقصد یہ تھا کہ آدمی کے دل سے تکبر وخود پسندی کا مرض دور ہو جائے اور وہ عجز وانکسار کی صفت سے مالا مال ہو جائے۔ ساتھ ہی اللہ کے ذکر سے دل میں خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

''اس مختصر فرصت میں اپنے قلبی امراض کا ذکرِ کثیر کے ذریعے ازالہ کی فکر کرنا سب کاموں سے زیادہ اہم کام ہے، اور اس قلیل مہلت میں ربّ جلیل کی یاد سے علتِ معنوی (باطنی امراض) کا علاج کرنا بڑے اعظم مقاصد میں سے ہے۔''

(مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶۶)

Marfat.com

انکساری:

دل کے امراض میں سب سے سنگین مرض تکبر اور خود نمائی ہے۔ یہ وہ مرض ہے جو انسانی اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا صوفیہ اس کی درستگی پر خاص طور پر زور دیتے ہیں۔ حضرت مجدد کی درج ذیل عبارت پڑھئے:

''تواضع دولت مندوں سے اچھی ہے اور استغنا و بے نیازی فقراء سے۔ اسلئے کہ معالجہ اضداد کے ساتھ ہوتا ہے۔''

(مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۶۸)

یعنی دولت مندوں کو تواضع و انکساری اختیار کرنا چاہئے۔ غرور و تکبر کے امکانات امیروں اور رئیسوں میں ہی زیادہ ہوتے ہیں، جو غریب ہے وہ کس بات پر تکبر کرے گا۔ اسے تو سماج میں وہ مقام مرتبہ حاصل نہیں جو اس کے اندر غرور پیدا کر دے۔ اسی طرح غریبوں کو بے نیازی اختیار کرنا چاہئے۔ اگر وہ امیروں کے سامنے انکساری کا مظاہرہ کریں گے تو شاید انھیں اپنی عزتِ نفس بھی گنوانی پڑے لہٰذا ان کے لئے امیروں کے سامنے بے نیازی اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔

حضرت شیخ سرہندی نے ایک امیر کو خط لکھا تو اسے فقیروں کے سامنے انکساری اختیار کرنے پر مبارک باد دی:

''چونکہ آپ نے فقراء کے آداب کو مدنظر رکھا ہے اور تواضع سے گفتگو کی ہے (لہٰذا) امید ہے کہ من تواضع لله رفعه الله (جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اسے بلند کر دیا۔) کے مصداق یہ فروتنی و عاجزی، دینی و دنیوی سربلندی اور عزت کا سبب ہو جائے گی، بلکہ ہو گئی ہے۔ آپ کو بشارت و مبارک ہو۔''

(مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۶۹)

Marfat.com

اطمینانِ قلب:

الابذکر الله تطمئن القلوب (بیشک اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔) صوفیہ اس قرآنی فارمولے پر عمل کرتے ہوئے ذکرِ الٰہی کی کثرت کرتے ہیں اور لوگوں کو اس کی تلقین کرتے ہیں۔ اللہ کا ذکر نہ صرف قلوب کو اطمینان پہنچاتا ہے بلکہ یہ انسان کی زندگی کو آخرت رخی بھی بناتا ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے جو آدمی کا دل دنیا کے معاملات میں کھوجاتا ہے اور وہ صرف دنیا کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اسے یہ خیال نہیں آتا کہ اسے ایک دن اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، ذکرالٰہی کی کثرت اس کی توجہ کو اللہ کی طرف پھیرتی ہے:

> ''چونکہ ذکراللہ کے ذریعے حق تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل ہوجاتی ہے اگر چہ (اس ذکرکو) اس پاک ذات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے۔ مالِلتراب ورب الارباب (خاک کو پروردگار عالم کے ساتھ کیا نسبت) لیکن ذاکر اور مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے جو محبت کا سبب بنتا ہے اور جب محبت غالب ہوگئی تو اطمینان کے سوا کچھ نہیں ہے اور جب معاملہ دل کے اطمینان کے حصول تک پہنچ گیا تو اس کو ہمیشہ کی دولت حاصل ہوگئی۔''

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۹۲)

ذکرِ الٰہی پہلے تو دل ودماغ کو پاکیزگی بخشتی ہے اس کے بعد دھیرے دھیرے اس کا تسلسل انسان کا تعلق اس کے خالق ومالک سے پیدا کردیتا ہے۔ جب ذکر کے سبب دل پر محبتِ الٰہی کا غلبہ ہوجاتا ہے تو پھر اطمینان ہی اطمینان ہے۔ اصل میں بے سکونی تب ہوتی ہے جب انسان کا اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ نہ ہو۔ جب آدمی کو اللہ پر مکمل

Marfat.com

بھروسہ ہو جاتا ہے اور ہر رنج وراحت کو وہ اپنے مالک کی طرف سے سمجھنے لگتا ہے تو اس کا دل اطمینان پالیتا ہے۔ وہ ہر قسم کی فکر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

میں اس کے بس میں ہوں ہر زاویے سے
وہ جب چاہے مٹادے حاشیے سے

خالص عبادت:

عبادت اللہ کا حکم ہے اور یہ حکم زندگی کے ہر مرحلے کے لئے ہے۔ ایک سچا مومن وہ ہے جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی یاد سے مزین ہو۔ لیکن عبادت میں خلوص کا شامل ہونا ضروری ہے تب ہی یہ عبادت عبادت بن سکتی ہے۔ اگر کوئی اللہ کی عبادت محض جنت کی لالچ یا جہنم کے خوف سے کرتا ہے تو اسے صوفیہ خالص عبادت نہیں تصور کرتے۔ حضرت رابعہ بصریہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے ہاتھ میں آگ لے کر نکلیں اور کہنے لگیں کہ میں جہنم کو بجھا دونگی اور جنت کو جلادونگی کیونکہ لوگ خلوص سے عبادت نہیں کرتے، وہ جنت کی لالچ اور جہنم کے خوف سے کرتے ہیں۔ صوفیہ عبادت میں خلوص کے قائل ہیں:

> ''بے مثل و بے مثال خدائے تعالیٰ جل سلطانہٗ کی (خالص) عبادت اس وقت میسر ہوتی ہے جب کہ تمام ماسویٰ اللہ کی غلامی سے آزاد ہو کر توجہ کا قبلہ ذاتِ احدیت کے سوا اور کچھ نہ رہے اور اس کی توجہ کا مصداق حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے انعام وایلام (المِ دنیا) کا برابر ہونا ہے، بلکہ اس مقام کے حاصل ہونے کے شروع میں رنج والم، انعام کی بہ نسبت زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہوتا ہے۔ اگرچہ آخر میں تفویض (ہر معاملہ خدا کے سپرد کرنا) تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور جو کچھ پہنچتا

Marfat.com

ہے اسے بہتر و مناسب جانتا ہے۔ وہ عبادت جو (جنت کی رغبت یا
دوزخ کے) خوف کی وجہ سے ہو درحقیقت اپنی ہی عبادت ہے اور
اس سے مقصود اپنی نجات اور خوشی ہے۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۷۷)

یعنی اپنی نجات اور خوشی کے لئے جو عبادت کی جاتی ہے وہ مخلصانہ نہیں ہوتی۔ مخلصانہ عبادت تو وہ ہے جس میں خود غرضی کے بجائے اللہ کی رضا شامل ہو۔ یعنی

جنت میں بھیج یا مجھے دوزخ میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے پر مری حسرت نکال دے

عبادت میں اخلاص تب آئے گا جب آدمی کا دل ہر طرف سے الگ ہو کر اللہ کی یاد میں ڈوب جائے۔ غیر اللہ کو بھول کر عبادت کی جائے۔ جب اسے یاد کیا جائے تو دل میں کسی اور کا گزر نہ ہو:

"جو کچھ ہم پر اور آپ پر لازم ہے وہ حق تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز سے
اپنے دل کو سلامت رکھنا ہے، اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے
جب کہ دل پر ماسوا اللہ کا کچھ بھی گزر نہ رہے اور غیر اللہ کا دل پر نہ
گزرنا ماسوا اللہ کے نسیان یعنی بھول جانے سے وابستہ ہے، جس کو
اس بلند مرتبہ کے نزدیک فنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر بالفرض غیر اللہ کو
تکلف کے ساتھ بھی دل میں گزاریں تب بھی ہرگز نہ گزرے اور
جب تک کام اس درجہ تک نہ پہنچے سلامتی محال ہے۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۸۲)

کچھ تصور ہے تمہارا، یا تمہیں ہر شے میں ہو
دیکھئے جو چیز آپ اس میں نظر آتے ہیں کیوں

Marfat.com

خدمتِ خلق:

انسان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔اس نے اس وسائل واسباب والی دنیا میں انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مختلف اسباب پیدا کئے ہیں۔ بظاہر انسان، انسان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنتا ہے مگر حقیقت میں یہ کام اللہ تعالیٰ کراتا ہے۔سماج کی خدمت کرنا اور لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنا انتہائی نیک کام ہے۔صوفیہ کی خانقاہیں ہر دور میں سماج سیوا کا مرکز رہی ہیں۔اصل میں صوفیہ کا ماننا ہے کہ یہ اللہ کے فضل کی بات ہے کہ وہ آپ کو اپنے کسی بندے کی ضرورتیں پوری کرنے کا ذریعہ بنا دے۔حضرت مجدد اپنے ایک خط میں اس جانب ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”کتنی بڑی دولت ہے کہ اللہ تعالیٰ عطیات کے بخشنے والے اپنے کسی بندے کو بعض فضائل اور بزرگیوں سے مخصوص فرمالے اور اپنے بندوں کی ایک جماعت کی حاجتوں کی کنجی اس کے تصرف کے ہاتھ کے حوالہ کردے اور اس کو اس جماعت کا ملجا و ماویٰ بنادے۔
>
> کتنی بڑی نعمت ہے کہ اپنی مخلوق کی ایک جماعت کو جن کو اپنے کمال کرم سے اپنا عیال فرمایا ہے اس کے ساتھ وابستہ کردے اور ان کی تربیت اس کے سپرد کردے۔ بڑا خوش قسمت ہے جو اس دولت کا شکریہ ادا کرے اور بڑا ہوشمند ہے جو اس نعمت کے شکریہ کی طرف توجہ کرے اور اپنے مالک کے عیال کی خدمت گاری کو اپنی خوش قسمتی سمجھے اور اپنے مالک کے غلاموں اور لونڈیوں کی تربیت کو اپنی بزرگی خیال کرے۔“

(مکتوباتِ مجدد الفِ ثانی، حصہ ۸، دفتر ۳، مکتوب ۱۱۶)

Marfat.com

تمام انسان اللہ کے بندے ہیں۔ وہ اپنے بندوں سے محبت فرماتا ہے۔ جس طرح ایک ماں اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اسی لئے انسانوں کو عیال اللہ کہا گیا ہے۔ اللہ کے عیال کی خدمت گزاری جس کے سپرد کردی جائے یہ اس کے لئے خوش بختی کی بات ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ اللہ کے بندوں کی خدمت کر کے اس کی رضا کا مستحق ہو جائے۔ خدمتِ خلق سبھی مذاہب میں پسندیدہ ہے۔ عیسائی مشنریاں اگر اس سلسلے کو آج بھی آگے بڑھا رہی ہیں تو سکھوں کے گردوارے اور ہندوؤں کے دھرم شالوں میں بھی خدمت خلق کے کام ہوتے ہیں۔ اصل میں اللہ کے بندوں کی خدمت کو تمام مذاہب میں اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے جو مذاہب زمانے کے دستبرد سے نہیں بچ پائے ہیں اور ان کی کتابوں اور تعلیمات میں بہت سی تحریفیں ہوئی ہیں ان کے یہاں اس تعلق سے بھی کچھ تبدیلیاں آئی ہوں مگر صوفیہ کی تعلیمات میں ہر دور میں خدمت خلق کو اہمیت حاصل رہی ہے:

''آدمی کو جس طرح حق جل وعلا کے اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے اجتناب کے بغیر چارہ نہیں، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی رعایت اور ہمدردی کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ التعظیم لامر اللہ و الشفقة علیٰ خلق اللہ (اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم اور اس کے مخلوق کے ساتھ مہربانی کرنا) یہ انھیں دونوں حقوق کی رعایت کے بیان میں فرمائی گئی ہے، اور ان دونوں کی رعایت کرنا دینداری پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں سے ایک پر انحصار کرنا کوتاہی ہے اور کُل کو چھوڑ کر جُزو پر اکتفا کرنا درجہ کمال سے دور ہے۔ لہٰذا مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کا بوجھ اٹھانا بھی ضروری ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا لازم ہے۔ ان سے بے التفاتی زیبا نہیں اور ان سے لاپروائی درست نہیں ہے۔'' (مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۷۰)

Marfat.com

خانقاہوں کی اگر تاریخ کھنگالی جائے تو خدمت خلق کی بے شمار مثالیں مل جائیں گی۔ دلی کے مشہور بزرگ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ بھارت میں ایک مثالی خانقاہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس خانقاہ سے غریبوں کی مدد کی جاتی تھی۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کی جاتی تھی۔ طلباء کو وظیفے تقسیم کئے جاتے تھے اور ہر دن بے شمار غریبوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔

نشانِ منزلِ مقصود ہے مری تربت
نشاں کو چھوڑتا ہوں اہلِ کارواں کے لئے

بہتر فرقے والی حدیث کا مطلب:

بہت مشہور حدیث ہے کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بنٹ جائے گی، لیکن ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ واقعی مسلمان اس وقت بہت سے فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہیں۔ مسلمانوں کے تمام فرقے خود کو درست اور دوسروں کو نادرست راستے پر مانتے ہیں۔ وہ خود کو نبی پاک ﷺ کے راستے پر چلنے والا اور دوسروں کو بدعتی اور بدعقیدہ مانتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے درمیان دوریاں بہت زیادہ ہیں۔ کچھ مسالک کے علماء تو اپنے علاوہ کسی کو مسلمان ماننے کو بھی تیار نہیں ہیں، مگر صوفیہ کرام کے ہاں اس سلسلے میں اعتدال پایا جاتا ہے۔ وہ ایسا نہیں مانتے۔ ان کے مطابق تمام کلمہ گو، جو کہ اسلام کے بنیادی عقائد کے منکر نہ ہوں مومن ہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ بھی ایسا ہی مانتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ رسول اکرم ﷺ کے قول کی مراد جو کہ حدیث میں اس امت کے بہتر فرقوں میں تقسیم ہوجانے کے متعلق ہے۔ کلھم

Marfat.com

فی النار الا واحدۃً (ایک کے علاوہ تمام دوزخ میں جائیں گے۔)ان فرقوں کا آگ میں داخل ہونا اور ان کا عذاب میں رہنا ہے نہ کہ آگ میں ہمیشہ کا رہنا اور ان کو ہمیشہ کا عذاب ہونا کیونکہ وہ ایمان کے منافی اور کافروں سے مخصوص ہے۔۔۔۔۔تو دوسرے فرقوں میں آگ میں داخلہ ان کے تمام افراد کے لئے ثابت ہے اگر چہ خلود نہ ہو اور فرقہ ناجیہ کے حق میں دخولِ نار بعض آدمیوں سے مخصوص ہے جنھوں نے برے اعمال کئے ہیں اور کلمہ کُلّھم میں اس بیان کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور چونکہ یہ بدعتی فرقے اہلِ قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے جب تک کہ وہ ضروریاتِ دینیہ کا انکار نہ کردیں اور احکامِ شرعیہ میں سے متواترات کا ردّ نہ کردیں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اس کو قبول نہ کریں۔علماء نے فرمایا ہے اگر کسی میں ننانوے وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانے اور اسی کی بات مضبوط ہے۔''

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، حصہ ۸، دفتر ۳، مکتوب ۳۸)

اختلافات انسانی فطرت اور سماج کا حصہ ہیں۔ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک اس دنیا میں انسان ہے اختلافات بھی رہیں گے۔ جانوروں میں اختلافات نہیں ہوتے کیونکہ وہ فکر ونظر کی صلاحیت سے عاری ہیں۔اختلافات کو قبول کرنا چاہئے۔صحابہ کرام کے بیچ بھی بے شمار اختلافات تھے مگر کبھی کسی صحابی نے دوسرے کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری نہیں کیا۔ یہاں تک اس کے بعد کے زمانے میں یزید بن معاویہ نے ظلم وستم کی انتہا کی اور مسجد نبوی وحرم مکہ کی بے حرمتی کی باجود

Marfat.com

اس کے کسی نے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ نواسۂ رسول حضرت امام حسین کی شہادت بھی اسی کے سبب ہوئی، تاریخ کی کتابوں میں اس کے فسق وفجور کی روئداد موجود ہے مگر باوجود اس کے علماء نے اسے اسلام سے خارج نہیں بتایا۔ اسی طرح معتزلہ نامی فرقے کا ظہور ہوا جس نے کسی دور میں خوب طاقت حاصل کرلیا تھا اور علماء اسلام پر بہت سختیاں کرتے تھے مگر علماء نے بے شمار اختلافات کے باوجود کبھی اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔

روایتی مسلمانوں میں ابتداءً عقائد کے دو مسلک قائم ہوئے، ماتریدی اور اشعری۔ ان دونوں کے بیچ بے شمار بنیادی اختلافات تھے۔ یہاں تک کہ اللہ کی ذات وصفات کے تعلق سے بھی یہ بہت سے اختلافات کے شکار ہوئے مگر کبھی بھی انھوں نے ایک دوسرے کو کافر قرار نہیں دیا۔ حالانکہ ان کے بیچ اس سے زیادہ اختلافات تھے جتنے کہ آج دیوبندیوں، بریلویوں، وہابیوں، شیعوں اور سنیوں کے بیچ ہیں۔ آج تک علماء یہی مانتے ہیں کہ دونوں مسلک درست ہیں۔ دینی مدارس میں عقائد کی ایک کتاب شرح عقائد نسفی پڑھائی جاتی ہے جو اکثر دینی مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔ شرح عقائد میں اس موضوع پر بحثیں ہیں۔

دنیا کے بیشتر مسلمان چار میں سے کسی ایک فقہی مسلک سے منسلک چلے آرہے ہیں۔ یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ یہ ہیں حنفی جو امام ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں اور شافعی جو امام شافعی کے مقلد ہیں اور مالکی جو امام مالک کے پیروکار ہیں اور حنبلی جو کہ امام احمد بن حنبل کی تقلید کرنے والے ہیں۔ ان چاروں کے علاوہ بھی آج کل ایک مسلک غیر مقلدین کا ہے، جو ابتدا میں مسلمانوں کے لئے اجنبی تھا مگر اب اسے بھی مسلم سماج میں قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ آج کل مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس مسلک پر بھی عمل کرتی ہے۔ ان فقہی مسالک کے آپس میں بہت سے

Marfat.com

اختلافات ہیں مگر اس کے باوجود کوئی کسی کی تکفیر نہیں کرتا۔ بلکہ ان مسلکوں کے بانیان نے بھی ایک دوسرے کا احترام کیا۔ مشہور ہے کہ حضرت امام شافعی اپنے ماقبل امام، ابوحنیفہ کی قبر پر جاتے تو اپنے مسلک کے بجائے ان کے طریقے پر عمل کرتے۔ لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ اتنے بڑے امام کی بارگاہ میں پہنچ کر اپنی تحقیق پر عمل کرتے شرم آتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اصل اسلام میں اختلافات کی بہت زیادہ گنجائش ہے۔ اختلافات نہیں ہونگے تو تحقیق اور جستجو کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔ ہر محقق اپنے طور پر سچائی تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، اگر دو محققین میں کچھ اختلافات ہوتے ہیں تو یہ فطری امر ہے۔ ظاہر ہے اسلام اسے قبول کرتا ہے اور ان کی بنیاد پر کسی پر کفر کے فتوے لگانا سراسر غلط ہے۔ حضرت مجدد کا اس سلسلے میں خیال ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجہیں کفر کی پائی جائیں اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو اسے مومن ہی مانا جائے گا، باقی کے معاملات اللہ کے ذمے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق بدعتی فرقوں کے لئے جو جہنمی ہونے کی بات کہی گئی ہے، اس کا مطلب دخول ہے نہ کہ خلود۔ یعنی وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے مگر ہمیشہ کے لئے نہیں۔ وہ پھر جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ آج کل کے کچھ علماء میں بات بات پر کفر کے فتوے جاری کرنے کا رواج چل پڑا ہے جو قابلِ تشویش ہے اور بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے۔ کوئی اگر خود کو مومن کہہ رہا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں اس کے دل کے اندر جھانک کر اسے کافر قرار دینے والے؟ رسول اکرم ﷺ نے تو ان کے ایمان کو بھی قبول کر لیا جو آپ کی اہانت کرتے رہے تھے اور آپ کو ستاتے رہے تھے۔ جنھوں نے جنگیں لڑیں اور آپ کے پیارے چچا کا قتل کر کے کلیجے کو چبایا۔ کسی کے ایمان کو قبول نہ کرنے کا اختیار تو رسول کو تھا مگر انھوں نے کسی پر کفر کا فتویٰ

Marfat.com

عائد نہیں کیا۔ تف ہے ان مولویوں پر جو بات بات میں کفر وشرک کے فتوے لگاتے ہیں اور اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں جو ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ بالفرض اگر ان کے فتووں کو تسلیم کرلیا جائے تو دنیا کا کوئی فرد بھی ان فتووں کی زد میں آنے سے نہیں بچ سکتا شاید وہ خود بھی نہیں۔ ایک عجیب قسم کا افراط وتفریط دیکھنے کو مل رہا ہے کہ ایک طبقہ تو کلمہ گو کو مسلمان تسلیم کرنے کو تیار نہیں تو دوسرا طبقہ کافر کو بھی کافر کہنا درست نہیں سمجھتا۔

دنیادار علماء:

اہلِ علم کی اہمیت ہر زمانے میں رہی ہے۔ علماء کے سبب ہی دنیاوی نظام چلتا ہے۔ یہاں کے معاملات پر وہی حاوی رہتے ہیں کیونکہ پالیسی سازی انھیں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ علماء سے دنیا فیضیاب ہوتی ہے اور اگر وہ خود اپنے علم سے فیض نہ اٹھا سکیں تو یہ افسوس ناک بات ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانی بھی انھیں پارس پتھر کی مانند مانتے ہیں جس کی رگڑ سے تانبا سونا بن جاتا ہے مگر یہ خود پتھر کا پتھر رہتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”یہ (دنیادار علماء) پارس پتھر کی مانند ہیں کہ تانبے اور لوہے کی جو چیز بھی اس کے ساتھ رگڑ کھاتی ہے، سونا ہو جاتی ہے اور وہ خود اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے اور اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ موجود ہے، دنیا کو اس آگ سے بہت فائدے حاصل ہیں، لیکن وہ پتھر اور آگ اپنے اندر کی موجودہ آگ سے فائدہ حاصل نہیں کرتے۔“

(مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۳۳)

Marfat.com

شریعت اور طریقت:

شریعت اور طریقت کی بحث بہت پرانی ہے۔ جاہلوں میں طریقت کے عجیب وغریب مفہوم بیان کیے جاتے ہیں مگر دین کا علم رکھنے والوں نے طریقت کو شریعت سے جدا راستہ کبھی نہیں بتایا۔ طریقت اصل میں دین میں اخلاص کا ہی نام ہے، جسے دین کی تکمیل بھی کہہ سکتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خط میں کچھ ایسی ہی تشریح بیان کی ہے:

> ''شریعت کے تین جزو ہیں: علم، عمل اور اخلاص، جبتک یہ تینوں جزو ثابت نہ ہو جائیں اس وقت تک شریعت ثابت نہیں ہوتی، اور جب شریعت ہوگئی تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوگئی، جو کہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے اوپر (افضل) ہے۔ ورضوان من اللہ اکبر (اور اللہ کی رضامندی سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے)
>
> تو شریعت تمام دنیوی واخروی نعمتوں کی ضامن ہوئی، کوئی بھی مقصد نہیں جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے ماسوا کسی اور چیز کی ضرورت پیش آئے۔ طریقت اور حقیقت کہ جس کے ساتھ صوفیاء کرام ممتاز ہیں، شریعت کے تیسرے جزو یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں۔ تو ان دونوں کے حاصل کرنے سے مقصود شریعت کا کامل کرنا ہے، نہ کہ شریعت کے سوا کوئی اور امر ہے۔''
>
> (مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۳۶)

اوپر کی عبارت سے ظاہر ہے کہ طریقت، شریعت سے جدا کوئی طریقہ نہیں۔ یہ تو شریعت کی تکمیل کا ہی نام ہے۔ اگر کوئی شریعت کے علاوہ کسی راستے کی بات کرتا ہے

Marfat.com

تو وہ اسلام کے علاوہ کوئی راستہ ہو سکتا ہے مگر اسلام نہیں ہو سکتا۔اصل میں ظاہری احکام کی پابندی کا نام شریعت پر عمل ہے اور اس کے باطنی فائدے کو حاصل کرنے کو طریقت و معرفت کہتے ہیں:

> ''حقیقت میں ظاہری دولت یہ ہے کہ انسان اپنے ظاہر کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کے احکام کے ساتھ آراستہ کرے اور باطنی سعادت یہ ہے کہ بندہ اپنے باطن کو ماسوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی گرفتاری سے آزاد کرے۔''

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر ا، مکتوب ۴۹)

> ''اپنے ظاہر کو روشن شریعت کے ظاہر کے ساتھ آراستہ کرنا اور اپنے باطن کو ہمیشہ حق تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ رکھنا بہت بڑا کام ہے، دیکھئے کس صاحبِ نصیب کو ان دو بڑی نعمتوں سے مشرف فرماتے ہیں۔آج ان نعمتوں کا جمع کرنا بلکہ ظاہر شریعت پر ہی استقامت حاصل کرنا سرخ گندھک سے بھی زیادہ نایاب ہے۔''

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۸۳)

ظاہر کو احکامِ خداوندی کے مطابق بنانا شریعت پر عمل ہے اور باطن کو اس کی مرضی کے مطابق بنانا طریقت پر عمل ہے۔اگر کسی نے ریاکاری کے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کی تو یقیناً شرعاً اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی لیکن کیا حقیقتاً وہ ثواب کا مستحق ہوا؟ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا انحصار بندے کی نیت پر ہوتا ہے۔اب ریاکاری ودکھاوا کی نیت سے جو عمل کیا جارہا ہے، کیا اس کا ثواب ملے گا، یا نیت کے سبب گناہ کا باعث ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اسی اندرونی کیفیت کو درست کرنے کا نام ہی تصوف وطریقت پر عمل ہے۔شریعت اور طریقت کے مفہوم کو حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے متعدد خطوط میں سمجھایا ہے۔ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو:

Marfat.com

"مقصود یہ ہے کہ شریعت اور حقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہیں، فرق صرف اجمال وتفصیل اور استدلال وکشف اور غَیبت وشہادت اور تعمل وعدمِ تعمل کرنا ہے۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۸۴)

عام طور پر شریعت وطریقت کو ایک دوسرے کا غیر سمجھا جاتا ہے یہ سوچ ہی درست نہیں۔ اصل میں تصوف وطریقت اسلام کا ہی جمالیاتی پہلو ہے۔ اس کا مقصد یہ ہیکہ آدمی مذہب کی روح کو محسوس کرے۔ اللہ ورسول کا مقصود یہ بالکل نہیں کہ آدمی صرف ظاہر کی اصلاح کر لے، بلکہ ظاہر سے زیادہ باطن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اگر آدمی کا دل بدل جائے تو ظاہر کو بدلتے وقت نہیں لگتا۔ اصل پاکیزگی دل کی پاکیزگی ہے، کیونکہ:

نہائے دھوئے کا ہوت جب من میل نہ جائے
مین سدا جل میں رہے دھوئے باس نہ جائے

ترکِ دنیا:

عام طور پر صوفیہ کے ہاں دنیا سے بے رغبتی پائی جاتی ہے۔ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کا بھی یہی ماننا ہے کہ دین اور دنیا کو جمع کرنا متضاد چیزوں کا جمع کرنا ہے۔ جسے آخرت کی چاہت ہو اسے دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنی چاہئے۔ اس بے رغبتی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انسان دنیا کی ذمہ داریوں کو چھوڑ کر کسی جنگل میں ٹھکانا بنالے۔ بے رغبتی کا مطلب ہے کہ دنیا میں وہ جو بھی کام کرے، اس کا مقصد اللہ ورسول کو راضی کرنا ہو نہ کہ دنیا کے فائدے کمانا۔ اگر وہ بال بچوں کی پرورش کر رہا ہے یا کاروبار وملازمت کے ذریعے روزگار حاصل کرنے کی

Marfat.com

کوشش کر رہا ہے تو اس کا مقصد صرف اور صرف اللہ و رسول کے احکام کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی ہونی چاہئے۔ مجدد صاحب کے ایک خط کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

"دین اور دنیا کا جمع کرنا متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے تو طالبِ آخرت کے لئے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے، اور چونکہ اس زمانہ میں اس کا حقیقی ترک میسر نہیں ہوسکتا بلکہ دشوار ہے ناچار ترکِ حکمی ہی اختیار کرلینا چاہئے۔ اور ترک حکمی سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں روشن شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور کھانے پینے کی چیزوں اور رہنے سہنے کے مکانات میں شرعی حدود کو مدنظر رکھنا چاہئے اور ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے جانوروں میں فرض شدہ زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے اور جب احکام شرعیہ کے ساتھ آراستگی حاصل ہوگئی تو دنیا کے ضرر و تکلیف سے نجات حاصل ہوگئی اور (دنیا) آخرت کے ساتھ جمع ہوگئی۔"

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۲۷۹

اگر شرعی حدود کو انسان کمالِ اخلاص کے ساتھ پورا کرے تو یہی طریقت پر عمل ہے اور یہی اللہ و رسول کا مقصود بھی ہے۔ یہ دنیا ظاہری طور پر بے حد دلکش اور پرکشش ہے۔ آدمی کا دل یہاں اس قدر لگ جاتا ہے کہ وہ پھر یہاں سے واپس جانا نہیں چاہتا۔ وہ اسی دنیا کو منزلِ اصلی سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ اس کا اصل مقام تو آخرت ہے۔ یہاں تو اسے صرف ایک امتحان کے لئے بھیجا گیا ہے۔ جو کام اسے سونپا گیا ہے اس کے لئے اسے ایک وقت بھی دیا گیا ہے۔ وقت ختم ہوتے ہی اسے دنیا سے رخصت ہوجانا ہے اور اپنے اصل مقام پر پہنچنا ہے۔ اس لئے دنیا سے بے رغبتی کا حکم ہے۔ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے اس دنیا کی کوئی اہمیت نہیں۔ آدمی کا ایمان آخرت پر جتنا پختہ ہوتا ہے، یہ دنیا اسے اسی قدر معمولی لگتی ہے۔ صوفیہ چونکہ آخرت رخی زندگی

Marfat.com

جیتے ہیں لہٰذا وہ دوسروں کو بھی اسی راستے پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

''اے فرزند! دنیا آزمائش اور امتحان کی جگہ ہے، اس کے ظاہر کو طرح طرح کی باطل آرائشوں سے ملمع و آراستہ کیا گیا ہے۔ اس کی صورت کو وہمی خط وخال اور زلف ورخسار سے پیراستہ کیا گیا ہے۔ دیکھنے میں شیریں اور تروتازہ نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مردار اور مکھیوں و کیڑوں سے بھری ہوئی کوڑی (کوڑا ڈالنے کی جگہ) اور پانی کی طرح نظر آنے والا سراب اور زہر کی مانند شکر ہے۔ اس کا باطن سراسر خراب اور ابتر ہے۔ اس قدر گندگی کے باوجود اپنے اہل کے ساتھ اس کا معاملہ اس سے بھی بدتر ہے جو بیان ہوسکے۔ اس دنیا کا فریفتہ و دیوانہ جادو کا مارا ہوا ہے۔ اس کا گرفتار مجنوں اور فریب خوردہ ہے۔ جو شخص اس کے ظاہر پر فریفتہ ہوا دائمی خسارہ کے داغ سے داغدار ہوا اور جس نے اس کی شیرینی اور تازگی پر نظر کی دائمی شرمندگی اس کے نصیب میں آئی۔''

(مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۷۳)

آخرت کی جاودانی زندگی کے مقابلے دنیا کی فانی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ بس یہ ایک نگاہوں کا دھوکہ ہے۔ ایک سرابِ نظر ہے، جس کی بلا میں گرفتار ہونے والا پیاسا مارا جاتا ہے۔ یاد رہے

ذروں کو جو سمیٹ کے تجسیم کرے گا
وہ آئینہ در آئینہ تقسیم کرے گا

Marfat.com

کائنات مظہرِ خدا ہے:

اس دنیا میں موجود ہر چیز اپنے خالق و مالک اور پالنے والے کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ کے وجود پر ایمان لانے کے لئے یہی کافی ہے کہ انسان یہاں موجود چیزوں اور اس کائنات میں پل پل ہو رہی تبدیلیوں پر غور کرے۔

> ''خواہ عالمِ صغیر (انسان) ہو یا عالمِ کبیر (پوری کائنات) سب حق تعالیٰ شانہٗ کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں اور اس کے شیون وکمالات کے آئینے ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ عز سلطانہٗ ایک مخفی خزانہ اور پوشیدہ راز تھا، اس نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر فرمائے اور اجمال کو تفصیل میں لائے، چنانچہ اس نے عالم کو ایسے نہج پر پیدا فرمایا کہ عالم کی ذوات و صفات حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات و صفات پر دلالت کرنے والے بن جائیں۔''

(مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب ۱۲۵)

ذرہ ہوں، آفتاب ہوں، شب ہوں کہ ماہتاب ہوں
ساگر ہوں یا سحاب ہوں، دریا ہوں یا حباب ہوں

کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ ہمیں اللہ نے کس طرح بنایا ہے اور ہمارے ایک چھوٹے سے وجود میں کس قدر گہرائی رکھی ہے۔ ہمارے جسم کی بناوٹ چھوٹے چھوٹے خلیوں سے ہوتی ہے۔ یہ سیلس گویا چھوٹی چھوٹی اینٹیں ہیں جن سے ہمارے جسم کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہ اس قدر باریک ہوتے ہیں کہ صرف بہت طاقتور خوردبینوں سے ہی انھیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے اندر ڈی این اے ہوتے ہیں جو ہماری عادات، رویے، طور طریقے اور سوچنے کے انداز کے لئے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس میں ہماری جسمانی اور ذہنی بناوٹ کی تفصیلات ہوتی ہیں۔ گویا یہ وہ سافٹ ویئر پروگرام

Marfat.com

ہیں جو ہمارے تمام دماغی اور جسمانی نظام کی تعمیر کے لئے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ڈی این اے میں جو جانکاریاں ہوتی ہیں ان کے صرف تین فیصد حصے کو ہی ماہرین پڑھ پائے ہیں۔ اندازہ ہے کہ اس میں درج جانکاریوں کو اگر کاغذ کے صفحات پر درج کیا جائے تو لاکھوں صفحات بھی اس کے لئے ناکافی ثابت ہوں۔ ڈی این اے انسان اور جانور سب میں ہوتے ہیں۔ یہی انسان کو انسان اور جانور کو جانور بناتے ہیں۔ کبھی انسان کے بچے جانور نہیں ہوتے اور کبھی جانور کے بچے انسان نہیں ہوتے۔ یہ سب کچھ اسی ڈی این اے میں درج پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ پروگرام کبھی گڑبڑ نہیں ہوتا اور اپنے کنٹرول کرنے والے کی مرضی کے خلاف کام نہیں کرتا۔ ظاہر ہے اتنے زبردست پروگرام کو کوئی نہ کوئی تو کنٹرول کر رہا ہے اور اسی کنٹرولر کا نام اللہ ہے۔ ہمارا جسم تو عالم صغیر یعنی چھوٹی دنیا ہے، لیکن عالمِ کبیر یعنی بڑی دنیا میں لاکھوں جاندار اور بے جان چیزیں ہیں۔ چاند، ستارے، سیارے اور زمین و کہکشاں ہیں۔ ان کے حدو حساب سے بھی انسان واقف نہیں ہو پایا ہے۔ یہ سب کسی نہ کسی طاقت ور کارساز کا پتہ دیتے ہیں اور وہی کارساز اللہ ہے۔ مظاہر فطرت اور یہاں کی ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کی قدرت کی مظہر ہے۔ انسان اللہ پر ایمان لائے، یہ بتانے کے لئے کسی ہادی کی ضرورت نہیں بلکہ خود ایک معمولی عقل و شعور والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔ ہماری ہر سانس کہتی ہے کہ کوئی ہے جو ہمیں جاری رکھے ہوئے ہے۔ اپنے خالق کی ذات وصفات اور اس کی کارسازی کے تعلق سے غور وفکر ہی تصوف کا موضوع ہے۔ آپ بھی غور کریں۔ کچھ اور نہیں تو اپنے وجود کے بارے میں ہی سوچیں کہ آپ کون ہیں؟

میں سوز ہوں کہ ساز ہوں، نے ہوں کہ میں رباب ہوں
جلوہ ہوں یا حجاب ہوں، کانٹا ہوں یا گلاب ہوں

☆☆☆

Marfat.com

تعلیمات صوفیاء کی روشنی

انوارِ تصوف

غوث سیوانی

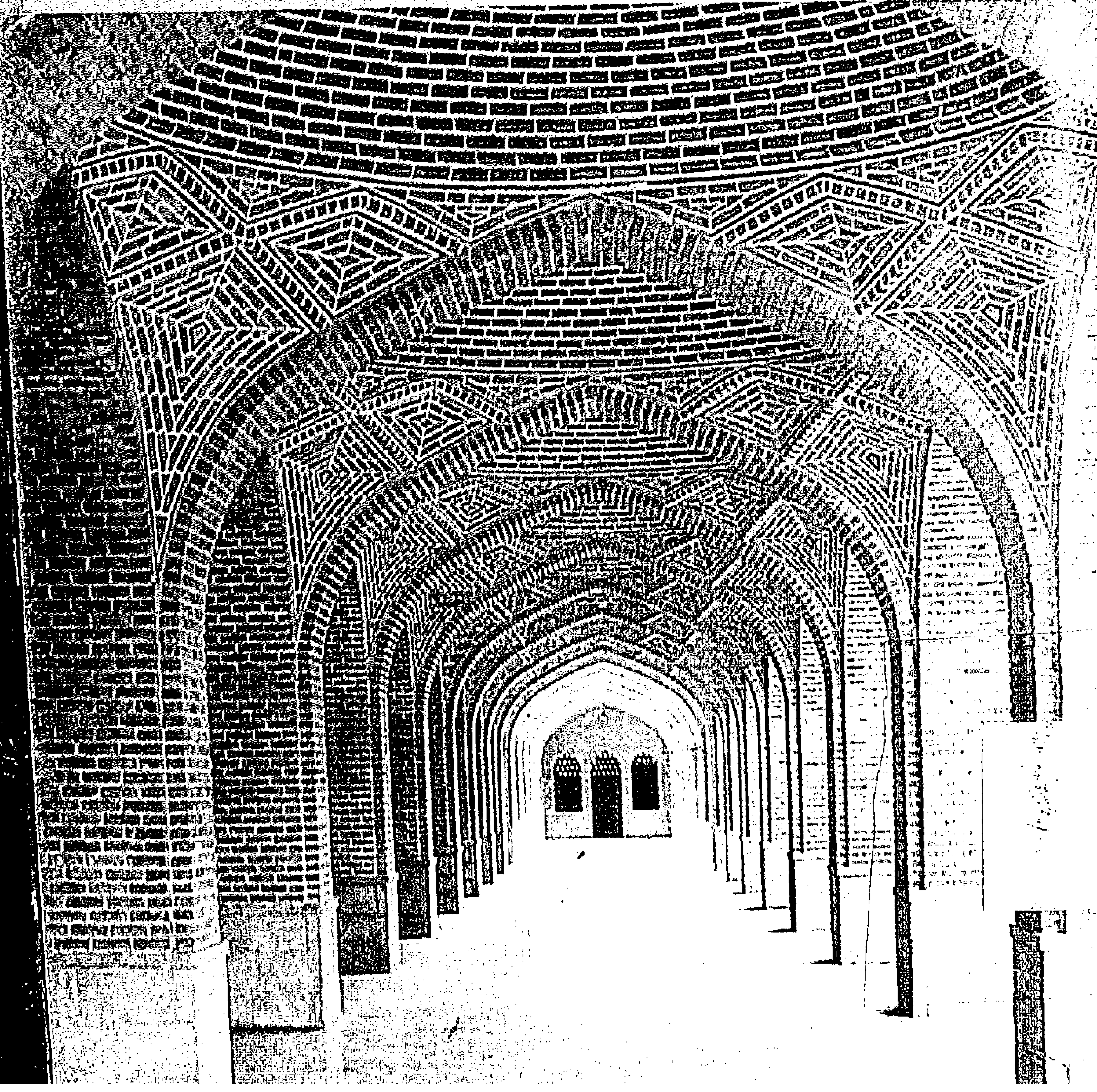

Marfat.com